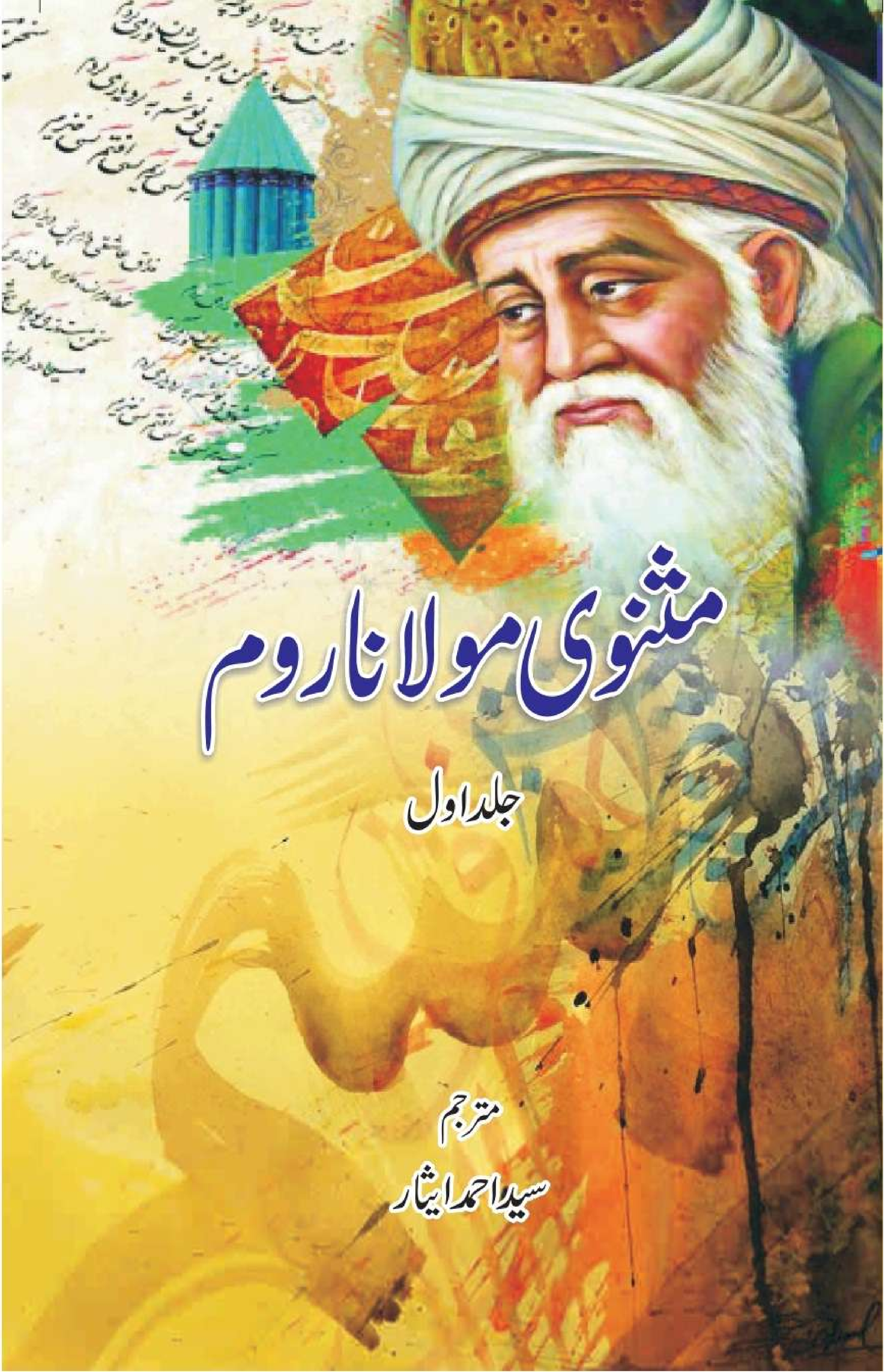

مثنوی مولانا روم

جلد اول

مترجم

سید احمد ایثار

مثنوی مولانا روم

جلد اول

مترجم

سید احمد ایثار

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی ۔110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت :
تعداد :
قیمت : روپے
سلسلہ مطبوعات :

Masnavi Maulana Room

Translated by: Syed Ahmad Esar

ISBN :

پیش لفظ

افراد و اجتماع کی ترقی آگہی اور معلومات سے مشروط ہے اور آگہی کے تمام دروازے کتابوں کے ذریعے ہی کھلتے ہیں۔ کتابیں ہمیں روشنی کی ایک نئی دنیا سے روشناس کراتی ہیں اور ہمارے احساس واظہار کو تحریک عطا کرتی ہیں۔ مگر صارفی معاشرت نے ہماری ترجیحات بدل دی ہیں۔ کتابوں سے ذہنوں کا رشتہ کمزور پڑتا جارہا ہے۔ ڈیجیٹل ٹکنالوجی کی وجہ سے متبادل قرأت کی ایک نئی صورت جنم لے رہی ہے۔ اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مطبوعہ کتابوں کی معنویت کم نہیں ہوئی بلکہ کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ مطبوعہ کتابوں کے لمس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ای بکس نے گو کہ قاری کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا ہے مگر مطبوعہ کتابوں سے آج بھی دنیا کی بڑی آبادی کا رشتہ قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ حسب سابق جاری وساری ہے۔

علمی اور تہذیبی ورثے کا تحفظ ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے اور ہمارے ارباب نظر نے اس کے تحفظ کے لیے مختلف صورتیں بھی نکالی ہیں۔ قومی اردو کونسل بھی ایک ایسا ادارہ ہے جس نے علمی اور تہذیبی وراثت کے تحفظ کے لیے مختلف علوم وفنون کی نہ صرف کتابیں شائع کی ہیں بلکہ ''ای کتاب'' کے ذریعے بھی اس کے تحفظ کی ایک نئی صورت نکالی ہے۔ قومی اردو کونسل نے

جہاں لسانیات، ادبیات، تکنیکی و سائنسی علوم، ریاضیات، شماریات اور دیگر علوم کی فرہنگ و اصطلاحات، کلاسیکی ادب پاروں، نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم رکھا ہے وہیں ''ای کتاب'' اور'' ای لائبریری'' کے ذریعے اہم کتابوں کے تحفظ کی بھی کوشش کی ہے۔ کونسل نے ذولسانی (اردو اور انگریزی) ایپ ''ای کتاب'' تیار کیا ہے جس میں گلوبل لینگویج سپورٹ کے علاوہ انٹریکٹو فہرست کے ذریعے مطلوبہ باب تک رسائی اور الفاظ کے معانی دیکھنے کی سہولت بھی موجود ہے۔ کونسل سے شائع شدہ اہم کتابیں اس کی ویب سائٹ (ای لائبریری) پر موجود ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کونسل کی اہم مطبوعات سے استفادہ کرسکیں۔ قومی اردو کونسل نے کم قیمت پر اردو زبان و ادب کا سرمایہ شائقین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور کونسل اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہے کہ اس کی کتابیں صرف برصغیر نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ کونسل ترجیحی طور پر ان کتابوں کی اشاعت کرتی ہے جس کے ذریعے ہم حیات و کائنات کے رموز و اسرار، آداب زندگی اور قرینۂ اظہار سے اچھی طرح واقف ہوسکیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اساتذہ اور طلبا کے علاوہ عام قارئین کے لیے بھی بے حد مفید ثابت ہوگی۔

شیخ عقیل احمد
ڈائرکٹر

فہرست

	مقدمہ	xv
1	بشنو از نے	1
2	بادشاہ کا لونڈی پر عاشق ہو کر اس کو خریدنا لونڈی کا بیمار ہونا اور اس کا علاج	3
3	حکیموں کا علاج سے عاجز آنا...... بادشاہ کا رجوع الی اللہ ہونا	5
4	رعایت ادب کی خواہش کرنا اور بے ادبی کی نحوست	6
5	اس خدائی طبیب سے بادشاہ کی ملاقات......جس کے آمد کی خبر دی گئی تھی	7
6	بادشاہ کا غیبی طبیب کو بیمار کے پاس لے جانا	7
7	لونڈی کے مرض کو معلوم کرنے کے لیے طبیب کا......تنہائی چاہنا	10
8	اس طبیب کا لونڈی کے مرض کو معلوم کر لینا اور بادشاہ پر ظاہر کرنا	12
9	بادشاہ کا ایلچیوں کو سمرقند روانہ کرنا اس سنار کی تلاش میں	12
10	اس بیان میں کہ سنار کو مارنا خدائی اشارے پر تھا نہ کہ کسی برے خیال سے	14
11	ایک بنیے اور طوطی کا قصہ اور طوطی کا دکان کے اندر تیل بہانا	16
12	صاحب تحقیق اور ڈینگیں مارنے والے اور حق گو اور جھوٹے کے درمیان فرق	19

13	اس یہودی بادشاہ کا قصہ جو عیسائیوں کو تعصب کی وجہ سے قتل کرتا تھا	20
14	بادشاہ کے وزیر کا قصہ اور عیسائیوں میں تفرقہ پھیلانے کے لیے مکر وفریب	21
15	وزیر کا عیسائیوں کو دھوکہ دینے کی فکر کرنا اور اس کا مکر	21
16	وزیر کے پاس عیسائیوں کا جمع ہونا اور اس کا ان سے راز کہنا	23
17	مرد عارف کی مثال......موت کے وقت قبض کر لیتا ہے'' کی تفسیر	24
18	خلیفہ کا لیلیٰ سے سوال کرنا اور اس کا جواب	25
19	رہنما ولی کی تابعداری کی ترغیب	26
20	یہودی وزیر کا حسد کرنے کے بیان میں	27
21	ماہر عیسائیوں کا وزیر کے مکر کو سمجھ لینا	27
22	بادشاہ کا خفیہ پیغام وزیر کے نام	28
23	انجیل کے احکام میں وزیر کا گڑبڑ کرنا اور اس کی چالاکی	29
24	اس بیان میں کہ رفتار کی صورت میں اختلاف ہے نہ کہ راستے کی حقیقت میں	31
25	اس مکر وفریب میں وزیر کے خسارہ اٹھانے کا بیان	32
26	وزیر کا مکر کر کے تنہائی میں بیٹھنا اور قوم میں شورش پیدا کرنا	33
27	وزیر کا اپنے مریدوں اور متبعین کو دفع کرنا	34
28	مریدوں کا مکرر عرض کرنا کہ خلوت چھوڑ دے	35
29	وزیر کا جواب دینا کہ میں تنہائی نہ چھوڑوں گا	36
30	وزیر کی خلوت کے متعلق مریدوں کا دوبارہ خوشامد کرنا	36
31	وزیر کا مریدوں کو تنہائی چھوڑنے سے ناامید کرنا	38
32	وزیر کا ہر سردار کو علاحدہ علاحدہ ولی عہد بنانا	39
33	مریدوں سے تنہائی میں وزیر کا اپنے آپ کو مار ڈالنا	39
34	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کا معلوم کرنا کہ تم میں ولی عہد کون ہے	40
35	اس بیان میں کہ سب پیغمبر برحق ہیں اور ہم کسی میں تفریق نہیں کر سکتے	40

36	اس بیان میں کہ انبیاء علیہم السلام نے کہا ہے لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کرو......	41
37	سرداروں کا ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا	41
38	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی تعریف جو انجیل میں تھی	43
39	ایک اور یہودی بادشاہ کی حکایت جس نے دین عیسوی برباد کرنے کی کوشش کی	44
40	بادشاہ کا آگ جلانا......نجات پائے گا	45
41	یہودی بادشاہ کا ایک عورت کو مع بچہ کے لانا......آگ میں سے بچہ کا بولنا	46
42	ذوق کی وجہ سے لوگوں کا اپنے آپ کو آگ میں ڈالنا	48
43	اس شخص کا چہرہ ٹیڑھا رہ جانا جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تمسخر سے لیا	48
44	یہودی بادشاہ کا آگ پر غصہ کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور اس کا جواب	49
45	ہوا کا ہود علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کا قصہ	50
46	یہودی بادشاہ کا نصیحت کرنے والوں کی نصیحت پر طنز اور انکار	51
47	شکار کے جانوروں کا قصہ توکل اور کوشش ترک کر دینے کا بیان	52
48	شیر کا شکاروں کو جواب دینا اور کوشش کی خاصیت کا بیان	53
49	شکاروں کا کوشش اور کمانے پر توکل کو ترجیح دینا	53
50	شیر کا ترجیح دینا کسب اور کوشش کو توکل پر	53
51	نخچیروں کا توکل کو کسب پر ترجیح دینا	53
52	شیر کا توکل پر کوشش کو دوسری بار ترجیح دینا	54
53	شکاروں کا توکل کو کوشش پر پھر ترجیح دینا	55
54	عزرائیل علیہ السلام کا ایک شخص کو گھورنا......کوشش پر ترجیح کی تقریر	56
55	شیر کی پھر توکل پر کوشش کو ترجیح دینا اور کوشش کے فائدے بیان کرنا	57
56	کوشش کی توکل پر ترجیح ثابت ہو جانا	58
57	خرگوش کے شیر کے پاس جانے میں تاخیر پر شکاروں کی ناپسندیدگی	58

58	خرگوش کا شکاروں کو جواب دینا اور مہلت چاہنا	59
59	شکاروں کا خرگوش کی باتوں پر اعتراض	59
60	خرگوش کی عقلمندی کا ذکر، عقلمندی کی فضیلت اور نفعوں کا بیان	60
61	شکاروں کا خرگوش کی تدبیر اور راز معلوم کرنا	61
62	خرگوش کا شکاروں سے راز کو پوشیدہ رکھنا	61
63	خرگوش کا شیر کے ساتھ چالاکی کرنا اور انجام کو پہنچنے کا قصہ	62
64	مکھی کی رکیک تاویل کا بودا پن	63
65	خرگوش کے دیر سے آنے کے سبب شیر کا رنجیدہ ہونا	64
66	خرگوش کا مکر اور شیر کے پاس اس کے دیر سے جانے کے بیان میں	65
67	خرگوش کا شیر کے پاس پہنچنا اور شیر کا اس پر غصہ	67
68	تاخیر کی وجہ سے خرگوش کا شیر سے معذرت اور خوشامد	67
69	شیر کا خرگوش کو جواب دینا اور اس کے ساتھ روانہ ہونا	68
70	حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کا قصہ اور یہ بیان کہ جب قضا آتی ہے تو آنکھیں بند ہوجاتی ہیں	70
71	کوے کا ہدہد کے دعوے پر طعنہ زنی کرنا	71
72	اس طعنہ کے بارے میں ہدہد کا سلیمان علیہ السلام کو جواب دینا	71
73	حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ۔ قضا کا ان کی آنکھ کو بند کردینا...... تاویل کرنا	72
74	کنویں کے پاس آکر خرگوش کا شیر سے پیچھے ہٹنا	73
75	شیر کا خرگوش سے رکنے کا سبب پوچھنا اور اس کا جواب	75
76	شیر کا کنوئیں میں جھانکنا اور اپنے اور اس خرگوش کے عکس کو دیکھنا	76
77	خرگوش کا شکاروں کے پاس خوشخبری لے جانا کہ شیر کنوئیں میں گر گیا	78
78	شکاروں کا خرگوش کے پاس جمع ہونا اور اس کی مدح وثنا کرنا	79
79	خرگوش کا شکاروں کو نصیحت کرنا کہ دشمن کی موت پر خوش نہ ہوں	79

80	ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں کی تفسیر	80
81	قیصر روم کے ایلچی کا پیغام لے کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آنا	81
82	شاہ روم کے قاصد کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھجور کے درخت کے نیچے سوتے ہوئے پانا	82
83	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیصر روم کے ایلچی سے بات چیت کرنا اور روم کے ایلچی کا سوال کرنا	83
84	حضرت آدم علیہ السلام کا اپنی لغزش کو اپنی طرف منسوب کرنا......گمراہ کیا	85
85	تمثیل	86
86	تفسیر آیۃ ''وھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنتم'' وہ تمھارے ساتھ تم جہاں ہو	87
87	روم کے ایلچی کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روحوں کے اس آب وگل کے جسم میں مبتلا رہنے کا سبب دریافت کرنا	87
88	حدیث شریف: جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے کا قصد کرے وہ اہل تصوف کے ساتھ بیٹھے، کا بیان	88
89	ایک سوداگر کا قصہ جو ہندوستان کو تجارت کے لیے جا رہا تھا اور قیدی طوطی کا ہندوستان کی طوطیوں کو پیغام دینا	89
90	پردار جانوروں یعنی طیور عقول الٰہی کا بیان	91
91	سوداگر کا جنگل میں طوطیوں کو دیکھنا اور پیغام پہنچانا	91
92	حضرت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہ کے قول کی تفسیر	92
93	جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کرنا کہ پہلے آپ علیہ السلام لاٹھی ڈالیے	93
94	سوداگر کا پھر طوطی سے کہنا جو کچھ اس نے ہندوستان میں دیکھا تھا	95
95	طوطی کا اس طوطی کی حرکت کو سننا اور اس کا مر جانا اور مالک کا اس پر رونا	97
96	حضرت حکیم سنائی روح اللہ روحہ کے قول کی تفسیر کہ......حرام قرار دیا ہے	100
97	خواجہ سوداگر کی حکایت کی طرف رجوع	103

98 خواجہ کا مردہ طوطی کو پنجرے سے باہر پھینکنا اور اس کا اڑ جانا 103

99 طوطی کا خواجہ کو رخصت کرنا نصیحت کر کے اڑ جانا 104

100 لوگوں کی تعظیم اور شہرت کی مضرت 105

101 تفسیر...... جو اللہ تعالیٰ نے جو چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا کی تفسیر 106

102 حکیم سنائی قدس سرہٗ کے قول کی تفسیر 108

103 سارنگی بجانے والے بوڑھے کا قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فاقہ کر کے روز اللہ واسطے سارنگی بجاتا تھا 108

104 حدیث "مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ" "جو شخص اللہ کے لیے ہو گیا اللہ اس کے لیے ہو گیا" کا بیان 110

105 اس حدیث: تمھارے رب کی خوشبوئیں تمھارے زمانے میں ہیں...... وابستہ ہو جاؤ 111

106 حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پیغمبر علیہ السلام سے سوال کرنا کہ بارش ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت کپڑے نہ بھیگے اور اس کا جواب 114

107 حکیم سنائی (خدا ان کی روح کو راحت پہنچائے) کے شعر کی تفسیر 115

108 اس حدیث کے معنیٰ ...... موسم ربیع کی سردی کو غنیمت سمجھو...... درختوں پر 116

109 حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا کہ آج کی بارش کا کیا راز تھا 117

110 سارنگی بجانے والے بوڑھے کے قصہ کا بقیہ اور اس کا خلاصہ 118

111 غیبی آواز کا نیند میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنا...... سویا ہوا ہے 120

112 پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں ستون حنانہ کے رونے کا...... سے گفتگو 120

113 پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر کرنا اور سنگریزوں کا ابوجہل کے ہاتھ میں بات کرنا اور گواہی دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر 122

114 حقیر بوڑھے سارنگی نواز کا قصہ اور اس کو پیغام پہنچانا 123

115 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کو مقام گریہ سے جو کہ ہستی ہے مقام استغراق کی طرف پھیرنا 125

116 ان دو فرشتوں کی دعا کی تفسیر......نہ کہ خواہشات میں اڑنے والا 126

117 عرب کے سرداروں کا قبولیت کی امید پر قربانی کرنا 127

118 اس خلیفہ کا قصہ جو سخاوت میں حاتم طائی سے بڑھا ہوا تھا 128

119 ایک فقیر بدو کا قصہ اور اس کی بیوی کا اس سے جھگڑا کرنا فقر اور افلاس کے بارے میں 128

120 ضرورت مند مریدوں کا دھوکہ کھانا...... 129

121 اس بات کا بیان......جھوٹے مدعی کا کم ہی کوئی سچا مرید ہوتا ہے...... 130

122 بدو کا اپنی بیوی کو تسلی دینا اور صبر کی فضیلت بیان کرنا 131

123 بیوی کا شوہر کو نصیحت کرنا کہ اپنی بساط اور مقام سے بڑھ کر بات نہ کر...... 132

124 مرد کا عورت کو نصیحت کرنا کہ فقیروں کو ذلت سے نہ دیکھ...... 134

125 اس بیان میں کہ ہر چیز کا حرکت کرتے نظر آنا......صحیح دکھانے والی ہوتی ہے 135

126 عورت کا مرد کی رعایت کرنا اور اپنے کہے ہوئے سے توبہ کرنا 137

127 اس حدیث کے بیان میں کہ بے شک وہ عورتیں عقلمند پر غالب اور جاہل ان پر غالب 139

128 مرد کا عورت کی درخواست قبول کرنا......اشارہ جاننا 139

129 اس بیان میں کہ موسیٰ علیہ السلام و فرعون دونوں ایک ہی مشیت کے تابع ہیں......سے خلوت 140

130 بد بخت لوگوں کے دو جہاں سے محروم رہنے کا سبب...... 141

131 دشمنوں کا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو حقیر جاننا......انجام دے جو کرنا چاہتا ہے 143

132 اس آیت مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ کے معنیٰ ......زیادتی نہ کرے 146

133 اس بیان میں کہ جو ولی کامل کرے مریدوں کے لیے گستاخی......سچ فرمایا 148

134 اعرابی اور اس کی بیوی کے فقر و شکایت کے قصہ کا خلاصہ 149

135 اعرابی کا اپنی محبوبہ کی بات پر راضی ہو جانا...... 151

136 عورت کا اپنے شوہر کے لیے روزی طلب کرنے کے راستہ متعین کرنا اور اس کا قبول کر لینا 153

137 اس بدوی کا جنگل سے بارش کے پانی کا مٹکہ ہدیہ میں لے جانا...... 154

138 عورت کا ٹھلیا کو نمدہ میں سینا اور اس پر مہر لگانا 155

139 اس کا بیان کہ جس طرح فقیر سخی کا عاشق ہے......اور سخی کا عیب 156

140 فرق اس شخص میں جو اللہ کا بھکاری......اور غیر کا پیاسا ہے 156

141 بدوی کے اعزاز میں خلیفہ کے دربانوں اور نقیبوں کا آگے بڑھنا اور اس کا ہدیہ قبول کرنا 158

142 اس بیان میں کہ دنیا کے عاشق کی مثال اس دیوار کے عاشق جیسی ہے جس پر سورج چمکا ہو...... 159

143 بدوی کا اپنے تحفہ کو خلیفہ کے نوکروں کے حوالے کرنا اور اس کی تفصیل 160

144 ملاح کے ساتھ کشتی میں نحوی کا قصہ اور اس کا جواب دینا 161

145 خلیفہ کا ہدیہ قبول کرنا اور بخشش کرنا اس ہدیہ سے پوری بے نیازی کے باوجود 162

146 پیر کی تعریف اور اس کی تابعداری کرنے کا بیان 166

147 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت کرنا...... 167

148 ایک قزوینی کا کندھے پر گدوانا اور زخم سوزن سے شرمندہ ہونے کا قصہ 169

149 بھیڑیے اور لومڑی کا شیر کے ساتھ شکار کو جانا 171

150 شیر کا بھیڑیے کو آزمانا اور کہنا کہ ان شکاروں کو تقسیم کر دے 172

151 اس شخص کا قصہ جس نے دوست کے دروازے پر دستک دی...... 173

152 اس ''میں'' کہنے والے کا شرمندہ ہونا......بے وطنی کی مشقت...... 173

153 اس دوست کا دوست کو تربیت پانے کے بعد بلانا 174

154 سننے والوں کی بے توجہی سے بات کرنے سے روگردانی کرنا 175

155 شیر کا بھیڑیے کو اس کی بے ادبی پر سزا دینا 176
156 آخری زمانے میں پیدا ہونے والوں کی فضیلت کا بیان اس حکایت کا مقصد ہے 176
157 حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو ڈرانا کہ مجھ سے نہ الجھو...... 177
158 بادشاہوں کا صوفیوں کو اپنے سامنے بٹھانا تا کہ ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں 178
159 ایک دوست کا حضرت یوسف علیہ السلام کے دیدار کے لیے سفر کر کے آنا 179
160 حضرت یوسف علیہ السلام کا اس مرد سے گفتگو کے بعد سوغات طلب کرنا 180
161 مہمان کا یوسف علیہ السلام سے کہنا کہ آپ کے لیے سوغات میں آئینہ لایا ہوں تا کہ جب آپ اس میں دیکھیں مجھے یاد کریں 181
162 کاتب وحی کا مرتد ہونا...... بولا مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے 183
163 بلعم باعور کا دعا کرنا...... مقبول ہونا 186
164 ہاروت اور ماروت کا اپنی پاک دامانی پر گھمنڈ...... فتنہ میں پھنس جانا 187
165 ہاروت اور ماروت اور ان کی سزا کا بقیہ حصہ 189
166 ایک بہرے کا بیمار پرسی کے لیے پڑوس کے گھر جانا اور بیمار کا رنجیدہ ہونا 189
167 اس بیان میں کہ جس نے سب سے پہلے صریح نص کے مقابلے میں قیاس کیا وہ شیطان تھا 191
168 اس کا بیان کہ اپنی حالت اور اپنی مستی کو چھپانا چاہیے 193
169 نقاشی اور مصوری کے علم میں رومیوں اور چینیوں کے مقابلے کا قصہ 195
170 پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمانا آج تم کیسے ہو...... صبح کی 197
171 حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دینا کہ لوگوں کے احوال مجھ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں 198
172 غلاموں اور ساتھیوں کا حضرت لقمان علیہ السلام کو متہم کرنا...... 201
173 آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بقیہ حصہ 202

174 حکایت 203

175 آنحضور صلعم کا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمانا کہ اس راز کو اس سے زیادہ کھل کر نہ کہہ اور فرماں برداری کا لحاظ رکھ 204

176 حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکایت کی طرف واپسی 205

177 امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شہر میں آگ لگنا 207

178 امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منھ پر ایک شخص کا تھوک دینے کا قصہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ سے تلوار پھینک دینا 208

179 امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کرنا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار کیوں پھینک دی اور مجھے قتل کیوں نہ کیا 211

180 امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب کہ اس وقت تلوار ہاتھ سے پھینک دینے کا سبب کیا تھا 212

181 امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادم سے آنحضور صلعم کا کان میں کہنا...... 214

182 ابلیس کی گمراہی پر حضرت آدم علیہ السلام کا تعجب کرنا اور اس کا غرور کرنا 217

183 امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ کی طرف واپسی اور ان کا اپنے قاتل اور خادم سے چشم پوشی برتنا 218

184 ہر دفعہ خادم کا امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں پڑنا...... 219

185 اس بیان میں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ وغیرہ کی فتح کی طلب...... 220

186 امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حریف سے فرمایا کہ جب تو نے...... 222

187 خاتمہ 223

مقدمہ

بیسویں صدی کے تیسرے دہے کاوہ کون سا سال تھا یاد نہ رہا۔ بنگلور چھاؤنی کی میسور لانسرز کی مسجد کے برابر کھلے میدان میں وعظ کی محفل کا انعقاد ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ حضرت قاضی سید نصیر الدین حسینی چشتی القادری وعظ فرما رہے تھے۔ قاضی صاحب کی خوشنوائی اتنی جاں فزا کہ ہاتھی بھی سنے تو جھومنے لگے۔ انھوں نے دوران وعظ اپنی مترنم آواز میں یہ شعر سنایا ؎

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدن تن جاں بداں

مثنوی معنوی کا شعر، معرکتہ الآرا صوفیانہ تذکرہ جسم و جاں کی ایک جھلکی، مٹھاس سے مملو فارسی زبان، بجتے ہوئے الفاظ، ج نون، ت جیسے بہشتی حروف کی تکرار، اس پر حضرت والا کی سریلی صدا، مستی کا عجیب عالم تھا، ذہن کی سادہ تختی پر شعر نقش کالحجر بن گیا۔ خوشی کی انتہا اس بات پر کہ فارسی زبان کا اولین شعر میرے ذہن میں بیٹھ گیا۔ شعر کے معنی کی وسعت معلوم نہ گہرائی۔ اس سے کچھ مطلب نہ تھا۔ قاضی صاحب کی تشریح پر جو کچھ بھی سمجھا وہی بہت تھا۔ بار بار دہرایا۔ آج بھی اسے دہراتے اور معنی پر غور کرتے جان، جسم اور باہمی حرکت کے نتائج جاں افزا بن جاتے ہیں۔

صاحبِ مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی وشاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ ددھیال کی طرف سے آپ کا نسب خلیفہ اول، امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور ننھیال کی طرف سے حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ اس خاندانی شرافت کے علاوہ آپ کے آبا واجداد تحصیل علم دینی میں محنت شاقہ اور حصول مراتب میں درجہ کمال رکھتے تھے، جس کے باعث آپ کے دادا حضرت حسین الخطیبی کو سلطان خوارزم شاہ نے اپنی دامادی میں لینے کو ایک اعزاز سمجھا اور اپنی بیٹی 'ملکہ جہاں' سے عقد کروادیا۔ حضرت بہاالدین ولد انھی کے فرزند اور مولانا روم کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت بہاالدین ولد اپنے اسلاف کی طرح علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول ہوگئے اور ان کی مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ دنیوی علائق سے دوری اختیار کرلی۔ انجام یہ کہ ایک شب خواب میں ایک مجلس آراستہ پائی جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے اور حضرت بہاالدین ولد آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے تین سو (300) مفتیان شہر کا ایک ہجوم تھا۔ اس مقدس مجلس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آج سے بہاالدین ولد سلطان العلما کے نام سے پکارے جائیں گے۔ دوسرے دن صبح وہ تین سو (300) مفتیانِ شہر جمع ہوکر بہاالدین ولد کو تہنیت اور مبارکباد پیش کرنے کے لیے چلے۔ وہاں بہاالدین نے بھی اس خواب کی تصدیق کی۔

غرض مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف نجیب الطرفین تھے بلکہ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ خود مولانا میں بھی بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ کبھی کبھی تین تین دن تک کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے۔ آپ کی عمر شاید چھ برس تھی۔ مولانا رئیسوں کے بچوں کے ساتھ کوٹھے پر کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچے نے کہا کہ آؤ اس چھت سے اس چھت پر کودیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو کتے بلیوں کا کھیل ہوا۔ اگر روحانی قوت ہو تو آؤ آسمان پر چلیں، ستاروں اور ملکوت کی سیر کریں۔ اتنا کہتے ہوئے نظروں سے غائب ہوگئے۔ یہ دیکھ کر بچے چلانے لگے تو فوراً آموجود ہوئے، اور کہنے لگے کہ جب میں تم سے باتیں کر رہا تھا تو سبز پوشوں کی ایک

جماعت آئی، مجھے اٹھالے گئی، بروج آسمانی اور عجائبات عالم روحانی کی سیر کرائی اور تمھارے چلانے کی صدا سن کر یہاں لاکر پہنچادیا۔

سلطان العلما بھی آپ کے شاندار مستقبل سے بخوبی آگاہ تھے۔ پیار کے ساتھ احتراماً خداوندگار، یا آقا کے نام سے خطاب کرتے۔ اور کہتے تھے کہ جب تک میں زندہ رہوں کوئی میری ہمسری کرنے نہ پائے گا۔ البتہ میرے بعد خداوندگار میری ہمسری کیا مجھ پر سبقت لے جائیں گے۔

610ھ میں بلخ سے ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔ تین سو اونٹوں پر سوار مہاجرین بلخ سے بغداد کی جانب جارہے تھے۔ نیشاپور کے قریب پہنچے تو خواجہ فریدالدین عطار نے دیکھا کہ مولانا روم باپ کے پیچھے آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا دیکھو نہر کے پیچھے سمندر آرہا ہے! آنے کے بعد ان کی پیشانی پر بلند بختی کے آثار پائے۔ دعاؤں کے ساتھ اپنا 'پند نامہ' انھیں عنایت فرمایا۔ قافلہ عازم سفر حج تھا۔ یہ خوش قسمتی کہ بچپن میں ہی مولانا کو حج جیسے فریضہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ بغداد پہنچتے وقت یہ پوچھا گیا تھا کہ کون ہیں اور کدھر سے کدھر کو جارہے ہیں۔ سلطان العلما نے فرمایا ''من اللّٰه والی اللّٰه ولاحولا قوة الا باللّٰه''۔ شہاب الدین سہروردی نے جان لیا کہ وہ سلطان العلما کا ہی قافلہ ہے۔ بغداد میں دو تین مہینے قیام کے بعد کوفے سے گزرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قصد سے آغاز سفر کیا۔

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ میں زیارت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور دمشق اور شام سے گزرتے ہوئے برسوں بعد لارندہ پہنچے۔ لارندہ کے والی امیر موسیٰ نے انھیں ٹھہرایا۔ وہاں مدرسہ بنایا اور سکونت اختیار کی۔ لارندہ سلطنت روم سے ملحق تھا۔ چونکہ سلطان روم شراب پینے اور چنگ سننے کا عادی تھا اس لیے سلطان العلما نے امیر موسیٰ سے آپ کی وہاں موجودگی کی خبر اخفا میں رکھنے کو کہا۔

سلطان العلما کی آمد سے قبل حضرت خواجہ شرف الدین سمرقندی مغلوں کے فتنے سے بچنے کے لیے لارندہ آکر مقیم ہو چکے تھے۔ دونوں مہاجرین کے خاندانوں میں ہم وطنی کا تعلق تھا اور کچھ دن بعد یہ تعلق رشتہ داری میں بدل گیا۔ مولانا روم کی عمر اس وقت سترہ، اٹھارہ سال تھی۔ خواجہ شرف الدین کی ایک بیٹی گوہر خاتون تھی۔ اس کا عقد مولانا سے کیا گیا۔ تقریباً چار سال کا

عرصہ لارندہ میں گزر گیا اور مولانا کے دوفرزند سلطان ولد اور علاالدین اسی مقام پر پیدا ہوئے۔ نہ معلوم یہاں سلطان العلما کے قیام کی خبر سلطان علاالدین کیقباد کو کیسے پہنچی کہ سلطان نے غضب ناک ہوکر امیر موسیٰ کو ایک تہدید نامہ لکھا کہ ان کی آمد کی خبر کیوں نہ دی۔ سلطان کو اس کے کچھ امرا نے سلطان العلما کی عظمت اور فیوض کے باب میں معلومات فراہم کی تھی سلطان خود ان کا معتقد ہوگیا اور آپ سے ملنے کا متمنی تھا۔ سلطان نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ (سلطان العلما) قونیہ میں مستقل قیام کریں گے تو وہ شراب نوشی اور چنگ سننا ترک کردے گا۔

امیر موسیٰ نے یہ بات آپ کو بتائی تو سلطان العلما قونیہ چلنے کے لیے تیار ہوگئے۔ سفر شروع ہوگیا اور آپ 626 کو قونیہ پہنچ گئے۔ اس طرح بلخ سے قونیہ پہنچنے تک جملہ پندرہ برس کا عرصہ لگا۔ بادشاہ اپنے امرا کے ساتھ آیا اور سلطان العلما کا مرید ہوگیا۔

مولانا روم کی تربیت: حضرت سلطان العلما نے مولانا کے بچپن ہی میں حضرت برہان الدین ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کو، جو ان کے مرید خاص تھے، مولانا کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ لیکن بلخ کو ترک کرتے وقت برہان الدین ترمذ چلے گئے۔ لہٰذا مولانا شروع سے وصال تک اپنے والد صاحب کے زیر تربیت رہے اور انھی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ 628ھ میں حضرت سلطان العلما کا انتقال ہوا تھا۔ قونیہ میں دو برس قیام کے بعد بیمار ہوگئے۔ بادشاہ عیادت کو آیا اور خوب رویا۔ اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ تخت کو زینت بخشیں اور وہ خود سپہ سالار بن کر فتوحات کی طرف توجہ کرے گا۔ سلطان العلما نے فرمایا کہ میں تو عالم شہادت سے عالم سعادت کی طرف سفر کر رہا ہوں۔

حضرت سلطان العلما کے انتقال کے بعد سید برہان الدین محقق ترمذی قونیہ آئے۔ مولانا روم سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ آپ کے والد صاحب قال ہی نہیں صاحب حال بھی تھے اور تم قال میں اپنے والد سے بھی بڑھ گئے ہو، بس حال کی طرف توجہ کی ضرورت ہے تاکہ آپ والد کے پورے وارث اور جانشین بن سکیں۔ جب مولانا دائرہ ولایت میں درجہ کمال کو پہنچ گئے تو برہان الدین بھی فارغ ہوگئے۔ سید صاحب 629ھ میں قونیہ آئے اور 637ھ میں انتقال فرمائے۔ یہ آٹھ نو سال کا عرصہ ہی قونیہ میں گزرا تھا۔

630ھ میں مولانا روم بغرض حصول تعلیم حلب کو جا رہے تھے۔ برہان الدین بھی آپ کے ہمراہ قیصریہ کو چلے۔ قیصریہ آپ کا مرغوب شہر تھا اور آپ وہاں رک گئے۔ مولانا کے غیاب میں قونیہ جاتے آتے رہے۔ قیصریہ میں دوران قیام شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے رہے۔ حلب میں تحصیل علم کے دوران مولانا کی استعداد کا یہ عالم تھا کہ جو بھی مسئلہ کسی سے حل نہ ہو پاتا وہ خود حل کر دیتے اور ایسے وجوہ بیان کرتے جو کسی بھی کتاب میں نہ ہوتے۔ حلب میں آپ نے کمال الدین ابن عدیم سے استفادہ کیا۔

ایک دن حلب میں مدرسے کے دربان نے کمال الدین سے شکایت کی کہ مولانا روم آدھی رات کو باہر چلے جاتے ہیں جبکہ دروازہ بند ہی رہتا ہے۔ کمال الدین کو تردد ہوا۔ ایک رات خود پوشیدہ طور پر ان کے پیچھے چل پڑے۔ مسجد خلیل الرحمٰن کے پاس ایک قبہ نظر آیا جہاں کچھ سبز پوشوں نے مولانا کا استقبال کیا۔ یہ دیکھ کر کمال الدین بے ہوش ہو گئے۔ جب اٹھے تو قبہ کا کوئی نشان نہ تھا۔ سرگرداں پھرتے رہے۔ شہر میں ہلچل مچ گئی۔ بالآخر مولانا ہی سے ان کا پتہ ملا۔ نتیجے کے طور پر مولانا سے کمال الدین کا اخلاص بڑھ گیا اور مرید ہو گئے۔ جب حلب میں مولانا کا شہرہ بہت ہو گیا تو دمشق چلے گئے۔ وہاں مدرسہ قدسیہ میں قیام کیا اور جس کمرے میں آپ ٹھہرے تھے وہ خضر علیہ السلام کے نام سے منسوب ہو گیا۔ کیونکہ مولانا سے ملنے وہاں حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے۔ دمشق میں آپ کی صحبت حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، شمس الدین حموی، شیخ اوحدالدین کرمانی جیسے بزرگوں کے ساتھ رہی۔

ایک روایت ہے کہ مولانا دمشق کے میدان میں سیر کر رہے تھے۔ ایک عجیب الہئیت شخص سیاہ نمدہ اوڑھے ہوئے مولانا کے قریب آیا، دست مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ ''اے صراف عالم مرادریاب'' اور مولانا کے متوجہ ہونے سے پہلے غائب ہو گیا۔ وہ شمس تبریزی تھے۔

دمشق میں مولانا کا قیام چار برس رہا۔ قونیہ کو واپسی کے دوران قیصریہ میں سید برہان الدین کے ساتھ شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے۔ چالیس چالیس دن کے تین چلے سید برہان الدین ترمذی کے ساتھ کیے اور سید صاحب کی اجازت سے قونیہ روانہ ہوئے۔

مولانا میں سب سے بڑی تبدیلی اس وقت آئی جب 642ھ میں شمس الدین تبریزی سے ملاقات ہوئی۔ شمس قونیہ میں سرائے کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر سے مولانا گھوڑے پر

سوار آئے۔شمس اٹھے اور لگام تھام کر پوچھا کہ کس کا مقام بڑا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا بایزید بسطامی کا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں "ماعر فناك حق معرفتك" اور بایزید کہتے ہیں "سبحانی مااعظم شانی "اور"لیس فی جبی الا اللّٰہ"۔سوال سن کر مولانا کے ہوش اڑ گئے۔گھوڑے سے اترے اور سنبھل کر فرمایا" بایزید کی پیاس ایک ہی گھونٹ سے بجھ گئی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاس کیا بجھتی، دم بہ دم زیادہ کی طالب تھی۔"

شمس تبریزی سے ملاقات کے بعد مولانا رومی نے درس وتذکیر بالکل ترک کر دیا۔ پھر کبھی وعظ نہ کہا۔شمس نے سماع اختیار کرنے پر زور دیا۔شمس کو شاعری کا شوق تھا اور ان کے زیر اثر آپ نے بھی شاعری شروع کی۔ مولانا، شمس کی صحبت میں اس قدر کھو گئے کہ شاگردوں اور مریدوں سے تعلقات ختم ہو گئے۔صورت دکھانی بھی بند کر دی۔ یہ بات شاگردوں کو اتنی گراں گزری کہ شمس تبریزی کے دشمن ہو گئے۔اور ان سے بدسلوکی کرنے لگے۔شمس تبریزی اسے برداشت نہیں کر سکے اور یکا یک غائب ہو گئے۔ادھر مولانا نے ان کی جدائی میں ماتم سرائی شروع کر دی۔ چاروں طرف تلاش کے باوجود پتہ نہ چلا۔اب مولانا کی زبان سے اشعار کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ دن بدن حالت مزید بگڑتی چلی گئی۔ایسے میں دمشق سے مولانا کو شمس کا ایک خط موصول ہوا۔شمس کے عشق وشوق میں سماع کی طرف متوجہ ہو گئے اور غزلیں بھی کہنے لگے۔جن لوگوں نے شمس سے بدسلوکی کی ان سے التفات ترک کر دیا اور جو شرارت میں شامل نہ تھے ان کی طرف التفات کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر بدسلوکی کرنے والوں نے شمس کی مخالفت چھوڑ کر معافی چاہی۔آخر میں مولانا سلطان ولد کے ہاتھ ان کو بلایا، ایک خط اور کچھ رقم بطور نذرانہ روانہ کی۔دمشق پہنچ کر سلطان ولد نے خط اور رقم پیش کی تو بولے" مجھے سیم وزر سے فریب دیتے ہو؟ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت کا پیغام مجھے کافی ہے۔" یہ کہہ کر قونیہ کی طرف چل دیے۔

پہلی مرتبہ 643ھ میں قونیہ کا رخ کیا تھا۔اب 645ھ میں روانہ ہوئے۔اس مرتبہ کچھ دن خوش رہے۔ مولانا کی پروردہ ایک لڑکی کیمیا خاتون کا ہاتھ مانگا تو مولانا نے بخوشی ہاں کہہ دیا اور ان سے عقد کرا دیا۔اس مرتبہ مولانا کے دوسرے فرزند شمس کی قیام گاہ سے گزر کر گھر آنے لگے تو شمس نے اعتراض کیا۔انھیں برا لگا، جس کی خبر پا کر شر پسندوں کو فتنے کا موقع ہاتھ آیا۔

بے ادبی شروع کی۔ آپ بھی یہ کہنے لگے کہ اب کی بار جاؤں گا تو پھر کسی کو کبھی پتہ نہ لگے گا۔ اس درمیان کیمیا خاتون کا انتقال ہوگیا۔ کچھ دن بعد شمس تبریزی اس طرح غائب ہوئے کہ پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ کہتے ہیں کہ ظالموں نے ان کو قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا۔ بہر حال اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ چاروں طرف تلاش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر خود مولانا نے دمشق کا سفر اختیار کیا۔ حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین بنایا۔ یہ سفر 645ھ میں ہوا تھا۔

صلاح الدین زرکوب: دمشق سے واپسی کے بعد مولانا نے کچھ خاموشی اور سکون اختیار کر لیا اور شمس تبریزی کے وجود کو اپنی ذات میں محسوس کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد حضرت صلاح الدین زرکوب کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حالانکہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھے پھر بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ حضرت سید برہان الدین محقق کے مرید تھے۔ اس رو سے مولانا کے پیر بھائی ہوئے اور بعد میں مولانا کی کرامت دیکھ کر ان کے مرید بھی ہو گئے۔ لیکن مولانا کا سلوک ایسا ہوتا کہ دیکھنے والوں کو صلاح الدین پر پیر کا گمان ہوتا۔ غرض مولانا کو کسی نہ کسی صحبت کی ضرورت تھی۔ صلاح الدین نے دس برس جانشینی نبھائی اور 657ھ میں واصل بحق ہوئے۔

حسام الدین چلپی: صلاح الدین کے بعد مولانا نے حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین منتخب کیا۔ آپ ہی ہیں جنھوں نے مثنوی شریف، جو دنیا کی عظیم ترین مشہور عالم تصنیف ہے، کی جانب مولانا کو تحریک دلائی۔ خود مولانا مثنوی شریف میں بار بار پورے خلوص واحترام کے ساتھ ان کو خطاب فرماتے ہیں۔

مولانا کا انتقال: مولانا روم 672ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت سے متصف اور رواداری میں لاثانی تھے۔ جب آپ کا جنازہ تدفین کے لیے نکلا تو بلا لحاظ قوم سوگوار لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ یہودی اور عیسائی توریت اور انجیل پڑھتے ہوئے ساتھ چل رہے تھے۔ ان کو کوئی روک نہ سکا، کیونکہ فتنہ ہو جانے کا ڈر تھا۔ قسیسین کہتے تھے کہ ہم نے انبیائے سابقین کو انھی کے بیان سے سمجھا اور اولیا کی روش بھی انھی کی روش سے جانا اور یہ کہ اگر وہ مسلمانوں کے محمد وقت تھے تو وہ ہمارے عیسیٰ اور موسیٰ تھے۔ تابوت صبح کو نکلا اور شام کے قریب قبرستان پہنچا۔ راستے میں چھ مرتبہ بیرونی تابوت بدلا گیا اور لوگ لکڑیاں توڑ کر بطور تبرک لے گئے۔ (صاحب المثنوی)

مولانا کو اس بات کا دکھ تھا کہ انھوں نے اپنی کوئی یادگار نہیں چھوڑی ہے۔ لیکن ان کی چھوڑی ہوئی یادگاریں خصوصاً مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) کیا کم ہیں۔ یہ بات تو پہلے ہی بتا دی گئی ہے کہ مولانا کی شاعری پر حضرت شمس کی صحبت کا اثر ہے۔ آپ اس فن میں شہسواران ادب کو پیچھے چھوڑ کر کوسوں دور آگے نکل گئے۔

دیوان شمس تبریزی: یہ ایک ضخیم دفتر ہے جو غزلیات اور رباعیات وغیرہ اصناف سخن پر مشتمل ہے اکیاون ہزار (51,000) اشعار پر محیط ہے۔ اس میں مراثی بھی ہیں اور دیگر اصناف سخن کی منظومات بھی۔ اس میں شمس تبریزی کے عشق وجدائی کے حالات کے بیانات پائے جاتے ہیں۔

مثنوی معنوی: یہ مولانا روم کا عظیم الشان کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم علیہ السلام کی رہبری و ہدایت کے کام آئے گا۔ (بحوالہ سوانح مولانا روم مولفہ مولانا شبلی۔ مفتاح العلوم)۔ یہ علمی و عملی دینیات یعنی فقہ وتصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ فقہ اور تصوف میں کوئی غیریت نہیں۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ اور ''یہ اللہ کی سب سے بڑی فقہ، نورانی شرع اور واضح برہان ہے۔'' بالفاظ دیگر علم دین پر عمل کرنا ہے۔ اس سے شریعت کی تکمیل ہوتی ہے۔

مولانا شبلی نے سورہ نور کی آیت ''مثل نورہ کمشکوٰۃ'' سے تشبیہ دی ہے اور آگے چل کر ''جنان الجنان'' یعنی دلوں کی جنت کہا ہے۔ جس کے میوے پاک لوگ کھاتے اور پانی پیتے ہیں اور آزاد لوگ سیر وتفریح کر کے خوش ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ گویا مصر کا دریائے نیل ہے کہ قوم موسیٰ کے لیے آب زلال اور فرعونیوں کے لیے خون ہو جاتا ہے۔

اس سے لوگ گمراہ بھی ہو جاتے ہیں اور ہدایت بھی پاتے ہیں۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفابخش اور غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی اور گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو رفع کرتی ہے۔ رزق کو فراخ کرتی ہے اور پاکیزہ اخلاق سکھاتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو بزرگوں اور نیکوکاروں کے ہاتھوں میں رہے گی۔ "لا یمسّہٗ الّا المُطھرون"۔ اللہ اس کی حفاظت کرے گا۔ اور کہتے ہیں کہ اس طرح یہ کتاب اور بھی کئی صفات کی حامل ہے۔ (تلخیص)

مثنوی شریف ایک بے حد طویل نظم ہے، جو 27720 اشعار پر مشتمل ہے۔ زبان و بیان سادہ اور معنی تہہ دار پائے جاتے ہیں۔ مثنوی کی بحر دلکش اور جنت گوش ہے۔ ترنم سے پڑھتے ہی لوگ مست و بے خود ہو جاتے ہیں۔ یہ مثنوی صنائع و بدائع سے آراستہ و پیراستہ ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ بے شمار اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔ مثنوی گویا تصوف کا ہدایت نامہ ہے۔ صوفیا کی مجالس میں مثنوی کے پڑھنے، سنانے اور سمجھانے کا باقاعدہ انتظام ہوتا ہے۔ خود کتاب میں مولانا کا دعویٰ ہے کہ ''میرے بعد یہ کلام شیخ کا کردار ادا کرے گا اور تا دیر باقی رہے گا۔'' اس کتاب کی حکایات خود مولانا اور ان کے مریدوں کے واقعات سے ماخوذ ہیں۔ مولانا خود کہتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس کتاب کے جملہ بیانات وحدت الوجود کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ جابجا ''مارمیت اذ رمیت'' کی صدا گونجتی ہے۔ پھر بھی جبر و اختیار کے درباب تقابلی بحث میں اختیار اور جہد کو فوقیت دیتے ہیں:

گر تو کل می کنی دو کار کن
کسب کن و تکیہ برجبار کن

اور ؎

گفت پیغمبر باآواز بلند
بر توکل پایہ اشتر بند

مثنوی کے اشعار کو خون دل کی پیداوار کہتے ہیں جو پستان جاں میں پہنچ کر دودھ کی شکل اور لذت پیدا کرتے ہیں۔ اس کے لیے کسی چشندہ یعنی شیرخوار کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تا کہ دودھ آسانی سے بہہ نکلے۔ ؎

ایں سخن شیرست در پستان جاں
بے چشندہ خوش نمی گردد رواں

فرماتے ہیں کہ خالق و مخلوق کے درمیان جان کا پنہانی رشتہ ہے۔ جان حرکت کا سامان ہے

جس سے کائنات کا ہر ذرہ مستقل طور پر متحرک۔ جیسے "فی فلکٍ یسبحون" اپنے دائرہ حرکت میں گھوم رہا ہے کبھی جاں جسم میں تبدیل ہوتی ہے کبھی جسم جان میں، جو امر کن کا کرشمہ ہے ؎

گفت باجسم آیتے تاجاں شد او
گفت باخورشید تارخشاں شد او

جسم کو حکم ہوتا ہے کہ جان بن جائے اور سورج کو حکم ہے کہ چمکنے لگے۔ یعنی سارے کاروبار دنیوی کا رشتہ آسمانوں سے ہے۔ مولانا کے مرید معنوی علامہ اقبال جاوید نامہ میں اہل مریخ کی موت کو جسم کے جان میں جذب ہوجانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ پیام مشرق کی رباعی نمبر 152 دیکھیے کہتے ہیں ؎

بجان من کہ جاں نقش تن انگیخت | فارسی مری جاں کی قسم جاں سے بنا تن
ہوائے جلوہ ایں گل رادر رو کرد | ہے ذوق جلوہ سے اس کی دو رنگی
ہزاراں شیوہ دارد جان بے تاب | ہزاروں رنگ ہیں بے تاب جاں کے
بدن گردد چو بایک شیوہ خو کرد | تعین سے ہوئی تخلیق تن کی

غرض یہ کائنات جان اور تن کے گونا گونی مظاہر کے سوا اور کیا ہے۔ اور جان بھی اسرار باری تعالیٰ سے ہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قیصر روم کا ایلچی آتا ہے۔ خلیفہ وقت کو ایک نخل کے سایے میں لیٹے ہوئے دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ احترام وہیبت کے ملے جلے احساسات دل میں لیے ہوئے ایک فاصلے پر کھڑا ہوجاتا ہے۔ سوچتا ہے کیسے کیسے شہنشاہوں کے دربار میں گیا ہوں لیکن یہ خوف یہ گھبراہٹ کہیں نہیں دیکھی۔ یہ ہستی کچھ اور ہی ہے۔ بیداری کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بلا کر پاس بٹھا لیتے ہیں۔ وہ آپ کی گفتگو سن کر کچھ اور ہی عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ سفارت کے فرائض کو پس پشت ڈال کر ایمان لے آتا ہے۔ تاریخی واقعات بیان کرتے ہوئے مولانا روم نے معنویت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مولانا روم ایسے ہی حق وصداقت کے پیکروں اور للّٰہیت کے شیدائیوں کی سیرت کو اپنانے کے لیے پیش کرتے ہیں تا کہ دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے۔ قیصر روم کا ایلچی بھی حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر حیران و ششدر کہ کیا دنیا میں ایسی بھی ہستیاں ہیں کہ جان کے مانند نظروں سے اوجھل پائی جاتی ہیں۔مولانا روم کی قادر الکلامی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ معرکتہ الآرا لا ینحل مسائل کا حل دو دو لفظوں میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ فرمایے:

زندگانی کے باب میں فرماتے ہیں ؎

زندگانی آشتی ضد ہاست
مرگ آں اندرمیان شاں جنگ ہاست

یعنی زندگی اضداد کے درمیاں آشتی و صلح اور موت انھی کے بیچ جنگ و تباہ کاری ہے۔

انسان کون ؎

آدمی دیدست وباقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

آنکھ کی پتلی کو بھی انسان کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں آدمی وہ ہے جو حقایق عالم کا ادراک کر سکے اور خالق کائنات کی قدرت دیکھے اور پہچان سکے۔

خالق کائنات کیوں نظر نہیں آتا ؎

نور حق رانیست ضدے در وجود
تا بضد او تواں پیدا نبود

چونکہ نور الٰہی کے مقابل کوئی ضد پیدا نہیں اس لیے نور الٰہی نظروں سے غائب ہے۔

قرآن کیا ہے ؎

ہست قرآں حالہائے انبیاء
ماہیان پاک بحر کبریا

قرآن پاک دریائے کبریا کی مقدس مچھلیوں یعنی انبیائے پاک کے واقعات وحالات کا بیان ہے۔

خالق و مخلوق کی قربت ؎

مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

وہ بادشاہ کی آواز ہے۔ جو بندہ شاہ کے حلق سے نکل رہی ہے۔

حیوان اور انسان میں فرق ؎

مہرو رقت وصف انسانی بود
خشم و شہوت وصف حیوانی بود

جس کسی میں محبت و نرمی ہو وہ اوصاف انسانی سے متصف ہے۔ اس کے برعکس غصہ و شہوت کا جس کسی کے اوصاف میں غلبہ ہو وہ حیوان ہے۔

صحبت کا اثر ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرلے تو نیکوکار رہنے اور بدکاروں کی صحبت میں بدکار رہنے

ایسے ہی بے شمار اقوال ہیں جو مثنوی کے بحر معنوی کے گوہر آبدار بن کر جگمگا رہے ہیں۔

مثنوی شریف امن اور انسانیت کا الہامی صحیفہ ہے۔ اس میں مادی، روحانی اور اخلاقی موضوعات کی بھرمار ہے۔ الفاظ و معنی شیر و شکر بن کر ذہن میں حل ہوتے نظر آتے ہیں اور قاری پر سرور و مستی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یہ مثنوی کی خاص خصوصیت ہے۔ یہ کلام الہامی زبان سے آراستہ ہے۔ اس کے بارے میں مولانا خود فرماتے ہیں کہ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھ سے کہلوایا جا رہا ہے۔

اب تک اس انسانی معاشرے کے سدھار کے لیے کتنے پیغمبر آئے، کتنے صحیفے لائے، امن، سلامتی اور عدل و انصاف کے پیغامات سنا کر جگایا، لیکن یہ انسان جاگتا بھی ہے تو پھر کچھ ہی دیر بعد سو جاتا ہے:

ابھی تک آدمی صید زبون شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے

مادیت کے مارے انساں روحانیت سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور اپنی حرص و شہوت کی آگ میں خود جل کر دنیا کو جلا دینے پر ڈٹ جاتے ہیں۔ تیروں کی سرسراہٹ کا زمانہ گیا۔ تیغ و تفنگ کی

ریس بھی ہار گئی۔ نئی نئی تحقیقات ہونے لگیں اور ذرات کی باری آئی تو ان کو توڑ کر ان کے اندر قدرت کی مقید کردہ جوہری قوت کا غلط استعمال کر کے ہیروشیما اور ناگاسا کی کی قیامت خیز تباہی کا نمونہ دکھلایا گیا۔ آج ہر طرف میزائیلوں کی ریس جاری ہے تا کہ گھر بیٹھے دور دور کے مقامات اور آبادیوں میں معصوموں، بھلوں بروں سب کو بلا امتیاز موت کے گھاٹ اتار دیں۔ 21 ویں صدی میں اسلامی ممالک ظالموں اور غارت گروں کا خصوصی ہدف بنے ہوئے ہیں۔ آج کل شام وعراق میں نسل کشی جاری ہے۔ آج بھی انسان دوست دانشمندوں کے ادارے اس پر روک لگانے میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کامیاب ہو جائیں۔

مثنوی شریف کی تصنیف کو آٹھ سو سال پورے ہوئے۔ مولانا روم کا دعویٰ کہ یہ کتاب زندہ ہے زندہ رہے گی، انسانوں کی ہدایت کے کام آئے گی، سچ ہوا۔

اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو نے 2007 میں مثنوی کی آٹھ سو سالہ سالگرہ کا اہتمام کیا تو انجانوں کو ہوش آیا اور لوگوں کی توجہ اس طرف مائل ہوئی۔ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی مثنوی مولانا روم کی دھن لگی۔

سال 2004 میں بنگلور شہر میں The World Sufi Centre کی بنیاد ڈالی گئی سوائے ماہ رمضان کے بلا ناغہ ماہانہ مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ جناب سید لیاقت پیران مرکزی عدلیہ کے وظیفہ یاب جج ہیں وہ صوفی سنٹر کے مستقل رکن اور سر پرست ہیں۔ ماہانہ رسالہ ''صوفی ورلڈ'' کے مدیر و مولف ہیں۔ ان کے مکان پر مسلم وغیر مسلم، ملکی وغیر ملکی دلدادگان تصوف اور رومی رحمتہ اللہ علیہ خاص بیٹھکوں میں حاضر ہونے لگے ہیں۔ اللہ اس میں برکت عطا فرمائے۔

لگتا ہے قرآن پاک اور مثنوی شریف کی عام اشاعت کے دن آ گئے! کاش ان صحیفوں کے تراجم اور شرحیں سب کو ان کی اپنی زبانوں میں حاصل ہوں۔ مثنوی کے بارے میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے خوب فرمایا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی

اور یہ بھی کہا کہ ''نیست پیغمبر و لے دارد کتاب۔''

میں نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر بشیر احمد خاں، کیلی فورنیا، لاس اینجلس سے سنا ہے کہ وہاں کوئی صاحب مثنوی پر کام کرتے ہوئے اس کے پیغامات کو عام کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اور امریکنوں میں رومی کی طرف رغبت بڑھتی جا رہی ہے۔

میں نے مثنوی کے اردو میں منظوم ترجمے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ سب سے پہلا فارسی شعر جو اتفاقاً مجھے ازبر ہو گیا وہ مولانا کی مثنوی کا ہی شعر تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ علامہ اقبال جن کی ساتوں فارسی کتابوں کا میں نے منظوم اردو ترجمہ کیا ہے، وہ خود کو مولانا کا مرید معنوی تصور کرتے تھے۔ اسی باعث میں علامہ کے ترجمے کے بعد 1982 میں مثنوی کی طرف متوجہ ہوا، اور 1992 تک پانچ جلدوں کا ترجمہ کیا۔ پہلی جلد مع متن اور باقی بلا متن۔ 2014 میں کاموں سے فارغ ہونے کے بعد پہلی چار جلدوں کے تراجم کو متن سے جوڑا، اور چھٹی جلد کو مع متن 2016 میں پورا کیا۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لیکن چاٹ جو لگ گئی سو کام کرتے چلا گیا۔ اس کام میں مولانا قاضی سجاد حسین کا نثری ترجمہ اور مولانا مولوی محمد نذیر صاحب چشتی نقشبندی کی مفتاح العلوم سے کافی مدد حاصل ہوئی۔ پھر بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کوئی کام کیا ہے۔ البتہ کچھ کام کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ خداوند تعالیٰ میری محنت کو قبول فرمائے۔ آپ بھی دعا کیجیے۔

نوٹ: ضرورت شعری کے پیش نظر بعض الفاظ کو تخفیف کے ساتھ برتا گیا ہے۔ مثلاً:

گواہ	کے لیے	گواہ	چاہ	چہ
کوہ		کہ	کوتا	کوتہ

کم مایہ ناچیز
سید احمد ایثار

بشنو از نَے

بانسری کہتی ہے کیا سنیے ذرا
ہجر کے شکوے سُناتی ہے سدا

لائے ہیں بن سے جُدا کرکے مجھے
مرد و زن نالاں ہیں میری آہ سے

ہے مجھے مطلوب کوئی سینہ چاک
تا سُناؤں اپنا حال درد ناک

جو بھی اپنی اصل سے ہوجائے دور
اس میں ذوق وصل ہوتا ہے ضرور

مَیں تو ہر محفل میں نالاں ہی رہی
جشنِ شادی ہی سہی ماتم سہی

ہر کوئی اپنی غرض سے یار ہے
اس کو میرا راز کب درکار ہے

راز میرا گوئی جز نالہ نہیں
کوئی سننے دیکھنے والا نہیں

جان سے تن تن سے جاں پنہاں نہیں
پر کوئی آئینِ دیدِ جاں نہیں

ایک ایسی آگ ہے نَے کی صدا
خاک اس پر جو نہیں اس میں جلا

آگ سے اُلفت کی سوزاں بانسری
جوشِ اُلفت ہے درونِ بادہ بھی

بانسری فرقت کے ماروں کی ہے یار
پردہ دار اس کی نوا سے آشکار

زہر اور تریاق جوں نے ہے کوئی
ہمدم و مشتاق جوں نے ہے کوئی

نَے رہِ پر ہول کرتی ہے بیاں قصۂ مجنوں ہے پس وردِ زباں
جیسے نے رکھتے ہیں ہم بھی دو دہاں اک دہن اس کے لبوں میں ہے نہاں
اک دہن نالاں تمھارے روبرو برسرِ افلاک اس سے ’ھا و ھوٗ‘
جاننے والے ہیں اِس سے باخبر ہے فغاں اِس سمت کی پیدا اُدھر
اِس کی پھونکوں سے ہے نَے نالہ سرا ھاو ھوئے روح ہے یہ ھووھا
اس کا ہوش ان کو ہے جو بیہوش ہیں جیسے شنوائی کو تنہا گوش ہیں
نالۂ نَے کا نہ ہوتا گر ثمر نَے زمانے کو نہ کرتی پُر شکر
کٹ گئے یوں درد وغم میں کتنے روز روز کتنے کھو گئے ہمراہِ سوز
دن گزر بھی جائیں کچھ پروا نہیں ’رُک‘ تو پاکی میں کوئی تجھ سا نہیں
سیر سب پانی سے مچھلی کے سِوا جو رہا محروم دن ضائع کیا
حالِ کامل کیسے جانے کوئی خام قصّہ کیجے مختصر لیجے سلام
جوشِ مَے محتاج اپنے جوش کا چرخ بھی قیدی ہمارے ہوش کا
مست ہے ہے مِے ہم سے ہم اِس سے نہیں جسم بھی ہے ہم سے ہم اِس سے نہیں
ہر کوئی سچ بات کا قائل نہیں ہر پرند انجیر چاہے گا کہیں؟
توڑ زنجیر اے پسر ہو جا رہا سیم و زر کی قید میں کب تک بھلا
تُو بھرے دریا بھی کوزے میں اگر زاد یک روزہ ہے پانی کوزہ بھر
پُر نہیں ہوتی حریصوں کی نظر بے قناعت سیپ محرومِ گہر
عشق کے ہاتھوں ہے جامہ جس کا چاک ہوگیا وہ حرص اور عیبوں سے پاک
مرحبا عشق، اے جنونِ جاں نواز اے ہمارے ہر مرض کے چارہ ساز
ہے دوائے نخوت و ناموس تُو ہم کو افلاطون و جالینوس تُو
جِسم خاکی عشق سے افلاک پر کوہ جذبِ عشق سے ہے رقص گر
عاشقو! یہ عشق جانِ طور ہے غش میں موسیٰؑ طور بھی مخمور ہے
زیر و بم میں وہ جو ہے راز نہاں گر کہوں ہوگا تہہ و بالا جہاں

بانسری کے زیر و بم کے یہ دو باب | فاش گر کہہ دوں تو ہو دُنیا خراب
گر ملا لیتا لبِ جاناں سے لب | مثل نَے کہنے کی کہہ دیتا میں سب
ہم زباں سے ہوگیا جو بھی جُدا | باوجودِ صد نوا ہے بے نوا
ساتھ گُل کے گلستاں جاتا رہا | اب نہ سن پاؤگے بلبل کی صدا
گُل کے جانے سے ہوا گلشن خراب | کس سے چاہوں بوئے گل غیرازگلاب
ہے سبھی معشوق عاشق پردہ ہے | زندہ ہے معشوق عاشق مردہ ہے
عشق کو اس کا نہیں ہے گر خیال | حیف وہ ہے مرغ بے پر کی مثال
ہیں کمندِ عشق اس کے بال و پر | سوئے جاناں لے چلیں گے کھینچ کر
آگے پیچھے کا مجھے سب ہوش ہے | کیوں نہ ہو نورِ صنم ہمدوش ہے
نیچے اوپر، دائیں بائیں، نزد و دور | جوں سر و گردن پہ میری طوقِ نور
عشق خواہاں ہے، کہ ہو راز آشکار | آئینہ اندھا ہے کیونکر ہو یہ کار
تیرا یہ آئینہ کیوں بے نور ہے | اس کا چہرہ زنگ میں مستور ہے
ہو رُخ آئینہ سے گر زنگ دور | آئے گا اس میں نظر اللہ کا نور
چہرہ اُس کا زنگ سے جا پاک کر | بعد میں اس نور کا ادراک کر
گوش دلِ سے سُن حقیقت کو ذرا | تا کہ آب و گل سے ہو جائے رہا
گر ہو عاقل جان کو تم راہ دو | پھر جدھر لے جائے یہ دل تم چلو

حکایت

بادشاہ کا لونڈی پر عاشق ہوکر اس کو خریدنا لونڈی کا بیمار ہونا اور اس کا علاج

دوستو! آؤ سنو یہ داستاں | ہے ہمارے حال پر صادق بیاں
ہم خود اپنے حال کی گر لیں خبر | پائیں گے دنیا و عقبٰی میں ثمر
عہدِ رفتہ میں تھا اک سلطاں کہیں | تھا بذاتِ خود وہ شاہ ملک و دیں
اتفاقاً چل دیا اک دن سوار | ساتھ اپنے لوگوں کے بہرِ شکار

چھانا بہرِ صید دشت و کوہسار
ہوگیا خود عشق کا آخر شکار

شاہراہ پر دیکھ لی کوئی کنیز
جان شہ خود بن گئی اس کی کنیز

چونکہ مرغِ جاں تھا تن میں بیقرار
مول لایا دے کے مالِ بے شمار

بار پایا کرکے حاصل ، از قضا
ہوگئی لونڈی مرض میں مبتلا

تھا کسی کے گھر گدھا کاٹھی نہ تھی
بھیڑیا خر لے گیا ، کاٹھی ملی

کوزہ اس کے ہاتھ تھا پانی نہ تھا
کوزہ ٹوٹا ہے جہاں پانی ملا

بولا شہ لاکر طبیبوں کو وہاں
ہے تمھارے ہاتھ ہم دونوں کی جاں

میری جاں کیا شئے ہے اس کی جاں ہے جاں
میرے دُکھ کا چارہ ہے اس کے یہاں

جو بھی کردے گا مری جاں کا علاج
مونگے موتی کا وہ مالک ہوگا آج

بولے مل کر ہوں گے ہم سب ایک جاں
کام رکھیں گے توافق سے یہاں

ہم میں ہے ہر اک مسیحائے زماں
رکھتے ہیں ہر درد کا درماں یہاں

گر خُدا چاہے نہ بولے پر غرور
عجزِ بشری کا ہوا اِن سے صدور

ترکِ استثنا قساوت ہے بڑی
ہاں، نہ کہنا بات ہے اک عارضی

یوں تو بن بولے بھی ہوتے ہیں قرار
جاں میں استثنا رہے گا استوار

گرچہ ہر صورت دوا چلتی رہی
پر نہ بیماری میں کچھ آئی کمی

ہوگئی گھٹ گھٹ کے لونڈی جیسے تار
بادشہ تھا اشکبار و زار زار

تھے سبھی عاجز قضا کے سامنے
عقل تھی مجبور آخر کیا کرے

از قضا سرکنگبیں صفرا کرے
روغنِ بادام سے خشکی بڑھے

دست کے بدلے ہلیلہ قبض لائے
اور پانی آگ کی حِدّت بڑھائے

دل کی سُستی ہو زیادہ نیند کم
آنکھ میں سوزش تو دل میں درد وغم

کچھ دوا میں تھا نہ شربت میں اثر
عاجز و قاصر تھے سارے چارہ گر

حکیموں کا علاج سے عاجز آنا اور اس کا علم بادشاہ کو ہونا بادشاہ کا رجوع الی اللہ ہونا

عجز ظاہر جب حکیموں کا ہوا
پا برہنہ شہ سوئے مسجد چلا

روبہ قبلہ ہوگیا مسجد میں شہ
ہوگئی تر آنسوؤں سے سجدہ گہ

بے خودی سے ہوش میں جب آگیا
جان و دلِ سے حمدِ حق کرنے لگا

اک عطائے کمتریں تری جہاں
کیا بتاؤں جانتا ہے تو نہاں

کام اپنا اور حکیموں کا تمام
تیرے لطفِ عام کے آگے ہیں خام

تو ہماری حاجتوں کا آسرا
بخش ہم نے پھر غلط رستہ لیا

جانتے بھی سب حقیقت بال بال
ہے مُصر تا خود بتاؤں اپنا حال

یوں تڑپ کر اس نے جب فریاد کی
رحمت حق جوش میں آ ہی گئی

روتے روتے نیند آئی سو گیا
جلوہ دیکھا خواب میں اک پیر کا

دی بشارت جا مراد اپنی ملی
تیرے ہاں آئے گا کل اک اجنبی

ایک حاذق چارہ گر ہے وہ یقیں
درحقیقت وہ ہے سچا اور امیں

دیکھنا اک سحر ہے اِس کا علاج
مظہر شانِ خدا اِس کا مزاج

دیکھ کر یہ خوابِ خوش وہ جاگ اُٹھا
تھا جو مملوکِ کنیز کا شہ ہوا

وقت وعدہ آیا اور جب دن ہوا
ہوگیا تاروں کا رخصت قافلہ

تھا جھروکے میں ادھر شہ منتظر
تا کہ دیکھے اپنی آنکھوں سے وہ سرّ

آیا اک مرد ہنرور باکمال
جیسے تاریکی میں سورج کا وصال

اِس کا آنا دور سے مثلِ ہلال
اس کی ہست و نیست مانندِ خیال

نیست جیسا ہے خیال اندر جہاں
پر زمانہ ہے خیالوں پر رواں

صلح ہو یا جنگ ممنونِ خیال
نام ہو یا ننگ ممنونِ خیال

اولیا کو پھانسنے والے خیال
عکسِ مہ رویانِ باغ ذوالجلال

شاہ نے جو خواب میں دیکھا خیال
مہماں تھا ہو بہو اس کی مثال

مظہر نورِ خدا ہیں اولیا　　نیک ہیں بن دل سے ہے گر واسطہ
دور سے دِکھتا تھا وہ حق کا ولی　　نور افشاں سر سے پا تک نور ہی
شاہ خود دربان سا آگے بڑھا　　لینے اِس مہمان غیبی کو چلا
آپ استقبال مہماں کا کیا　　برگِ گل سے جوں شکر واصل ہوا
ایک پیاسا دوسرا مانند آب　　ایک جواں مخمور دیگر جوں شراب
دونوں تھے تیراک قلزم آشنا　　جڑ گئے دونوں سِلائی کے بنا
بولا تُو ہی ہے مرا مطلوب جاں　　کام ہی سے کام بنتے ہیں یہاں
تو مجھے جوں مصطفیٰؐ میں جوں عمرؓ　　بہر خدمت میں نے کس لی ہے کمر

رعایت ادب کی خواہش کرنا اور بے ادبی کی نحوست

اے خدا دے ہم کو توفیق ادب　　بے ادب پاتا نہیں ہے لطفِ رب
بے ادب تنہا نہیں ہوتا خراب　　اس کے باعث سارے عالم پر عذاب
آسماں سے مائدہ آتا رہا　　سب کو بن بولے بنا مانگے مِلا
پر تھے اسرائیل میں کچھ بے شعور　　مانگتے تھے بے ادب لہسن مسور
رک گئے اس سے خدائی نان و خواں　　اور مِلا کھیتی کا حکم جانستاں
پھر شفاعت ان کی عیسیٰؑ نے جو کی　　آسماں سے دین جاری ہوگئی
مائدہ گردوں سے لوٹایا گیا　　جب کہا اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدہ
پھر انھوں نے راہ بے ادبی کی لی　　زلہ بر وارانہ خو جو پڑ گئی
بولے عیسیٰؑ بات یہ اچھی نہیں　　یہ عطا قائم ہے رکنے کی نہیں
یہ ہوس یہ بد گمانی کس لیے　　کفرِ دستر خوانِ شاہی کس لیے
بس ندیدوں کو صلا اِن کا مِلا　　بند وہ دروازۂ رحمت ہوا
وہ نزولِ نان و خوان سب رک گیا　　ہر کوئی محروم اِس خواں سے رہا
خشک سالی حاصلِ منع زکوٰۃ　　اور زنا کا پھل وبا اندر جہات

تو جو ہے طوفانِ غم میں مبتلا تیری بد کرداریوں کا ہے صِلا
یار کے آگے کرے جو سرکشی رہزنِ مرداں بنے، نامرد بھی
ہے سراسر نور ادب سے آسماں اور ہیں بے داغ ادب سے نوریاں
جو بنے گستاخ در بابِ طریق وادیِ حیرت میں ہوتا ہے غریق
قصہ شاہ و میہماں کا کر تمام ختم ہونے کا نہیں ہے یہ کلام

اس خدائی طبیب سے بادشاہ کی ملاقات جن کو اس نے خواب میں دیکھا تھا اور جس کے آمد کی خبر دی گئی تھی

شاہ جب میہمان کے آگے گیا اس کا عالم جیسے اک درویش تھا
ہاتھ پھیلا کر گلے اس سے مِلا اس کو جان و دل میں دی اس نے جگہ
بوسے پیشانی کے ہاتھوں کے لیے پوچھے قصّے بھی مقام و راہ کے
لے چلا پرسش میں اس کو تا بہ صدر بولا میں نے پائی دولت بعدِ صبر
صبر گو ہے نا گوارا عاقبت خوشگوار اس کا ثمر پُر منفعت
بولا اے نورِ خدا دفعِ حرج معنیٰ اَلصّبر مفتاحُ الفرج
اے لقا تیرا جوابِ ہر سوال تجھ سے حل سب مشکلیں بے قیل و قال
فاش ہے تجھ پر زمانے کا ضمیر جو ہیں دلدل میں تُو ان کا دستگیر
مرحبا اے مجتبیٰ اے مرتضیٰ! بن ترے موت اور ناموزوں فضا
رہبرِ ملّت تو اور منکر ترا کب ہلاکت سے یہاں بچ کر رہا
بعد ختم دعوتِ خوان کرم ہاتھ پکڑا لے گیا اندر حرم

بادشاہ کا غیبی طبیب کو بیمار کے پاس لے جانا

حالِ بیماری کا بتلایا سبھی نزد بیمار اس کو لے آیا تبھی
اُس نے جانچی نبض بھی قارورہ بھی رنگ رو دیکھا سُنا سمجھا سبھی

بولا ان لوگوں نے جو چارہ کیا ۔۔۔ کی نہیں تعمیر گھر ویراں ہوا
اس کے باطن کی حقیقت کو نہ پائے ۔۔۔ افترا سے ان کی بس اللہ بچائے
راز بیماری کا اِس نے پالیا ۔۔۔ لیکن اِس کو شہ سے پوشیدہ رکھا
علت سودا و صفرہ سب گماں ۔۔۔ کیا ہے بو لکڑی کی کہتا ہے دھواں
پالیا آزار تھا آزارِ دل ۔۔۔ تن کا صحتمند تھا بیمار دل
عاشقی تھی وجہ آزارِ دل ۔۔۔ اور کٹھن ہوتی ہے بیماریٔ دل
عاشقی کی علتیں سب سے جُدا ۔۔۔ عشق اضطرلابِ اسرار خُدا
ہوگی ایسی ویسی بھی گو عاشقی ۔۔۔ عاقبت شہ راہ پر لے جائے گی
گو بیانِ عاشقی کرتا رہا ۔۔۔ عاشقی پر آ کے شرمندہ ہوا
روشنی کچھ ڈالتا ہے گو بیاں ۔۔۔ خود ہی روشن تر ہے عشقِ بے زباں
گو قلم تحریر میں مشغول تھا ۔۔۔ عشق پر آیا تو اِس میں شق پڑا
جب بیانِ حال پر آیا قلم ۔۔۔ پھٹ گیا کاغذ وہیں ٹوٹا قلم
شرح کرتے عقل دلدل میں پھنسی ۔۔۔ عشق نے خود عاشقی کی شرح کی
ہے تُو ہے سورج کی سورج ہی دلیل ۔۔۔ دیکھ اُسے گر چاہیے تجھ کو دلیل
سایہ گو دیتا ہے سورج کا پتہ ۔۔۔ نورِ جاں ہر دم ہے سورج کی عطا
نیند کا غلبہ ہے سایے کا اثر ۔۔۔ چاند شق سورج نکلتے دیکھ کر
راہرو کوئی بھی سورج سا نہیں ۔۔۔ شمسِ جاں کا آج کل ہوتا نہیں
گرچہ سورج خود ہے سورج کی مثال ۔۔۔ ذہن میں ممکن ہے ثانی کا سوال
عالم بالا ہے جس سے مست حال ۔۔۔ ذہن و خارج میں نہیں اس کی مثال
جب احاطہ کر نہیں سکتا خیال ۔۔۔ اس کے ثانی کا تصور ہے محال
نورِ مطلق شمس تبریزیؒ مرا ۔۔۔ مہر و نور اِس کا زانوارِ خدا
ذکرِ شمس الدینؒ ادھر جو آ گیا ۔۔۔ چرخ پُر سورج اُدھر شرما گیا
آپ کا جب نام لب پر آ گیا ۔۔۔ چاہیے ذکر آپ کے انعام کا

میری جاں میں جانِ تازہ آ گئی
جامۂ یوسف کی بو کیا آ گئی

سالہا سال اِن کی خدمت میں رہا
کر عیاں پھر راز اس خوش حال کا

تا زمیں و آسماں ہو جائیں شاد
زورِ جان و عقل و دیدہ ہو زیاد

بولا جاں کو یار سے تو دور ہے
چارگرہ سے دور ہے مجبور ہے

رکھ مجھے معذور اس سے ہوں فنا
فہم عاجز ہے نہیں تابِ ثنا

بات مدہوشی میں اک مدہوش کی
لاف یا تعریف ناموزوں رہی

بات جو بھی ہو اگر ہو نا صواب
اور بھی ہوگی تکلف سے خراب

کیا کہوں اک رگ نہیں ہے ہوشیار
باب میں اس کے نہیں ہے جس کا یار

گر کروں تعریف ہو ترکِ ثنا
وہ نشاں ہونے کا ، ہوتا ہے خطا

یہ بیانِ ہجر اور خونِ جگر
چھوڑ اسے فی الوقت تا وقتِ دگر

بولی بھوکی ہوں غذا درکار ہے
دے کہ سر پر وقت کی تلوار ہے

صوفی ابن الوقت ہوتا ہے رفیق
وعدۂ فردا نہیں شرطِ طریق

جیسے ابن الحال صوفی کی مثال
گو ہیں دونوں بے نیاز ماہ و سال

خود کو چپ ہی کرلیا صوفی شمار
نقد بھی کھو جائے گر لے گا اُدھار

چونکہ بہتر ہے چھپانا سِرّ یار
سُن بطور قصہ کچھ کچھ آشکار

ہے یہی بہتر کہ سرّ دلبراں
اوروں کی باتوں میں ہوجائے بیاں

کھل کے کہہ دے جو بھی کہنا ہے تجھے
الجھی باتوں سے نہ کر بوجھل مجھے

بول اسرار و رموزِ مرسلینؑ
ہے علیٰ الاعلان بہتر ذکرِ دیں

چاک کر پردے بتا دے من و عن
میں نہ چاہوں پیشِ جاناں پیرہن

بولا ہے پردہ وہ آجائے اگر
تو کہاں ؟ بیچ اور کنارہ پھر کدھر

ہو حدِ برداشت تک ہر آرزو
کیا اُٹھا سکتا ہے تنکا کوہ کو

مہر وہ دنیا کی جس سے روشنی
کچھ اگر بھڑکے تو جل جائے سبھی

ہو نہ جائے خونِ دل جانِ جہاں
موند آنکھ اور بند کر اپنی زباں

فتنہ و آشوب و خونریزی نہ کر — اس سے بڑھ کر ذکرِ تبریزی نہ کر
حد نہیں اس کی وہی پھر قصّہ بول — بول اس قصّہ کا باقی حصّہ بول

لونڈی کے مرض کو معلوم کرنے کے لیے طبیب کا بادشاہ سے لونڈی کے ساتھ تنہائی چاہنا

جب حقیقت سے حکیم آگہ ہوا — آپ بھی ہم داستانِ شہ ہوا
بولا شہ سے ہو ابھی خالی یہ گھر — اپنوں ، بیگانوں سبھی کو دفع کر
کوئی کچھ سنتا نہ ہو دہلیز پر — پوچھنا ہے کچھ کنیزک سے اِدھر
کرکے خالی گھر کو شہ خود چل دیا — تا کہ پھونکے اس کنیزک پر دُعا
گھر وہ اب خالی تھا جوں درکار تھا — بس طبیب اس میں تھا اور بیمار تھا
پوچھا تیرے شہر کا ہے نام کیا — نسخہ ہے ہر شہر والے کا جدا
کون کون اِس میں ہیں تیرے رشتہ دار — ہے تعلق کن سے تیرا اِستوار
نبض پر اُنگلی رکھی اور یک بیک — بولا کیا کیا ظلم کرتا ہے فلک
کانٹا پاؤں میں کھٹکتا ہے اگر — پاؤں کو رکھتے ہیں اپنی ران پر
ڈھونڈتے ہیں سوئی سے کانٹے کا سر — گر نہ پائیں لب سے کرلیتے ہیں تر
خارِپا پانا بھی جب دشوار ہے — حال کیا ہوگا جو دل میں خار ہے
خارِ دل گر دیکھ سکتا ہر کوئی — غم کسی کے پاس کیوں آتا کبھی
گر چبھوؤ گے گدھے کی دم میں خار — پھاندتا دیکھو گے اس کو بار بار
دفع کب دو لتیاں کرتی ہیں خار — اس کو پانے چاہیے اک ہوشیار
دفع کرنے درد کو خرہر زماں — ہوگا زخمی پھینک کر دولتیاں
کودنے سے ہوگا کانٹا استوار — چاہیے عاقل برائے دفعِ خار
فن میں اپنے وہ حکیم استاد تھا — ہاتھ رکھا آزمایا جابجا
کر رہا تھا اِس سے بچوں کی مثال — اس کے حالات گذشتہ سے سوال
کہہ رہی تھی چارہ گر سے فاش فاش — خواجگوں ، ہم شہریوں کی بود و باش

سن رہا تھا غور سے باتیں سبھی — جانچتا تھا نبض کی رفتار بھی
دیکھنا تھا یہ کہ پھڑکے گی کہاں — جاننا تھا کون ہے مقصود جاں
ہوگیا جب شہر والوں کا شمار — لب پہ آیا قصّہَ دیگر دیار
پوچھا اپنے شہر سے کیوں چل پڑی — جا کے کس جا دیر تک ٹھہری رہی
لے کے نام اک شہر کا آگے بڑھی — نبض جوں کی توں تھی، رنگ رُخ وہی
خواجگوں شہروں کا لے کر سب کا نام — بولی گھر ان کے کہاں تھے کیا طعام
ذکر ہر اک شہر ہر گھر کا ہوا — نبض ہی پھڑکی نہ رنگِ رُخ اڑا
نبض کی رفتار کا اک حال تھا — جوں ہی پھر ذکر سمر قند آگیا
سُن کے آہ سرد کھینچی ماہ رو — آنکھ سے آنسو رواں تھے مثلِ جو
بولی اک تاجر جو لے آیا مجھے — اس سے زرگر نے خریدا تھا مجھے
تین ماہ ہمدم تھا پھر بیچا مجھے — جل اُٹھی یوں کہہ کے غم کی آگ سے
کھل گیا جو راز بیماری کا تھا — درد کا باعث جو تھا وہ مل گیا
پوچھا رستہ کون سا ہے گھر کدھر؟ — بولی پل کے پاس کوئے غاتفر
بول اٹھا اس سے حکیم با صواب — ہوگیا دور اب ترا سارا عذاب
جان لی ہے میں نے بیماری تری — دیکھ اب چارہ گری کی ساحری
شاد ہو جا دِل سے کھٹکے کو نکال — ہوگی تو بارش سے گلشن کی مثال
میں ترا غم کھاؤں گا تو غم نہ کھا — ہوں سوا سو باپ سے مشفق ترا
ہاں مگر یہ راز دونوں میں رہے — لاکھ پوچھے کچھ نہ کہنا شاہ سے
بس چلے تک راز رکھ یہ اپنا راز — کر نہ دے ہرگز کسی پر در یہ باز
راز دل کا راز رہ جائے اگر — تیرا مقصد ہوگا حاصل زود تر
نبض پھڑکی ، رنگ پیلا پڑگیا — ہوگیا زرگر سمرقندی جدا
بولے پیغمبرؐ امینِ راز شاد — زود تر پالے گا وہ اپنی مُراد
خاک میں دانہ جو رہتا ہے نہاں — ہوتا ہے سر سبز بن کر بوستاں

سونا چاندی گر نہیں ہوتے نہاں — پرورش وہ کان میں پاتے کہاں
وعدہائے لطف و اقرارِ حکیم — مٹ گئے اِن سے سب اس کے رنج وبیم
پختہ وعدوں سے دل اپنا شاد کام — خام وعدے کیا، پریشانی تمام
وعدۂ اہل کرم گنجِ رواں — وعدہ نا اہل عذاب و رنج جاں
چاہیے وعدے کریں پورے تمام — گر نہ ہوں پورے بنیں گے سرد وخام
صدق سے وعدہ وفائی چاہیے — حشر میں تا فیض حاصل ہو تجھے

اس طبیب کا لونڈی کے مرض کو معلوم کر لینا اور بادشاہ پر ظاہر کرنا

رازِ پنہاں کو سمجھ کر چارہ گر — دیکھا بیماری کی صورت جانچ کر
بعد ازاں اٹھ کر وہ سوئے شہ چلا — راز سے کچھ کچھ اسے آگہ کیا
پوچھا شہ نے ہے بھلا تدبیر کیا — اور پھر تعمیل میں تاخیر کیا
بولا وہ مرد اب بلایا جائے گا — چارہ سازی کو وہ لایا جائے گا
دے کے لالچ خلعت و انعام کا — اس جگہ سے مرد زرگر کو بلا
بھیج قاصد اور دے اس کو خبر — اس کو خواہانِ عطا و فضل کر
تا ترا یار اس سے خوش دِل ہوسکے — دفع تاکہ اس کی مشکل ہوسکے
سیم و زر دیکھے گا جب وہ بے نوا — چھوڑ کر گھر بار خود آجائے گا
عقل کو دیوانہ کر دیتا ہے زر — سب سے بدتر اس کا مفلس پر اثر
آدمی کو عقل سکھلاتا ہے زر — نیک انساں چاہئے اس کو مگر

بادشاہ کا ایلچیوں کو سمرقند روانہ کرنا اس سنار کی تلاش میں

شاہ نے جب چارہ گر سے یہ سُنا — جان و دل سے اس پہ راضی ہوگیا
بولا ہوگا حکم جو وہ حکم دوں — تو کہے یوں کر تو میں ویسا کروں
اک دو قاصد اس طرف بھیجے تبھی — ان میں نیکی ہوشیاری تھی سبھی

تا سمرقند آئے وہ دونوں امیر
بہر زرگر بادشہ کے وہ بشیر

بولے شخصیت تری مانی ہوئی
دھوم شہروں میں ترے اوصاف کی

شہ نے چاہا ہے برائے زرگری
چونکہ اس فن میں ہے تجھ کو برتری

لے یہ خلعت اور یہ سب زر و سیم
آ حضوری میں بنے گا تو ندیم

دیکھ کر وہ خلعت و اسباب و مال
شہر چھوڑا رد کئے اہل و عیال

آگیا رستہ پہ ہوکر شادماں
یہ نہ جانا قصدِ جاں ہے شاہ کے ہاں

اسپِ تازی پر چلا خوش خوش سوار
خوں کی قیمت کو کیا خلعت شمار

چل دیا افسوس وہ باصد رضا
اپنے پاؤں جانب سُوءِ القضا

اس کی دھن، عزت، حکومت ، سروری
موت کہتی تھی کہ ہاں لے لے سبھی

آگیا منزل پہ آخر جب غریب
اس کو لایا شاہ کے آگے طبیب

لے کے آیا پیش شاہنشہ بناز
تا جلائے برسرِ شمعِ طراز

شاہ نے تعظیم کی آگے بڑھا
اک خزانہ زر کا اس کو دے دیا

پھر دیا فرمان یہ سونا ہے جا
ہار، کنگن، پائے زیب، اس سے بنا

چاہئیں برتن بہت سے خوشنما
لائقِ بزمِ شہنشاہاں بنا

لے کے سونا ہوگیا مشغولِ کار
یہ نہیں جانا کہ وہ تھا کارِ زار

پھر یہ بولا چارہ گر سلطان سے
وہ کنیزک بھی تو اس زرگر کو دے

ماہ رو کو نذرِ زرگر کر دیا
اور بہم فرقت کے ماروں کو کیا

یوں ہی مدت چھے مہینوں کی ہوئی
اور گیا لونڈی کا وہ آزار بھی

بعد ازاں اس کے لیے شربت بنا
پی کے زرگر دنِ بدن گھلنے لگا

جبکہ بیماری سے رنگِ رُخ اڑا
عشق اس لونڈی کا ٹھنڈا پڑ گیا

شکل اس کی بدنما اور رنگ زرد
رفتہ رفتہ ہوگیا وہ عشق سرد

تا کرے خوش حال اس کو قربِ مرد
وصل کے پانی سے تا ہو آگ سرد

رنگ سے جو عشق وابستہ رہا
ننگ سے آخر اسے پالا پڑا

کاش ہوتا ننگ ہی وہ پائیدار   اس پہ بے دردی سے یوں چلتا نہ وار
آنکھ سے خوں مثلِ جو بہنے لگا   اس کو چہرہ دشمنِ جاں ہوگیا
دشمنِ جاں مور کے حق میں ہیں پر   ہیں عدوّے بادشاہاں کرو فر
درد سے زرگر ہوا بدحال و زار   ہوگیا آزار سے مانندِ خار
بولا ہوں آہو وہ جس کی ناف سے   کھینچ ڈالا صاف خوں صیاد نے
یا وہ روبہ رکھ کے دھوکے میں جسے   سر اڑائے پوستیں کے واسطے
یا وہ ہاتھی پیلباں مارے جسے   کر کے گھائل ہڈیوں کے واسطے
لی ہے اک کمتر کی خاطر میری جاں   خوں نہیں جائے گا میرا رائیگاں
اب ہوا جو مجھ پہ ہوگا اس پہ کل   میرے خوں کا اس کو مل جائے گا پھل
سایہ لمبا گرچہ ہے دیوار کا   وہ سمٹ کر زیرِ پا آجائے گا
یہ جہاں کہسار فعل اپنے ندا   لوٹ کر آئے گی پھر اپنی صدا
ہوگیا یوں کہتے کہتے جاں بحق   مٹ گیا اِس ماہ رو کا بھی قلق
عشق مُردوں کا بقا پاتا نہیں   کیونکہ مردہ لوٹ کر آتا نہیں
عشقِ زندہ راحتِ روح و بصر   وہ کلی کی طرح ہر دم تازہ تر
عشق بہتر زندۂ جاوید کا   وہ تجھے دے گا شراب جاں‌فزا
لے اسے عاشق ہیں جس کے انبیا   اس کی اُلفت سے شرف اِن کو ملا
جا نہ کہہ تو قربِ شہ ممکن نہیں   کیا یہ مشکل ہے کریموں کو کہیں

اس بیان میں کہ سنار کو مارنا خدائی اشارے پر تھا نہ کسی برے خیال سے

چارہ گر کے ہاتھ موت اس مرد کی   خوف یا اُمید کے باعث نہ تھی
شاہ کی خاطر اسے مارا نہیں   حکم حق ایسا جو تھا چارہ نہیں
قتل اک لڑکا کیا جو خضرؑ نے   ہر کوئی واقف نہیں اس بھید سے
ہوگا جو بھی وحی حق سے فیض یاب   وہ جو فرمائے وہی عینِ صواب
جان لینا دینے والے کو روا   جو کرے نائب وہ کام اللہ کا

مثلِ اسماعیلؑ خم کر اپنا سر — تیغ کو ہنستے ہوئے تسلیم کر
تیری جاں شاداں رہے گی تا ابد — جیسے جانِ پاک احمدؐ با احد
پائیں گے جامِ خوشی تب عاشقاں — ہوں گے جب بسمل بدست جانِ جاں
لی نہیں شہوت کی خاطر شہ نے جاں — چھوڑا جھگڑا دور کر دل سے گماں
ہے گماں تجھ کو کہ تھی نیت بُری — کھوٹ کو کرتی ہے رد پاکیزگی
یہ مشقت اور یہ محنت کس لیے — میل تا چاندی کا بھٹّی میں جلے
امتحانِ نیک و بد ہے اِس لیے — تا اُبل کر جھاگ زر پر آ رہے
بد گمانی ترک کر اے بد گماں — اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ہے عیاں
گر نہ ہوتا قتل از حکم اِلہ — وہ سگ خوں خوار کہلاتا نہ شہ
شہوت و حرص و ہوا سے پاک تھا — کارِ نیک اس کا بظاہر بد لگا
خِضرؑ سے پہنچا جو کشتی کو ضرر — اس ضرر میں فائدے تھے کس قدر؟
بد گماں موسیٰؑ ہی بانور و ہنر — تو کہاں؟ ہستی تری بے بال و پر
وہ گل احمر ہے اس کو خوں نہ کہہ — وہ سراپا عقل ہے مجنوں نہ کہہ
اک مسلماں کا تھا گر مطلوب خوں — ہوں گا کافر میں جو اس کا نام لوں
عرش لرزے گر سنے مدح شقی — مدح سے اس کی ہو بدظن متقی
شاہ تھا وہ اور خوب آگاہ تھا — خاص تھا اور خاصۂ اللہ تھا
شاہ ایسا جس کسی کو مار دے — سرفرازی سلطنت اس کو ملے
دے گا سو جاں نیم جاں لے کر اسے — ہر توقع سے سوا اس کو ملے
قہر اک انساں پہ بہر فیضِ عام — شرع میں جائز ہے چل کر اپنا کام
گر نہ دیکھے قہر میں وہ سود کو — تو سراپا لطف کیوں ہو قہر جو
فصد بچے کو ہے ہیبت کا پیام — مادرِ مشفق ہے اِس سے شاد کام
اپنی حد تک سوچ ہے تیری مگر — اور ہی کچھ ہے حقیقت غور کر
اک دگر قصّہ سُناؤں آ ادھر — شاید اس کو سُن کے ہوگا بہرہ ور

حکایت

ایک بنیے اور طوطی کا قصہ اور طوطی کا دکان کے اندر تیل بہانا

تھا کہیں طوطا کسی بقّال کا
بول میٹھے رنگ سبز اور خوش لقا

تھا دُکاں پر وہ نگہبانِ دُکاں
گاہکوں کے ساتھ بے حد خوش بیاں

آدمی سے بات جیسے آدمی
طوطیوں کے ساتھ ہشیاری سبھی

اتفاقاً خواجہ اک دن گھر گیا
اور دُکاں اس کے حوالے کر گیا

جھپٹی چوہے پر کوئی بلّی وہاں
ہوگیا طوطے پہ غالب خوفِ جاں

صدر سے وہ کود کر باہر ہوا
شیشے لڑھکے روغنِ گل بہہ گیا

خواجہ اپنے گھر سے واپس جب ہوا
مطمئن اپنی دُکاں میں لی جگہ

پُر دکاں روغن سے چکنا صدر تھا
مار کر طوطی کا سر گنجا کیا

بات طوطی نے جو کچھ دن چھوڑ دی
ہو کے نادم خواجہ نے اک آہ کی

نوچ کر داڑھی کو یوں کہنے لگا
میرا سورج بدلیوں میں چھپ گیا

کیوں نہ ٹوٹے ہاتھ میرے اُس گھڑی
خوش زباں پر ضرب میری جب پڑی

ہدیہ درویشوں کو وہ دیتا رہا
تا کرے پھر بات مرغ خوشنوا

تین رات اور دِن رہا حیران و زار
تھا دُکاں پر بیٹھ کر نومید وار

مبتلائے غصّہ در رنج و تعب
دُھن یہ تھی طوطی مرا بولے گا کب

خوب پھسلاتا تھا چیزوں سے مگر
لب کتر لیتا تھا اس کو دیکھ کر

کچھ نہ کچھ کہتا رہا وہ صبح و شام
تا کہ پیدا اس میں ہو ذوقِ کلام

مُنھ کسی صورت کھلانے کے لیے
لا کے تصویریں دکھاتا تھا اسے

ناگہاں آیا کہیں سے اک گدا
اس کا سر گنجا مثالِ طشت تھا

آ گیا طوطی کو باتوں کا خیال
چیخ کر گنجے سے پوچھا یہ سوال

بول اے گنجے تو کیوں گنجا بنا
تیل شاید تُو نے بھی لڑھکا دیا

اس کی باتیں سُن کے سب ہنسنے لگے
تُو نے اپنی ہی طرح سمجھا اِسے

تیرے جیسے کب ہیں کارِ مردِ نیک
گرچہ لکھت میں ہیں شیر وشیرایک

شِیر تو خوراک ہے انسان کی
پھاڑ کر رکھتا ہے شیر انساں کو ہی

اِس طرح دنیا میں سب گمراہ ہیں
کم ہیں جو ابدال سے آگاہ ہیں

بد نصیبوں کو بھلا آنکھیں کہاں
نیک اور بد ان کو دونوں ایک ساں

کرتے ہیں وہ انبیاء کی ہمسری
آپ جیسے ان کو اہل اللہ بھی

کہتے ہیں ہم آدمی وہ آدمی
اورخواب وخور ہیں سب کے ایک ہی

بے بصر یہ جانتے ہیں کب بھلا؟
فرق ان کے بیچ ہے بے انتہا

ایک ہے زنبور اور بھڑکی غذا
شہد اس کی ڈنک ہے اس کی عطا

آہووں کے اک ہی ہیں خور وآب
ایک دے گوبر دگر دے مشکِ ناب

ایک ہی پانی پہ پلتے ہیں مگر
یہ نئے خالی رہی وہ نیشکر

ہیں مثالیں اِس طرح کی صد ہزار
درمیاں ان کے ہے دوری بے شمار

یہ غذا کھائیں نجاست ہو جدا
اس کے کھانے سے عیاں نورِ خُدا

اس کے کھانے سے بڑھے بُخل وحسد
اس کے کھانے سے بڑھے عشقِ احد

اس کی مٹّی پاک وصاف اور اس کی بد
وہ فرشتہ پاک اور یہ دیو ودد

اک طرح ہیں آبِ شیریں آبِ شور
ان میں ہوتی ہے صفائی بھی ضرور

غیر اہلِ ذوق کیا جانے بھلا
کون سے پانی کا ہے کیسا مزا

کون جانے ذوق والے کے سِوا
موم کیا ہوتی ہے اور ہے شہد کیا

معجزہ کو سحر کرتے ہیں قیاس
مکر کو سمجھے ہیں دونوں کی اساس

ساحراں موسیٰؑ سے لڑنے کے لیے
لاٹھیاں موسیٰؑ کی لاٹھی سی لِئے

لاٹھی اور لاٹھی میں کتنا فرق تھا
اور عمل میں ان کے کتنا فاصلہ

اِس عمل میں لعنت اللہ ساتھ ساتھ
اُس عمل میں رحمتہ اللہ ساتھ ساتھ

لڑتے دم بندر کی صورت کا فراں   ان کے سینۂ میں ہے اک آفت نہاں
نقل انسانوں کی ہے بندر کا کام   دیکھتا ہے جو بھی کرتا ہے تمام
اس کا دعویٰ خود بھی ویسا ہی کیا   وہ لڑاکا فرق کیا جانے بھلا
تحتِ امر اس کا عمل وہ بہر شر   خاک ڈال آجا کے اہل شر کے سر
پڑھتے ہیں مومن منافق سب نماز   ہے تخالف مقصد اُس کا نے نیاز
حج روزہ اور زکوٰۃ ان کی سبھی   نہج پر بازی کے ہیں جاری سبھی
مومنوں کی جیت ہے انجام کار   اور انجام منافق کیا ہے ہار
گرچہ ہے دونوں کی بازی ایک ہی   یہ ہے رازی اور وہ ہے مروزی
اپنا اپنا چاہتے ہیں سب مقام   جس کا جیسا نام ہے ویسا ہی کام
گر کہو مومن کو مومن شاد ہو   آگ ہو جائے منافق گر کہو
نام اسے محبوب اس کی ذات سے   اور وہ مبغوض ہے آفات سے
میم، واؤ و نون میں کب تشریف ہے   لفظ مومن از پے تعریف ہے
گر منافق نام اس کو کوئی دے   ڈنک سی بچھّو کی وہ چبھنے لگے
نام یہ دوزخ کا گر مشتق نہ تھا   اس میں دوزخ کا مزا کیوں آگیا
حرف سے اس نام کی تلخی نہیں   تلخی پانی کی ہے برتن کی نہیں
حرف جوں برتن ہے معنیٰ جیسے آب   بحر معنیٰ حق کے ہاں اُمّ الکتاب
بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں   بَرزخ لایبغیان ہے درمیاں
ایک ہی منبع سے ہیں دونوں رواں   چھوڑ ان کو جاوہ منبع ہے جہاں
چاہئے سونا پرکھنے کو عیار   بے محک زر کا نہ آئے اعتبار
یہ کسوٹی جس کو دیتا ہے خُدا   وہ یقیں سے شک کو کرتا ہے جُدا
بولے جو اِستَفتِ قلبَک مُصطفیٰ   حکم یہ ہے اُن کو جو ہیں پر وفا
منھ میں زندے کے پڑے جو تنکا بھی   دم نہ لے گا تھوکنے تک وہ کبھی
ایک ہی تنکا سہی لقمے ہزار   اس کو پانے تک نہ آئے گا قرار

حس دُنیا ہے جہاں کی نردبان　　حسِ عقبیٰ آسماں کی نردبان
اس کی صحت کو ضروری ہے طبیب　　اس کی صحت کو ضروری ہے حبیب
صحتِ حِس جہاں تعمیر تن　　وہ دگر حِس وجہ تخریبِ بدن
جسم کو ویرانہ کر دیتی ہے جاں　　پھر بسا دیتی ہے اس کو بے گماں
خوش رہے جس کو ہو عقبیٰ کا خیال　　وہ لٹائے خانمان و ملک و مال
گھر کرے ویرانہ بہرِ گنج زر　　بعد پھر بھرلے خزانوں سے وہ گھر
وہ سکھا کر صاف کر لیتا ہے جُو　　بھرتا ہے پھر اس میں آبِ صاف کو
تیر کھینچے کھال میں دے کر شگاف　　بھر گیا جب زخم آئی پوست صاف
قلعہ کو توڑا لیا کفار سے　　پھر کیا محکم فصیلوں سے اُسے
کارِ حق کا ہو بھلا کیونکر بیاں　　جو کہا کہنا ضروری تھا یہاں
کچھ ہوا سیدھا کبھی اُلٹا کبھی　　ہے نتیجہ اس کا حیرانی سبھی
جو حقیقت جانتے ہیں کاملاں　　ہیں سبھی حیرت زدہ آشفتہ جاں
وہ نہیں حیران منھ پھیرے ہوئے　　بلکہ حیران غرق مستی دوست سے
ایک وہ ہے جس کا رُخ ہے سوئے دوست　　وہ دگر ہے جس کا رو ہے روئے دوست
دیکھ ہر اک کو مگر ہو سب کا پاس　　ہوگا اس خدمت سے شاید روشناس
رویتِ دانا عبادت ہے یہی　　فتحِ ابوابِ سعادت ہے یہی

صاحبِ تحقیق اور ڈینگیں مارنے والے اور حق گو اور جھوٹے کے درمیان فرق

بھیس میں انساں کے ہیں شیطاں کئی　　ہاتھ ان کے دے نہ ہاتھ اپنا کبھی
دھوکا ہے صیاد کی بانگِ صفیر　　تا کرے اس سے پرندوں کو اسیر
مرغ سنتا ہے صدا ہم جنس کی　　جب اُتر آتا ہے پھنستا ہے تبھی
بات فقرا کی چُرا کر مردِ دوں　　پھونکتے ہیں سادہ لوحوں پر فسوں
رہبری اور لطف ہیں مردوں کے کار　　حیلہ بے شرمی ہیں بدبختوں کے کار

شیر پشمیں اک ذریعہ بھیک کا بومسیلم کا لقب احمد ہوا
بومسیلم کا لقب کذّاب تھا اور محمدؐ کا اولوالالباب تھا
اس مئے حق پر ہے مہرِ مشک ناب ہے عذاب و گندگی مہرِ شراب

اس یہودی بادشاہ کا قصہ جو عیسائیوں کو تعصب کی وجہ سے قتل کرتا تھا

تھا کہیں ظالم یہودی بادشاہ دشمنِ عیسیٰؑ اور اُن کی قوم کا
وہ تھا دورِ عیسوی میں حکمراں اِس کی موسیٰؑ جان وہ موسیٰؑ کی جان
احولی کی اس نے در راہِ خُدا موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو سمجھا تھا جُدا
اک معلم نے یہ احول سے کہا جا کے اندر سے وہ بوتل لا ذرا
جب گیا اندر تو دیکھا سامنے شیشے دو اس کو نظر آنے لگے
پوچھا اِن دونوں میں شیشہ کون سا لاؤں میں بتلایئے کھل کر ذرا
پھر معلم نے کہا جا دو نہیں ہے وہ ایک ہی تو نہ بن احول دو بیں
بولا اے استاد یوں طعنہ نہ دے بولا بس دونوں میں اک کو توڑ دے
اک جو توڑا گم ہوئے دونوں وہیں طیش اُلفت میں بھی ہوتے ہیں دو بیں
اک تھا شیشہ دو نظر آئے اِسے اک جو توڑا اُس نے دونوں گم ہوئے
غصّہ شہوت بھی ہے وجہ احولی استقامت سے ہے دیگر روح بھی
ہو غرض غالب تو چھپ جائے ہنر دل سے سو پردے پڑیں گے آنکھ پر
کوئی قاضی راہ رشوت کی جو لے ظالم و مظلوم ہوں گے ایک اُسے
شہہ یہودیت سے پورا کینہ ور احولی اس کی بھیانک کس قدر
مار ڈالے اس نے مومن سو ہزار دین موسیٰؑ کا تھا اتنا پاسدار

بادشاہ کے وزیر کا قصہ اور عیسائیوں میں تفرقہ پھیلانے کے لیے مکروفریب

اک وزیرِ پرفتن رکھتا تھا شہ
جو لگا سکتا تھا پانی کو گرہ

بولا عیسائی یہ بہرِ حفظ جاں
شاہ سے رکھتے ہیں اپنا دیں نہاں

پس کہا اس نے شہ اسرار جُو
مار مت ، خونریزی ان کی چھوڑ تو

مارنا ان کو ترا بے سود ہے
بو کہاں؟ کیا دین مشک و عود ہے

راز پر اِن کے پڑے ہیں سو غلاف
ہیں موافق ظاہراً اندر خلاف

پوچھا شہ نے پھر بھلا تدبیر کیا
ہے علاجِ حیلہ و تزویر کیا؟

تا جہاں میں کوئی نصرانی نہ ہو
کوئی پیدا ہو کہ پنہانی نہ ہو

بولا ناک اور ہونٹ میرے کاٹ دے
کر مجھے محروم ہاتھ اور کان سے

دار کی جانب مجھے پھر کھینچ لا
بھیج کر کوئی شفاعت گر بچا

کام یہ اپنا علی الاعلان کر
لا کے چوراہے پہ سب سامان کر

بھیج دے پھر مجھ کو آبادی سے دور
تا میں ان کی قوم میں ڈالوں فتور

جب کریں گے وہ مرا دیں اختیار
ہوں گے ابتر ان کے سارے کاروبار

شور فتنے سب انھیں میں ڈال دوں
مکر سے شیطاں کو بھی حیراں کروں

دل مرا جو سوچتا ہے تا کروں
اب بتا سکتا نہیں میں کیوں کہوں

مان لیں جب مجھ کو اپنا مقتدا
ڈال دوں گا دام ان پر دوسرا

کر کے حیلے ان کو بہلاؤں گا میں
ان میں فتنے سینکڑوں ڈالوں گا میں

تا بہائیں اپنے ہاتھوں اپنا خون
خوں سے مٹی ہوگی تر میں کیا کہوں

وزیر کا عیسائیوں کو دھوکہ دینے کی فکر کرنا اور اس کا مکر

ان سے بولوں گا، ہوں نصرانی نہاں
تو ہے واقف اے خُدائے رازداں

راز شہ پر کھل گیا ایمان کا
کرلیا ہے قصد میری جان کا

چاہا اپنا دین پوشیدہ رکھوں　　اس کے دیں کو اپنا دیں کہتا رہوں

پالیا بُو سے میرے اسرار کو　　جھوٹ جانا سب مری گفتار کو

تیری باتیں نان میں جوں سوئیاں　　میرے تیرے دل میں ہے رستہ نہاں

دیکھا اس روزن سے تیرے دل کا حال　　تیری باتوں کا یقیں اب ہے محال

روحِ عیسیٰؑ گر نہ ہوتی میری یار　　کر دیا ہوتا مجھے ٹکڑے ہزار

راہِ عیسیٰؑ میں کٹاؤں اپنا سر　　صد ہزار احساں سمجھ کر جان پر

جاں فدا عیسیٰؑ پہ کردوں گا ابھی　　مجھ کو ان کے دیں سے ہے خوب آگہی

لیکن اس کا رنج ہے یہ دینِ پاک　　جاہلوں کے درمیاں ہوگا ہلاک

شکرِ عیسیٰؑ کیجئے شکر خُدا　　آج دینِ حق کے ہم ہیں رہنما

بچ گئے ہم موسوی آزار سے　　باندھ لی ہم نے کمر زنّار سے

یہ ہے دورِ عیسوی اے صاحبو　　رازہائے دیں دل و جاں سے سنو

شاہ یہ کافر ہے اور ظالم بڑا　　دوست دشمن سے نہیں واقف ذرا

وہ نصاریٰ سے یونہی کہتا رہا　　دل میں لیکن شاہ کا گرویدہ تھا

شاہ سے بولا اِدھر ہاں صبر کر　　اِن کو جڑ سے ختم کردوں گا ٹھہر

جب بنا لیں گے مجھے وہ پیشوا　　سر جھکائیں گے سمجھ کر رہنما

جب طریقِ کار یہ ظاہر کیا　　شہ کے دِل سے دور اندیشہ ہوا

شاہ عامل اپنی باتوں پر رہا　　خلق حیراں تھی کہ ہے یہ راز کیا

برسر بزم اس کو رسوا کردیا　　تا کہ جانیں مرد و زن سب بر ملا

ہانکا اس کو پھر سوئے نصرانیاں　　اور کی تبلیغ اس نے بعد ازاں

دیکھا جب نصرانیوں نے اس کو زار　　اِس کی حالت پر ہوئے سب اشکبار

حالِ دنیا کا یہی ہے اے پسر　　کھیل ہے بغض و حسد کا سر بسر

وزیر کے پاس عیسائیوں کا جمع ہونا اور اس کا ان سے راز کہنا

سینکڑوں عیسائیاں اطراف سے
اس کے کوچے میں اکٹھا ہوگئے

وہ بیاں کرنے لگا در شکل راز
کیا ہیں انجیل اور زنّار و نماز

درمیاں اِن کے بیان اس کا فصیح
لب پہ تھے اقوال و افعالِ مسیحؑ

وہ بظاہر واعظِ احکام تھا
اور باطن میں صفیرِ دام تھا

بس اسی باعث صحابائے رسولؐ
کرتے تھے دریافت مکرِ نفسِ غول

کیوں مِلا دیتا ہے وہ خود غرضیاں
در کمالِ طاعت و اخلاصِ جاں

فضل کی اِن کو نہیں تھی آرزو
عیبِ باطن کی تھی ان کو جستجو

ڈھونڈتے تھے ذرّہ ذرّہ مکرِ نفس
جانتے تھے کیا ہے گُل کیا ہے کرفس

یہ حذیفہؓ سے حسنؒ نے پالیا
اِس سے ان کا وعظ روشن ہوگیا

نکتہ رس اصحابؓ بھی آخر وہاں
ہوتے تھے حیرت زدہ سن کر بیاں

ہوگئے نصرانی سب اس کے قریب
عالم تقلیدِ عامّہ ہے عجیب

دی جگہ سینوں میں اس کے واسطے
نائب عیسیٰؑ اِسے کہنے لگے

وہ چُھپا دجّال یک چشمی لعیں
اے خُدا فریاد رس نعم المعیں

صد ہزاراں دام و دانہ اے خُدا
ہم ہیں مرغانِ حریص و بے نوا

پھانستا ہے دمبدم اک تازہ دام
باز ہیں سیمرغ ہیں جوں ہم تمام

تو رہا کرتا ہے جب بھی دام سے
ہم قریب آتے ہیں دیگر دام کے

بورا بھر لیتے ہیں گندم سے سبھی
اور گم کر بیٹھتے ہیں آپ ہی

غور کرنے بیٹھتے ہیں جب کبھی
کھیل اسے چوہوں کا پاتے ہیں سبھی

چھید ہے بوروں میں چوہوں کے سبب
اِن سے غلّہ ہوگیا برباد سب

پہلے چوہوں کو یہاں کے دفع کر
بعد ازاں تو اپنی گندم جمع کر

سُن حدیثِ حضرت صدر الصدورؐ
قابل رد ہے نماز بے حضور

گر نہیں ہیں چوہے بورے میں نہاں / چہل سالہ گندمِ طاعت کہاں
صدق ہر روزہ کو ہوجاتا ہے کیا؟ / جمع کیوں ہوتا نہیں انبار سا
اڑ کے آتی ہیں بہت چنگاریاں / راہ دیتا ہے دل ان کو اپنے ہاں
پر اندھیرے میں کوئی دزدِ نہاں / ان پہ رکھ دیتا ہے اپنی اُنگلیاں
وہ بُجھا دیتا ہے ان کو یک بیک / تا رہے محروم اُجالے سے فلک
ہم پہ ہو جائے کرم تیرا اگر / ہو نہیں سکتا کبھی چوروں کا ڈر
دام گو ہوں گے ہزاروں ہر قدم / ساتھ تیرا ہو تو ہوگا کس کو غم
جوں رہا کرتا ہے شب کو تن سے جاں / تو اکھڑواتا ہے ساری تختیاں
شب کو تن سے جان ہوتی ہے رہا / ختم جھگڑا حاکم و محکوم کا
قید سے خود اہلِ زنداں بے خبر / سلطنت سے شب کو سُلطاں بے خبر
کس کو ہو اندیشۂ سود و زیاں / کون جانے یہ فلاں یا وہ فلاں
جاگتے عارف کی حالت بھی یہی / ہُم رُقُودٌ کی حقیقت بھی یہی
بے نیازِ حادثات روز و شب / اِن کا عالم جوں قلم در دستِ رب
جو نہ دیکھے ہاتھ کو وقت رقم / وہ سمجھتا ہے کہ لکھتا ہے قلم

مردِ عارف کی مثال اور آیۃ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا
''اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے'' کی تفسیر

حال عارف کا جو ظاہر کچھ کیا / نیند میں عالم یہی ہے خلق کا
دَشتِ بیچوں میں چلی جاتی ہے جاں / پاتے ہیں آرام جسم و جاں وہاں
پاک حرص مال کے آلام سے / جوں رہا طائرِ قفس سے دام سے
صبح لے آتی ہے اک زرّیں سپر / اور اُڑا دیتی ہے دزدِ شب کا سر
ہوتی ہے ہر جاں کو رغبت جسم کی / ہوتا ہے آباد ان سے جسم بھی
دام پھیلاتی ہے آوازِ صفیر / کرتے ہیں پھندے مصیبت کے اسیر

آشکارا ہوگیا نورِ سحر
ہوگیا سورج فلک پر جلوہ گر

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ اسرافیل وار
لا کے کر دیتا ہے سب کو آشکار

جسم میں بھرتا ہے روح منتشر
بارور کرتا ہے وہ ہر تن کو پھر

کھولتے ہیں زین اسپِ روح کی
نیند خواہر موت کا سِر ہے یہی

تاکہ واپس آئیں دن کو وہ سبھی
باندھ دی پاؤں میں اک رسی بڑی

کھینچ لائے تاز سوئے مرغزار
چونکہ کرنا ہے سحر کو زیرِ بار

جس طرح اصحابِ کہف وہ حفظِ روح
کاش حاصل ہو اِسے کشتیٔ نوحؑ

تا ازیں طوفانِ بیداری و ہوش
چھوٹ جائیں یہ ضمیر و چشم و گوش

ہیں بہت اصحابِ کہف اب بھی یہاں
تیرے بازو تیرے آگے اس زماں

دیکھ یارو غار سُن ان کا سرود
مہرِ چشم و گوش سے کیا اس کو سود

کیوں ہیں پھر روپوشیاں یہ غور کر
مُہر حق کیوں ہے یہ چشم و گوش پر

خلیفہ کا لیلیٰ سے سوال کرنا اور اس کا جواب

شہ نے پوچھا کیا وہ لیلیٰ ہے تو ہی
جس سے یہ مجنوں کی وحشت ہے سبھی

دوسروں سے حُسن میں افزوں نہیں
بولی بس خاموش 'تو مجنوں نہیں'

دیدۂ مجنوں جو پالیتا کہیں
دونوں عالم میرے ہوتے بالیقیں

تو ہے باخود قیس میں ہے بیخودی
راہ اُلفت میں ہے ہشیاری بُری

جو بھی ہے بیدار وہ ہے مستِ خواب
خواب سے بڑھ کر ہے بیداری خراب

سونے والے کو ہے بیداری بھلی
مستِ غفلت کو ہے ہشیاری بھلی

گر رہِ حق میں نہ ہو بیدار جاں
ایسی بیداری ہے بندھن کے سماں

جان کا آزار ہیں بیجا خیال
ہے سر سود و زیاں خوفِ زوال

اس میں پاکی ہے نہ کوئی لطف و فر
اور نہ سوئے آسماں راہِ سفر

سونے والا وہ ہے جس کو ہر خیال
دے کے امید یں رکھے وقفِ مقال

وہ خیال ایسا نہیں لائے جو حال ہے وبالِ جاں اسے اس کا خیال
دیو کو وہ خواب میں پاتا ہے حُور اور پا لیتا ہے شہوت کا سرور
خاک شورہ میں وہ دانہ ڈال کر بھول جاتا ہے سحر کو سر بسر
ضعف سر اس کے سبب اور تن پلید ہائے وہ نقشِ خیالی نا پدید
ہے فضا میں مرغ پراں اور ادھر دوڑتا ہے سایہ اس کا خاک پر
دوڑے احمق سایۂ کو کرنے شکار ہوگا آخر کار وہ ناکام و زار
بے خبر سایے کے پیچھے تھا رواں یہ نہ جانا اصل سایہ ہے کہاں
تیر سایے پر چلاکر چل دیا مفت خالی اپنا ترکش کرلیا
عمر کا ترکش سبھی خالی ہوا پڑ کے پیچھے سایے کے جل بھن گیا
سایۂ حق دایہ بن جائے اگر سایوں کی دُھن سے ملے اس کو مفر

رہنما ولی کی تابعداری کی ترغیب

بندۂ حق سایہ ہے اللہ کا سارا عالم مردہ بس زندہ خُدا
جلد بڑھ کر دامن اس کا تھام لے تاکہ عقبیٰ میں خلاصی پاسکے
کَیْفَ مَدَّ الظِّلْ وجودِ اولیاء وہ دلیلِ نور خورشید خُدا
اس سفر میں تجھ کو لازم ہے دلیل لا اُحِبُّ الا فِلِیْں کہہ جوں خلیلؑ
چھوڑ کر سایۂ کو پالے آفتاب شمسؒ تبریزی کا دامن لے شتاب
تُو نہیں آگاہ راہ جشن سے آ کہی جا تو حِسَام الدّیں سے لے
گر حسد تیرا دباتا ہے گلا ہے حسد میں درجۂ شیطاں بڑا
ہے حسد اس کو کہ ہے آدم سے ننگ ہے حسد وہ جو ہے نیکی سے بہ جنگ
راہ مشکل تر ہے اس سے بھی کہیں؟ بخت ور وہ ہے حسد جس میں نہیں
تن حسد کا گھر ہے ناداں سُن ذرا خانداں ہوگا حسد میں مبتلا
اس حسد سے خانماں ہوں گے خراب اور شاہی باز بھی ہوگا غراب

تھا جسد اپنا، حسد کا گھر سبھی
پاک کر ڈالا خُدا نے آپ ہی
مل گئی پاکی حُضورِ کبریا
اس میں تھے سب کبر کینہ اور ریا
طہّرا بیتی ہے ہے پاکی کا بیاں
گنجِ نوراسِ مشت گل میں ہے نہاں
بے حسد سے گر حسد کرنے لگے
اس حسد سے دل سیہ ہوکر رہے
تُو بھی ہو جا خاکِ پائے اولیاء
جا حسد کے سر پہ مٹی ڈال آ

یہودی وزیر کا حسد کرنے کے بیان میں

سر بسر پتلا حسد کا تھا وزیر
مفت ناک اور کان کھو بیٹھا وزیر
اس نے سمجھا ڈنک جب مارے گا وہ
زہر مسکینوں میں پھیلائے گا وہ
جو حسد سے ناک کو کٹوا لیا
خود کو بے گوش اور بے بینی کیا
ناک وہ جو سونگھ پائے بوئے یار
بو دکھاتی ہے نشان کوئے یار
وہ ہے بے بینی نہ آئے جس کو بو
اور بُو کہتے ہیں بُوئے دین کو
بو تو پائی شکر سے غافل رہا
کفرِ نعمت کرکے بے بینی ہوا
شکر کر اور شاکروں کا بن غلام
ان کے آگے مردہ بن کر پا دوام
رہزنی مثلِ وزیر اپنا نہ لے
بندگی سے خلق کو بھٹکا نہ دے

ماہر عیسائیوں کا وزیر کے مکر کو سمجھ لینا

ناصحِ دیں بن کے وہ کافر وزیر
حلوۂ بادام میں ڈالا ہے سیر[1]
با مذاقوں سے سنیں باتیں سبھی
تلخ و شیریں کی ملاوٹ جان لی
چٹکلے ہی چھوڑتے جاتا ہے وہ
ڈالے ہے گلقند میں وہ زہر کو
ہاں نہ کھا دھوکہ کہ باتیں ہیں بھلی
تہ بہ تہ موجود ہے ان میں بدی
جو کرے باتیں بُری وہ بد زباں
مردہ باتیں کرنے والا مردہ ہاں
پارۂ انساں ہے بات انسان کی
نان کا ٹکڑا ہے آخر نان ہی

1- سیر = لہسن

جاہلوں کی نقل فرمائے علیؑ — گندگی پر اُگ رہی ہو جوں ہری
ایسے سبزے پر اگر بیٹھے کوئی — اس کی کرسی ہے یقیناً گندگی
چاہیے اس کے لیے غُسلِ حدث — تا نہ ہو جائے نمازِ فرض عبث
ظاہر اس کا کہہ رہا ہے چست بن — اور اثر کہتا ہے جاں کو سُست بن
چاندی اجلی اور چمکیلی مگر — ہاتھ جامہ کالا اس کے مس سے پر
آگ بھی ہے دیکھنے میں سُرخ رو — دیکھ پر اس کی سیہ کاری کو تُو
دیکھنے میں نور ہے بجلی مگر — چھین لیتی ہے وہ آنکھوں سے نظر
با خبر جو لوگ تھے اِن کے سِوا — اس کی باتوں میں تھا اک پھندا بڑا
شاہ سے چھ سال تک جو دور تھا — وہ وزیر عیسائیوں کا مقتدا
ان کے دین اور دل پہ تھا وہ حکمراں — امرونہی پر اس کی دے دیتے وہ جاں

بادشاہ کا خفیہ پیغام وزیر کے نام

بادشہ کے ساتھ تھے جاری پیام — شاہ کو اچھے لگے سب اس کے کام
آخرش اِس قصد سے وہ بادشاہ — تا کہ رکھ دے کرکے اِن سب کو تباہ
ایک خط لکھوایا اپنے یار کو — وقت ہے کر دفع میرا درد تو
راہ تکتے ہیں دلِ و دیدہ مرے — وقت ہے آزاد کر غم سے مجھے
بولا شہ اب تک اسی کی دُھن میں ہوں — فتنے تا عیسیٰؑ کے دیں میں ڈال دوں
قومِ عیسیٰؑ میں ہیں اب بارہ امیر — ان کے ہاتھوں میں ہے اس کی دار و گیر
فرقے سارے مقتداؤں کے غلام — اور ہر فرقے کو ہے لالچ سے کام
قوم اور بارہ امیر اس کے تمام — اب وزیر بدسیر کے ہیں غلام
اعتماد ان کا ہے اس کی بات پر — چل دیے وہ لے گیا ان کو جدھر
بات پر قائم ہیں اس کی اس قدر — جان دے دیتا ہے گر بولے کہ مر
وہ یہودی سب کو قابو میں کیا — تیز دستی سے کیا فتنہ بپا

انجیل کے احکام میں وزیر کا گڑبڑ کرنا اور اس کی چالاکی

ہر کسی کے نام اک نامہ لکھا — اور ہر نامہ کا مسلک تھا جُدا
دفترِ احکام میں تھا اختلاف — سر بسر سب ایک دیگر کے خلاف
اک میں لکھا بس یہ فاقہ اور نماز — ساتھ توبہ او رجوع با صد نیاز
اک میں لکھا رنج سب بے فائدہ — ہے فقط جود و سخا اک راستہ
اک میں لکھا بھوک اور جود و سخا — درحقیقت شرک ہے ہے پیشِ خُدا
جُز تو کل اور تسلیم تمام — ہیں غم و راحت میں یہ سب مکرو دام
ایک میں طاعت ضروری لکھ دیا — وہ توکل کی نشانی لکھ دیا
لکھا شرحِ عجز ہیں امرونہی — یہ نہیں تعمیل کی خاطر کبھی
جب کہ اپنے عجز کو ہم جان لیں — ہوگا علم قدرتِ حق تب ہمیں
اک میں لکھا عجز اپنا ہے خطا — عجز کو احسان فراموشی کہا
دیکھ یہ قدرت ہے اس کی دی ہوئی — یہ ہے نعمت اور منعم ہے وہی
ایک میں لکھا کہ دونوں چھوڑ دے — بت وہی تیرا جو بھا جائے تجھے
ایک میں لکھا کہ جبرو اختیار — ختم ہوجائیں گے از خود ایک بار
خواہشِ نفسی میں ملّت پھنس گئی — قوم کو ہے باعث ذلت یہی
اک میں تھا شمع کو تُو گل نہ کر — روشن اس سے ہے جماعت کی نظر
جان لے جب کھو دیا فکر و خیال — نیم شب گل ہوگئی شمع وصال
لکھا دیگر میں بجھا دے ایک بار — ایک کے بدلے ملیں گے صد ہزار
ہے بُجھا دینے میں جاں کی بہتری — صبر سے مجنوں بنے لیلیٰ تری
زہدسے جس نے بھی دنیا چھوڑ دی — آئی دنیا بڑھ کے آگے اور بھی
اک میں لکھا حق نے جو تجھ کو دیا — آفرنیش میں ہے وہ لطف خدا
وہ تجھے آساں بھی ہے اور خوشگوار — مفت خود ہوجا نہ آفت کا شکار

اک میں لکھا ترک کر مال و منال
جو تجھے بھائے وہ ہے جاں کا وبال

مختلف رستے ہیں سب آسان ہے
ہر کسی کو دین اس کی جان ہے

سہل کرنا حق کا گر تھا راستہ
ہر یہود و گبر اس کو جانتا

اک میں لکھا ہے وہی آساں بجا
جو حیاتِ دل ہے اور جاں کی غذا

جو بھی اچھا ہے گذر جائے اگر
خاک شورہ سا رہے گا بے ثمر

اس کا حاصل جُز پشیمانی نہیں
اس میں نقصان کے سِوا کچھ بھی نہیں

اس سے کچھ حاصل نہیں انجامِ کار
ہوں گی اس میں مشکلیں پیدا ہزار

تو سمجھ آسان اور مشکل کا حال
اور بالآخر تو دیکھ ان کا مآل

اک میں لکھا کر تو مرشد کی طلب
عاقبت بینی کہاں ہے در حسب

عاقبت بیں جب کوئی ملّت ہوئی
لا محالہ لغزشوں میں گھر گئی

پھر کہا استاد اپنا خود تو ہی
خود تجھے پہچان ہے اُستاد کی

مرد بن راضی نہ ہو بیگار پر
کیوں پریشانی خود اپنی فکر کر

جو بھی ہو رکھ اپنی مرضی کا خیال
بس تردّد چھوڑ پائے گا وصال

پھر کہا جو کچھ ہے سب ہے ایک ہی
ہے دو بینی اک نشانِ احولی

پھر لکھا سو ایک ہوسکتے نہیں
یوں جو سوچے گا وہ پاگل ہے یقیں

عاقبت بینی نہیں ہے دستِ باف
ورنہ کیوں یہ مذہبوں میں اختلاف

اس کے سب اقوال ضد یک دگر
ایک کیوں ہوں گے بھلا زہر و شکر

فرق ادھر معنیٰ میں صورت میں ادھر
روز و شب جوں خار وگل سنگ و گہر

جب تلک گذرے نہ از زہر وشکر
بوئے وحدت سے نہ ہوگا بہرہ ور

ہے سبھی وحدت ہی وحدت مثنوی
جا زمیں سے تا فلک اے معنوی

اس بیان میں کہ رفتار کی صورت میں اختلاف ہے نہ کہ راستے کی حقیقت میں

بس یوں ہی بارہ خطوط اس طرح کے
دشمنِ دینِ مسیحی نے لکھے

اس نے یک رنگی کی بو پائی نہیں
حضرتِ عیسیٰؑ کی خُو پائی نہیں

جامۂ صد رنگ کو خم صفا
کر دیا یک رنگ مانند ِ ضیا

وہ نہیں یکرنگی ہو جس میں ملال
وہ مثال ماہی و آب زلال

خشکیوں کا جامہ رنگا رنگ ہے
مچھلیوں کی لیکن اس سے جنگ ہے

کون مچھلی کیا ہے دریا کی مثال
کب ہے ان جیسا خدائے ذوالجلال

بحر و ماہی ہیں ہزاروں اِس جگہ
وہ ہے اک بحر سخا یہ سب گدا

کس قدر برسا وہ بارانِ عطا
بحر بھی جس سے در افشاں بن گیا

کتنے خورشیدِ کرم کی ہے عطا
تا کہ سیکھیں بحر و بر جُود و سخا

کتنے خورشید کرم تاباں رہے
تا کہ وہ اک ذرّہ سرگرداں رہے

جب پڑا دھرتی پہ سایہ ذات کا
دانہ تب مٹی نے گودی میں لیا

خاک امیں اس کی کہ تُو نے کاشت کی
جو بھی بویا فصل پائی اس کی ہی

یہ امانت اس عنایت کا نشاں
جس سے سورج عدل کا ہے ضوفشاں

کب بدوں حکم خُدا آئی بہار
خاک سے سبزہ ہوا کب آشکار

جب کہ بے جاں کو سکھایا وہ سخی
یہ امانت ، یہ خبر، یہ رہ روی

جبکہ بے جانوں میں آجاتی ہے جاں
ڈر سے ہو جاتا ہے جاڑہ خود نہاں

لطفِ حق سے پاتے ہیں خوئے لطیف
کُلّ شیٔ مِّن ظَرِیفِ ھُوِ ظَرِیف

لطفِ حق کرتا ہے بے جاں کو خبیر
قہر سے اس کے ہیں عاقل بھی ضریر

جان و دل میں جوش کا یارا نہیں
کس سے بولوں جو سُنے ایسا نہیں

کان تھے جس کے وہ بینا ہوگیا
اور جو پتھر تھا ہیرا ہوگیا

کیمیا گر کے لیے کیا کیمیا
معجزہ بخشے تو پھر کیا سیمیا

ہے ثنا گوئی مری ترکِ ثنا / کہ ہے ہستی اور ہستی ہے خطا
نیست بہتر اس کے آگے یہ وجود / اپنی ہستی کیا ہے جُز کور و کبود
آنکھ اگر ہوتی پگھل جاتی تبھی / تابش خورشید کیا ہے جانتی
گر نہ ہوتی تعزیت سے وہ کبود / برف ہوجاتا نہ تھا جم کر وجود

اس مکروفریب میں وزیر کے خسارہ اٹھانے کا بیان

شہ سا ناداں اور غافل تھا وزیر / تھی خدا کے ساتھ اس کی دار و گیر
زندہ و قادر ہے سب کو ناگزیر / لایزال ولم یزل فرد و بصیر
قادر اتنا اک اشارہ گر کرے / بود ایسے سو جہانوں کو ملے
دم میں ایسے سو جہاں پیدا کرے / جب تری آنکھوں کو وہ بینا کرے
تیرے اندازے سے باہر ہے زمیں / اس کو اک ذرّے کے ہمسر بھی نہیں
یہ جہاں اک قید خانہ ہے ترا / چل ادھر میداں خُدا کا ہے بڑا
یہ جہاں محدود وہ ہے بیکراں / پیشِ معنی نقش اور صورت کہاں
نیزۂ فرعون لاکھوں ہوں تو کیا / توڑنے موسیٰؑ کا بس ایک ہی عصا
طبیں جالینوس کی لاکھوں سہی / اِک دم عیسیٰؑ کی کیوں ہو ہمسری
یوں تو لاکھوں دفترِ اشعار ہیں / پیشِ حرفِ امّی غرقِ عار ہیں
قادرِ مطلق خدا کے سامنے / گر نہیں خس اس کو مرنا چاہئے
دل پہاڑوں سے تھے اُس نے ڈھا دیے / مرغ زیرک پیر سے لٹکا دیے
فہم کی تیزی نہیں ہے کوئی راہ / عاجزوں کے واسطے ہے فضلِ شاہ
گنج گاؤ جوڑنے والے بڑے / عقل والوں کو تمسخر بن گئے
بیل کیا ہے؟ بیل کی داڑہی نہ بن / خاک کیا ہے؟ اس پہ ہریالی نہ بن
سیم و زر کیا ہے جو تو مفتوں رہے / حُسنِ صورت کیا ہے جو مجنون بنے
یہ محل یہ باغ ہیں زنداں ترے / ملک و دولت ہیں عذابِ جاں ترے

چہرہ جن کا مسخ حق نے کر دیا ۔۔۔ کب نشاں پہچان کا ان کی رہا
بدعمل سے زرد رو اک زن جو تھی ۔۔۔ مسخ اُسے حق نے کیا زہرہ بنی
زن جو زہرہ بن گئی وہ مسخ تھا ۔۔۔ مٹی گر کیچڑ بنے وہ مسخ کیا
پرکشا ہے روح سوئے عرشِ بریں ۔۔۔ سوئے آب و گل تو جائے اسفلیں
پست بن کر مسخ خود کو کرلیا ۔۔۔ گرچہ تجھ پر نوریوں کو رشک تھا
اس سے بڑھ کر مسخ ہو جانا ہے کیا ۔۔۔ مسخ یہ اس مسخ سے بھی ہے بڑا
اسپ ہمت لے چلا سوئے فلک ۔۔۔ کیا ہے آدم یہ نہ جانا اب تلک
آخر آدم زادہ ہے اے ناخلف ۔۔۔ کب تلک پستی کو سمجھے گا شرف
کب تلک یہ حرصِ تسخیر جہاں ۔۔۔ تو ہی کیا بس جائے گا تنہا یہاں
برف ہی سے یہ جہاں بھر جائے گر ۔۔۔ اک نظر سورج جو ڈالے وہ کدھر
کیا وزیر اور بوجھ ویسے سو ہزار ۔۔۔ پھونک سکتا ہے خُدا کا ایک شرار
جو خیال اس کا ہو وہ حکمت بنے ۔۔۔ ہے اگر زہر آب وہ شربت بنے
گنج کو کھنڈروں میں کرتا ہے نہاں ۔۔۔ خار کو گل جسم کو کرتا ہے جاں
وہم سے پیدا کرے گا وہ یقیں ۔۔۔ مہر پیدا ہو جو کینہ ہو کہیں
پالے آتش میں وہ ابراہیمؑ کو ۔۔۔ روح کی راحت بنائے بیم کو
اس سبب سازی سے میں سو دائی ہوں ۔۔۔ اس سبب سوزی سے سو فسطائی ہوں
اس سبب سازی سے سرگرداں ہوں میں ۔۔۔ اس سبب سوزی سے بس حیراں ہوں میں

وزیر کا مکر کر کے تنہائی میں بیٹھنا اور قوم میں شورش پیدا کرنا

جب وزیر پُرفن بد اعتقاد ۔۔۔ دینِ عیسیٰؑ میں کیا برپا فساد
مکرِ دیگر کو کیا پھر اختیار ۔۔۔ وعظ چھوڑا ہوگیا خلوت شعار
چاہنے والوں کو کرکے نذر سوز ۔۔۔ رہ گیا خلوت میں وہ چالیس روز
خلق سب دیوانہ اس کے شوق میں ۔۔۔ اس کی فرقت اس کے حال و ذوق میں

لابہ و زاری تھے سب بے فائدہ / وہ ریاضت سے تھا خلوت میں دوتا
بولے سب تیرے بنا بے نور ہم / بے عصا کش ہیں مثالِ کور ہم
تو براہِ لطف و از بہر خُدا / اک گھڑی بھر بھی نہ رکھ ہم کو جُدا
ہیں سبھی بچے بجا تو دایہ ہے / سر پہ ہم کو چاہیئے سایہ ترا
بولا تم سے دور میری جاں نہیں / باہر آؤں کس طرح فرماں نہیں
پھر امیر آئے سفارش کے لیے / اور مریداں عاجزی کرنے لگے
بد نصیبی ہے ہماری اے کریم / دین و دل اپنے بِنا تیرے یتیم
تو بہانے کر ہمیں کھاتا ہے درد / سوز دل سے بھر رہے ہیں آہ سرد
آہ وہ لذّت تری گفتار کی / شیرِ حکمت پر مدارِ زندگی
اللہ اللہ یہ جفا اصلانہ کر / کر کرم اب وعدۂ فردا نہ کر
کیوں اجازت دے گا قلبِ با وداد / تیرے دیوانے رہیں تا نامراد
ہیں سبھی خشکی میں ماہی سے تپاں / بند ڈھاکر بھیج دے آبِ رواں
ساری دنیا میں ترا ثانی نہیں / داد لے از بہر رُبُّ العالمیں

وزیر کا اپنے مریدوں اور متبعین کو دفع کرنا

بولا اے پابند گانِ گفتگو / وعظ و گفتار و زبان و گوش جو
اب ذرا کانوں میں روئی ٹھونس لو / اپنی آنکھوں سے تماشہ چھوڑ دو
گوشِ باطن کو ہے روئی گوشِ سر / ہوں گے بہرے گوشِ باطن ہو جو کر
ترک کردو فکر وحِس بہرے نبو / تا خطاب اُرجِعِی تم سن سکو
جب تلک ہے گفتگوئے ظاہری / تم نہ سن پاؤ گے باتیں خواب کی
قول و فعل اپنے ہیں سیر ظاہری / آسمانوں پر ہے سیر باطنی
حس نے دیکھی خشکی میں جنم / موسیٰ جاں کے ہیں دریا میں قدم
سیر تن کی تالب ساحل رہی / ڈوب کر دریا کے اندر جاں چلی

چونکہ ساری عمر خشکی میں کٹی
بن میں صحرا میں پہاڑوں میں کبھی

آبِ حیواں کو کہاں پائے گا تو
چیرنے دریا کہاں جائے گا تو

فہم و وہم و فکر اڑنا خاک کا
موجِ آبی محویّت سکر و فنا

ہوگا اس مستی میں اِس مستی سے دور
ہوگی یہ مستی تو ہو اس سے نفور

گفتگوئے ظاہری ہے جوں غبار
بند رکھ اپنی زباں کو ہوشیار

مریدوں کا مکرر عرض کرنا کہ خلوت چھوڑ دے

بولے اس کو اے حکیم رخنہ جو
یہ فریب و ظلم کیا کہتا ہے تُو

ہم ترے بندے ہیں دھوکہ کب تلک
بے دل و بے جاں ہیں غصّہ کب تلک

تو نے اول ہی سے جب اپنا لیا
اس کو رہنے دے یونہی تا انتہا

جانتا ہے ضعف و عجز و احتیاج
خود تجھے معلوم ہے اپنا علاج

ان کے قابل بوجھ چوپایوں پہ ڈال
کام میں رکھ تو ضعیفوں کا خیال

مرغ جیسا اس کی ویسی ہی غذا
ہر کوئی انجیر کیونکر کھائے گا

دودھ کے بدلے جودیں بچّے کوناں
لے رہیں گے مفت بیچارے کی جاں

دیر دانت آنے کی ہے بس بعد ازاں
خود بخود ہوجائے گا جو یائے ناں

پر سے پہلے مرغ گر اڑنے لگے
گربۂ دراں کا لقمہ ہو رہے

آئیں گے جب پر وہ خود اُڑنے لگے
کیوں بھلا ترغیب کی حاجت اسے

چپ کرے تو بات سے شیطان کو
ہوش میں لائے ہمارے کان کو

ہم سراپا گوش جب تک تُو کہے
خشک تیرے بحر سے دریا بنے

تیرے ہوتے خاک رشک آسماں
نُور سے تیرے ہیں روشن دو جہاں

بن ترے افلاک پر تاریکیاں
تیرے ہوتے کیوں اندھیرا ہو جہاں

رات بھی روشن ہے تیرے روبرو
تیرے بن تاریک پائیں روز کو

تیرے ہوتے ہم کو سبقت چرخ پر
بن ترے ہم چرخ پر بھی پست تر

ظاہری رفعت نصیبِ آسماں
رفعت معنیٰ نصیب پاک جاں
گو بظاہر عزت اندام ہے
پیش معنیٰ جسم صرف اک نام ہے
ڈال اللہ ہم پہ اپنی اک نظر
بڑھ گیا غم یاس کے مارے نہ کر

وزیر کا جواب دینا کہ میں تنہائی نہ چھوڑوں گا

بند کردو حجتیں اپنی تمام
دو مری باتوں کو دو دل میں مقام
مان لو میری اگر میں ہوں امین
آسماں کو بھی اگر بولوں زمیں
گر ہوں کاملِ جرأت انکار کیوں
ورنہ پھر یہ زحمت و آزار کیوں
باہر آسکتا نہیں میں کیا کروں
باطنی احوال میں مشغول ہوں

وزیر کی خلوت کے متعلق مریدوں کا دوبارہ خوشامد کرنا

بولے ہم کو اس سے کب انکار ہے
یہ بھلا کب گفتۂ اغیار ہے
ہجر میں ہیں اشک آنکھوں سے رواں
جان بھی ہے درد سے نالہ کناں
طفل اپنی دایہ سے لڑتا نہیں
رو رہا ہے نیک و بد جانا نہیں
ہم میں گویا چنگ تو مضراب ہے
تُو ہی گریاں آنکھ بھی پُر آب ہے
ہم ہیں گویا بانسری تو ہے نوا
کوہ کے مانند ہم تیری صدا
ہار کیسی جیت کیا شطرنج کی
اپنی ہار اور جیت تجھ سے ہے سبھی
ہم ہیں کیا جب تُو ہے ہم کو جانِ جاں
تیرے ہوتے ہم رہیں کیوں درمیاں
ہم عدم ہستی ہماری ہے فنا
تو وجودِ مطلق و فانی نما
ہم سبھی ہیں شیر پر شیرِ علم
زور اپنا زورِ باد دم بہ دم
حملہ ہے ظاہر ہوا ظاہر نہیں
جو نہاں ہے گم نہ ہوجائے کہیں
باد و بود اپنی سبھی تیرا کرم
ہیں تیری ایجاد ہستی ہو کہ ہم
نیست کو دی تو نے ہستی کی نمود
اور کیا پروانۂ شمعِ وجود
لذتِ انعام کو واپس نہ لے
نقل و خمر و جام کو واپس نہ لے

لوٹ کر انعام وہ لے لے اگر
کیا چلے گی نقش کی نقاش پر

دیکھ مت ہم کو ، نہ کر ہم پرنظر
ہو نظر اکرام و اپنے جود پر

ہم نہ تھے اپنی طلب کوئی نہ تھی
تیری رحمت ان کہی سنتی رہی

نقش یوں ہے پیش نقاشِ و قلم
جس طرح اک طفل بے بس در شکم

پیش قدرت خلق جملہ بارگہ
پیش سوزن جیسے عاجز کارگہ

گاہ نقشِ دیو گہ آدم کرے
گاہ نقش جشن گاہے غم کرے

روکنے اک ہاتھ بھی ہلتا نہیں
نفع ہو نقصان اُف کرتا نہیں

پڑھ ذرا قرآن میں تفسیر بیت
قولِ حق ہے مَارَمَیتَ اذِ رَمیْت

تیر پھینکا پھینکتے ہیں ہم کہاں
حق ہے تیر انداز ہم اس کو کماں

جبر کیسا شرح جبّاری ہے یہ
ذکرِ جبّاری پئے زاری ہے یہ

اپنی زاری ہے دلیلِ اضطرار
خجلت اپنی ہے دلیلِ اختیار

گر نہ ہوتا اپنے حق میں اختیار
کیوں دریغ اور کس لیے ہم شرمسار

کس لیے استاد بچوں پر خفا
کیوں پریشانی یہ تدبیریں ہیں کیا

گر کہے غافل ہے انساں جبر سے
ماہ حق کا اس کو ڈھانپے ابر سے

اس کا حل بھی خوب ہے گر تو سُنے
کفر سے باز آئے دیں پر جم رہے

ہے مرض میں حسرت و زاری سبھی
وقتِ بیماری ہے بیداری سبھی

اس گھڑی جب ہوگیا بیمار تو
جرم سے کرتا ہے استغفار تو

تجھ پہ کھل جائے گی سب زشتی تری
تجھ کو رغبت ہوگی راہ راست کی

عہد و پیماں باندھ لے گا تو وہیں
غیر طاعت مجھ سے کچھ ہوگا نہیں

پس یقیں کرلے مرض کا ہے صلہ
ہوش بیداری تجھے اس کی عطا

یہ حقیقت جان لے اے اصل جو
درد مندوں کو ہے حاصل اس کی بُو

جتنی بیداری ہے اتنا درد بھی
علم جتنا ہے رُخ اتنا زرد بھی

جبر کا قائل ہے گر زاری کہاں
جنبشِ زنجیر جبّاری کہاں

جو ہے زنجیری سخی ہوگا کہیں؟ — چوب اشکستہ ستوں بنتی نہیں
کوئی قیدی ہو تو آزادی کہاں — مبتلا کو رخصتِ شادی کہاں
تُو اگر ہے واقفِ زنجیرِ پا — ہے مسلّط سر پہ افسر شاہ کا
عاجزوں پہ خود مسلط ہو نہ جا — یہ نہیں ہے عاجزوں کا راستہ
گر نہیں ہے جبر چھوڑ اس کا بیاں — ہاں اگر دیکھا ہے بول اس کا نشاں
مشغلہ وہ جس میں ہو میلانِ جاں — اپنا جوہر اس میں پائے گا عیاں
کام جو ہوگا طبیعت کے خلاف — اس میں تو جبری وہ حکم حق ہے صاف
انبیاء جبری ہیں درکارِ جہاں — کار عقبیٰ میں ہیں جبری کافراں
کارِ عقبیٰ انبیا کا اختیار — کارِ دنیا کافروں کا اختیار
ہر پرندہ جنس کی جانب رواں — وہ ہے پیچھے آگے آگے اس کی جاں
چونکہ جنس کافراں ہے دوزخی — قید ہستی ان کے حق میں ہے بھلی
جنسِ علّیین ہیں چونکہ انبیاؑ — سوئے علّیین ہے رغبت صدا
اے خُدا جاں کو عطا کردہ مقام — ہے جہاں آزاد حرفوں سے کلام
اس سخن کی حد نہیں ہے اس لیے — آ سناؤں پھر میں وہ قصّہ تجھے

وزیر کا مریدوں کو تنہائی چھوڑنے سے ناامید کرنا

اس نے خلوت خانے سے آواز دی — اے مریدو! بس میں کہتا ہوں یہی
میرے حق میں حکمِ عیسیٰؑ ہے یہی — تا رہوں میں دوستوں سے دور ہی
رخ سوئے دیوار تنہا بیٹھ جا — آپ اپنے سے بھی ہو جا تو جدا
بعد اس کے گفتگو ہے ناروا — اب بھلا گفتار سے کیا فائدہ
رخصت اے یارو میں ہوں مردہ ادھر — اب چہارم آسماں کا ہے سفر
اب میں زیرِ چرخِ ناری کیا کروں — بن کے ایندھن کس لیے جلتا رہوں
قربتِ عیسیٰؑ کا موقع پاؤں گا — اب چہارم آسماں پر جاؤں گا

وزیر کا ہر سردار کو علاحدہ علاحدہ ولی عہد بنانا

پھر امیروں سے کہا آئے یہیں
سب سے باتیں اس نے تنہائی میں کیں

بولا اِن سے بہر دینِ عیسوی
حق کا نائب ، جانشیں میرا تو ہی

تُو ہی قائد تیرے تابع ہیں سبھی
حکمِ عیسیٰؑ ہوگی تیری پیروی

سر کشی پر آئے گر کوئی امیر
قتل کر دے یا اسے کرلے اسیر

جب تلک زندہ ہوں خاموشی بھلی
نہ مروں جب تک ریاست ہے مری

میرے مرنے تک اسے ظاہر نہ کر
غلبہ و شاہی سے دوری خوب تر

لے یہ ہے طومار احکام مسیح
قوم کو پڑھ کر سُنا دینا فصیح

یوں ہی تنہا کرکے ہر اک سے کہا
صرف تُو ہے نائب دینِ خُدا

ہر کسی کو وہ معزز کہہ دیا
جو کہا اس سے وہی اس سے کہا

دے دیا طومار سب کو بول کر
کر دیا ان سب کو ضد یک دگر

متن ہر طومار کا تھا مختلف
مختلف صورت میں جوں با تا الف

حکم اس طومار کا اس سے جُدا
اختلاف اِن کا بیان پہلے ہوا

ایک برعکسِ دگر تھا سر بسر
ہوچکی تفصیل اس کی اے پسر

مریدوں سے تنہائی میں وزیر کا اپنے آپ کو مار ڈالنا

بعد ازاں چالیس دن در بند تھا
خودکشی کرلی تو چھٹکارا ملا

جب خبر مرنے کی لوگوں کو ملی
اس کی تربت پر قیامت ہوگئی

آئے اُس کی قبر پر بہتیرے لوگ
کر رہے تھے پھاڑ کر کپڑے وہ سوگ

کیا خبر گنتی میں کتنے تھے وہ سب
تھے سبھی ترکی و رومی و عرب

اپنے سر پر اس کی مٹی ڈال لی
بن گئی ان کی دوا نوحہ گری

تھے مہینہ بھر سب اس کی قبر پر
خون کے آنسو تھے نذر ان کی ادھر

اس کی فرقت میں رہے نالہ کناں
بادشاہاں و کسان و نا کساں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کا معلوم کرنا کہ تم میں ولی عہد کون ہے

بعد اک ماہ مسئلہ پیدا ہوا
کون نائب ہوگا پُر کرنے جگہ
تا اسے اس کی جگہ کرلیں امام
تا کہ پورا کر سکیں ہم اپنا کام
ہم سب اس کے حکم پر عامل رہیں
دست و داماں اس کے بڑھ کر تھام لیں
دے گیا ہے ڈوب کر سورج تو داغ
چاہیئے اس کے بدل کوئی چراغ
ہوگیا غائب نظر سے روئے یار
چاہیئے نائب برائے یادگار
گل گیا اور ہوگیا گلشن خراب
چاہیئے خوشبو کی خاطر اب گلاب
چونکہ ذاتِ حق ہے آنکھوں سے نہاں
نائب حق ہوتے ہیں پیغمبراں
ہے غلط نائب کہوں میں یا منوب
ان کو دو کہنا نہیں ہر حال خوب
جائیں گر صورت پہ دونوں ہیں جُدا
ایک ہیں گر ہوں گے صورت سے رہا
گرچہ ظاہر میں دو آنکھیں ہیں مگر
ایک ہی ہوتی ہے دونوں کی نظر
ہم نظر ڈالیں کسی شئے پر اگر
دو نہیں بس ایک ہی آئے نظر
دو طرح کیوں ہو دو آنکھوں کی نظر
کیونکہ پڑتی ہیں نگاہیں نور پر

اس بیان میں کہ سب پیغمبر برحق ہیں اور ہم کسی میں تفرق نہیں کر سکتے

دس چراغ اک گھر میں لا رکھیں اگر
پائیں گے ہر ایک کی صورت دگر
فرقِ نُور ان میں نہ پائے گا ذرا
کوئی دیکھے بھی اگر ان کو جُدا
لے کے تو قرآن سے معنیٰ بتا
ایک ہیں اپنے لیے کُل انبیاؑ
سیب لے سو ساتھ لے لے سو بہی
رس نچوڑے گا تو ہوں سب ایک ہی
قسمت و اعداد معنیٰ میں نہیں
تجزیہ افراد معنیٰ میں نہیں
اتحادِ یار یاروں سے بجا
صورتیں سرکش ہیں معنیٰ ڈھونڈ جا
صورت سرکش ریاضت سے مٹا
تہ میں اس کی گنجِ وحدت پائے گا

تو نہ پگھلائے تو مولائے جہاں — اس کو پگھلائے گا اے دلِ بے گماں
دل میں ہوگئی اس کے جلووں کی نمود — وہ فقیروں کی قباسی دے گا زود
منبسط ہم ایک جوہر تھے مگر — بے سروپا اپنی ہستی سر بسر
اک گہر تھے ہم سبھی جوں آفتاب — بے کدورت صاف تھے مانندِ آب
شکل میں جب ڈھل گیا نورِ سرہ — کنگروں کی طرح گنوایا گیا
توپ سے ان کنگروں کو توڑ دو — پھر سبھوں کو ایک کرکے چھوڑ دو

اس بیان میں کہ انبیاء علیہم السلام نے کہا ہے تُكَلِّمُوا النَّاسَ عَلىٰ قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ "لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو"اس لیے کہ جس کو وہ نہ سمجھیں گے انکار کردیں گے اور ان کا نقصان ہوگا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو ان کے مرتبوں پہ رکھیں"

شرح اس کی فاش کر دیتا بیاں — ڈر ہے لغزش کھا نہ جائے دل یہاں
کتنے نکتے اس میں تیغ تیز سے — بے سپر ہوگا تو اپنی راہ لے
بے سپر اس تیغ کے آگے نہ آ — کاٹنے سے تیغ ہٹتی ہے بھلا؟
کر دیا تلوار کو اندر غلاف — تا نہ پڑھ لے اس کو کوئی برخلاف
ختم ہم کرنے پہ آئے داستاں — یہ تھا سچوں کی رفاقت کا بیاں
بعد اس کے پیشوا سب اُٹھ کھڑے — چاہا ہر اک اس کی جا نائب بنے

سرداروں کا ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا

ان امیروں سے امیر آگے بڑھا — ان وفاکیشوں کے جھرمٹ میں گیا
بولا ہے اس کی نیابت حق مرا — نائبِ عیسیٰ ہو ں میں اس دور کا
یہ صحیفہ اس پہ حجت ہے مری — میرا حصہ ہے نیابت قوم کی

بڑھ کے سردار دگر آیا تبھی
دعویٰ درباب خلافت تھا وہی

اک صحیفہ وہ بھی دکھلانے لگا
آخرش دونوں کو غصہ آگیا

پھر امیروں نے بنالی اک قطار
ہاتھ میں سب کے تھی تیغِ آبدار

تیغ اور طومار سب کے ہاتھ تھے
جیسے فیلِ مست اڑ کر کھڑ گئے

ایک لشکر ہر کسی کی پشت پر
ننگی تلواریں جدھر دیکھو اُدھر

لاکھوں عیسائی وہاں مارے گئے
اور سروں کے ڈھیر تھے ہر سو لگے

بہہ رہا تھا دائیں بائیں سب لہو
گرد مثلِ کہ ہوا میں چار سو

بیج فتنوں کے جواس نے بوئے تھے
اک مصیبت بن گئے اُن کے لیے

ٹوٹے وہ اخروٹ جن میں مغز تھا
بعد مردن اک مقام نغز تھا

تن سے مرنے مارنے کا واسطہ
توڑنا گویا انار و اخروٹ کا

جو تھا شیریں اس کا رس کتنا لطیف
تھا سڑے میں کیا جُز آوازِ خفیف

جو بھی تھا پُر مغز وہ جوں مشک پاک
جو سڑا ہو اس میں کیا ہے غیر خاک

جو ہے با معنیٰ وہ آگے آئے گا
اور رسوائی صلہ بے معنیٰ کا

جا کے معنیٰ ڈھونڈ اے صورت نگر
جسم کے حق میں ہیں معنیٰ جیسے پر

اہلِ معنیٰ کی تو خدمت کر ذرا
صاحب ہمت بنے پائے عطا

جان بے معنیٰ بدن میں بے خلاف
کاٹ کی تلوار جوں زیرِ غلاف

میان میں تھی جب تلک تلوار تھی
آئی جب باہر وہ ایندھن ہوگئی

تیغ لکڑی کی لیے لڑنے نہ جا
دیکھ لے پہلے ہی دھوکے میں نہ آ

گر ہے لکڑی کی دگر تلوار لے
تیز اگر ہے جا تو لڑنے کے لیے

صرف اہل اللہ کے ہاں شمشیر ہے
اولیاء کی دید خود اکسیر ہے

ہے یہی سب عقل والوں کا بیاں
رحمت للعالمیں ہیں عاقلاں

تجھ کو لینا ہو تو لے خنداں انار
اس کے کھلنے سے ہیں دانے آشکار

مرحبا خندہ کہ ہے منہ سے عیاں
جوں نمودِ دُرّ دل از درجِ جاں

خندۂ لالہ نحوست کا نشاں | کیونکہ ہے داغ سیاہِ دلِ عیاں
خندہ بخشے باغ کو خنداں انار | مَرد مردوں میں ترا ہوگا شمار
لمحہ بھر بھی ہو جو صحبتِ اولیاء | ہوگی سو سالہ عبادت سے سوا
سنگ خارا یا تو مرمر ہی رہے | اہل دلِ کے پاس رہ گوہر بنے
دل میں نیکوں کی محبت کو بسا | خوش دلوں کو وقف کر دے اپنی جا
رکھ اُمیدیں سوئے نو میدی نہ جا | روشنی سے سوئے تاریکی نہ جا
کھینچتا ہے اہل دل کی سمتِ دل | جسم لے جاتا ہے سوئے آب و گل
لے کے اہل دل سے دے دل کو غذا | خوش نصیبوں سے نصیب اپنے بنا
دست زن در ذیل صاحب دولتے | تاز افضائش بیابی رفعتے
صحبت اچھوں کی جو ہو، اچھا بنے | بد گہر سے میل بد گوہر کرے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی تعریف جو انجیل میں تھی

زینت اِنجیل نعت مصطفےٰ | آپؐ سردارِ رُسل بحر صفا
اس میں ذکر صورت و حلیہ تمام | سب بیانِ غزوہ و صوم و طعام
تھے وہ عیسائی بھی جو بہر ثواب | دیکھتے جب آپؐ کے نام و خطاب
چوم لیتے پڑھ کے وہ نام شریفؐ | منہ بھی رکھتے دیکھ کر وصفِ لطیف
اس لڑائی میں بیاں جس کا ہوا | بایقیں محفوظ فتنوں سے رہا
تھے وزیر اوراس کے سرداروں سے دور | در پناہِ نام پاک آنحضورؐ
ہوگئی نسل ان کی بڑھ کر بے شمار | نور احمدؐ ان کا حامی ان کا یار
قوم عیسیٰؑ میں جماعت دوسری | کرتی تھی اس نام کی بے حرمتی
رہ گئے آخر وہ ہوکر خوار و زار | تھے وزیر فتنہ ساماں کے شکار
پھنس کے ذلت میں رہے ہیں وہ فریق | ہوگئے محروم آداب و طریق
دین و احکام ان کے سب زیر و زبر | کج بیاں طومار ان کے سر بسر

نامِ احمدؐ کی ہے برکت یہ اگر ... نُور کی ہوگی حمایت کس قدر
نامِ احمدؐ میں یہ قُوّت ہے اگر ... ہوگی کیسی ذاتِ اقدسؐ غور کر

ایک اور یہودی بادشاہ کی حکایت جس نے دینِ عیسوی کو برباد کرنے کی کوشش کی

بعد خونریزیِ درماں ناپذیر ... فتنہ جو تھا باعثِ مکرِ وزیر
پھر یہودی شہ مسلط ہوگیا ... دینِ عیسیٰؑ کا وہ دشمن ہو رہا
جاننا چاہے اگر تو یہ خروج ... کر تلاوت وَ السَّماءَ ذَاتِ الْبرُوج
راہ بد جو اُس شہ اوّل نے لی ... پیروی اس کی شہ دیگر نے کی
جس نے بھی سنت بدی کی ڈال دی ... ہوتی ہے پھٹکار اُس پہ ہر گھڑی
کیونکہ جو کوئی ستم ایسے کرے ... بازِ پرس اللہ پہلوں سے کرے
چل بسے نیک اُن کی سنت رہ گئی ... اور گئے بدکار لعنت رہ گئی
جو بُرے آئیں قیامت تک یہاں ... اُن کا قبلہ بن گئے وہ بد نشاں
ان کی رگ رگ آبِ شیریں آبِ شور ... ہوگا جاری تاز مان بانگِ صُور
نیک لوگوں کو میسر ہے خوش آب ... کیا ہے ورثہ ان کا اور ثنا الکتاب
ہے نیاز طالباں کیا ، بس وہی ... شعلہ ہائے گوہر پیغمبری
ہیں گہر کے ساتھ شعلے بھی رواں ... ہیں وہیں شعلے بھی گوہر ہیں جہاں
نور روزن گھر میں ہے جیسے رواں ... یوں ہی سورج بھی ہے برجوں میں دواں
جس ستارے سے ہے جس کو واسطہ ... وہ چلا ہے اس کے پیچھے دوڑتا
جس کا طالع زہرہ ہو وہ با طرب ... آرزو اس کی سدا عشقِ طلب
ہو اگر مریخ تو خونریز خو ... اس کا خاصہ دشمنی ، بہتان ، لہو
ہیں ستارے ان سے بڑھ کر اور بھی ... جو ہیں جلنے اور نحوست سے بری
وہ ہیں دیگر آسمانوں میں رواں ... ہیں و رائے ہفت بھی کئی آسماں

راسخاں در نورِ انوارِ خدا
اس سے پیوستہ نہ کچھ اس سے جُدا
جس کا طالع ان ستاروں سے رہا
خاتمہ کر دے گا وہ کفّار کا
خشم مریخی سے وہ بیگانہ خو
منکسر وہ غالب و مغلوب جُو
نورِ غالب کو گہن کا ڈر کہاں
وہ ہے حق کی اُنگلیوں کے درمیاں
نور پاشی حق کرے ارواح پر
دامن اپنا پُر کرے ہر بخت ور
جس کسی کو نور سے حصہ ملا
غیر حق سے احتراز اس نے کیا
عشق کا دامن جسے حاصل نہ تھا
نور کی بارش میں بھی خالی رہا
جزو کا رحجان سوئے کُل رہا
بلبلوں کو عشق روئے گل رہا
رنگ باہر بیل کا اور مرد کا
اندروں لال اور پیلا پائے گا
رنگ نیکاں شاہدِ قلبِ صفا
اور بروں کا رنگ باطن ہے بُرا
رنگ ہے اللہ کا رنگِ لطیف
لعنت اللہ حاصل رنگ کثیف
پانی دریا کا تھا دریا کو چلا
آیا جس جا سے اسی جا چل دیا
سیل ہے کہسار کی جو تیز رو
تن سے اپنے جاں کی عشق آمیز رو

بادشاہ کا آگ جلانا اور آگ کے پاس بت رکھنا کہ جو بت کو سجدہ کرے گا وہ آگ سے نجات پائے گا

دیکھ جو کتّے یہودی نے کیا
پہلوئے آتش میں اک بت رکھ دیا
جو کرے اُس بُت کو سجدہ بچ رہے
اور مُنکر آگ میں ایندھن بنے
نفس کو اپنے سزا اُس نے نہ دی
اس سے افزائش دیگر بُت کی ہوئی
ماں بتوں کی خود تمھارا نفس تھا
سانپ وہ بت اور یہ بُت اژدھا
سنگ و آہن نفس بت جیسے شرار
اور پانی سے شرر پائے قرار
لوہا پتھر پانی سے تھمتے نہیں
ان سے بچ کر رہ سکا انساں کہیں؟
سنگ و آہن میں ہے پوشیدہ شرر
اور پانی کا نہیں ان میں گذر

آگ باہر کی بجھا سکتا ہے پر
پانی لوہے میں اترتا ہے کدھر

اصل سے ہیں سنگ و آہن نارو دُود
قطرے ان کے کافر و ترسا یہود

بُت ہے کیچڑ جو ہے کوزے میں نہاں
چشمہ کیچڑ کا ہے نفس اپنے یہاں

وہ تراشیدہ صنم سیلِ سیاہ
نفس بت گر چشمہ نزد شاہراہ

وہ بُتِ کوزہ ہے چوں آب کدر
نفسِ بد ہے اِس کا چشمہ اے مُصر

سو گھڑے توڑے گا وہ اک پارہ سنگ
پانی چشمہ کا بہائے بے درنگ

کوزہ ٹوٹا ، آبِ کوزہ بہہ گیا
جوں کا توں چشمہ کا پانی رہ گیا

ہاں بتوں کو توڑ دینا سہل ہے
نفس کو آساں سمجھنا جہل ہے

نفس کیا ہے جاننا چاہے اگر
سات دروازوں کا دوزخ دیکھ ادھر

ہر گھڑی اک مکر اور اِس مکر سے
غرق صد فرعون و لشکر ہو رہے

بھاگ موسیٰؑ سے خدا کو چھوڑ پر
اپنے اِیماں کو تو شرمندہ نہ کر

جا اَحَد ،احمدؐ سے ہو جا تو قریب
ہو رہا بوجہل تن سے اے حبیب

یہودی بادشاہ کا ایک عورت کو مع بچہ کے لانا اور اس بچہ کو آگ میں ڈالنا اور آگ میں سے بچہ کا بولنا

اس جگہ لائے گئے اک طفل وزن
بت کے پہلو میں تھی آتش شعار زن

بولا اے زن بت کے آگے سجدہ کر
ورنہ انگاروں میں جلنا ہے اِدھر

چونکہ زن تھی پاک دیں اور مومنہ
منکرِ سجدہ ہوئی وہ موقنہ

آگ میں بچّے جو پھینکا چھین کر
ہوگیا ایماں پہ غالب اس کا ڈر

جھک رہی تھی سجدہ کرنے بت کو ماں
بولا بچہ ماں میں زندہ ہوں یہاں

اندر آ جا ماں کہ میں خوش ہوں یہاں
گو لپکتی آگ کے ہوں درمیاں

آگ کیا یہ ہے نظر بندی سبھی
رونما ہے اس میں رحمت غیب کی

اندر آماں! دیکھ یہ برہان حق
تا کہ دیکھے عشرتِ خاصانِ حق

دیکھ آ ! اس آگ کا پانی سا حال
اس جہاں میں پانی آتش کی مثال

دیکھ اسرارِ براہیمؑ یہاں
آگ کے اندر یہ رنگِ گلستاں

وقت زادن موت کا اندیشہ تھا
ڈر مجھے تجھ سے بچھڑ جانے کا تھا

چھٹ گیا زنداں سے جب پیدا ہوا
اک جہانِ پُر فضا میں آگیا

رحمِ مادر سا نظر آیا جہاں
آگ میں لیکن سکوں پایا یہاں

کیا بتاؤں میں ان انگاروں کا حال
ذرّہ ذرّہ اس کا ہے عیسیٰؑ مثال

دیکھ عالم نیستی میں ہست کا
وہ جہاں بے بود اور موجود سا

اندر آ اے ماں امومیت کی قسم
آگ میں تاثیر آتش ہے عدم

اندر آماں ! نیک بختی ہے بڑی
کھو نہ دے دولت یہ ہاتھ آئی ہوئی

دیکھ لے اس سگ کی قدرت اندر آ
تا کہ دیکھے شانِ افضالِ خُدا

کھولتا ہوں تیرے پاؤں پیار سے
ورنہ کیوں ہوتی تری پروا مجھے

آپ بھی آ دوسروں کو بھی بلا
آگ میں اک خوان شاہی ہے بچھا

صاحبو ! آؤ یہاں پروانہ وار
دیکھو انگاروں میں رنگ صد بہار

دیندارو ! اندر آجاؤ سبھی
دیں سی شیرینی نہ پاؤ گے کوئی

اندر آکر دیکھ لو کس شان کی
راحت افزا ہے دہکتی آگ بھی

اندر آؤ تم سب اے مست وخراب
اندر آؤ اے گرفتارِ عتاب

اندر آجاؤ کہ یہ بحرِ عمیق
دے گا پاکی روح کو ہوگا رفیق

ماں بھی خود کو اس کے اندر ڈال دی
ہاتھ ماں کا تھاما بڑھ کر بچّہ بھی

اندر اس بچہ کی ماں بھی آگئی
آگ میں اس کو بھی اک دولت ملی

ہم زباں بچہ کی ماں بھی ہوگئی
وصف الطافِ خدا کرنے لگی

پس جماعت کو بھی آواز اس نے دی
خلق مرعوبِ جلالت ہوگئی

اس نے دی آواز آؤ صاحبو
آ کے انگاروں میں گلشن دیکھ لو

ذوق کی وجہ سے لوگوں کا اپنے آپ کو آگ میں ڈالنا

ہو کے بیخود لوگ سارے آ گئے مرد و زن خود آگ میں گرنے لگے
خود بخود آتا ہے فیضِ عشق ہی تلخ کو شیریں بناتا ہے وہی
بس یہ عالم تھا سپاہی شاہ کے کر رہے تھے منع سب کو آگ سے
وہ یہودی ہوگیا آخر خجل وجہ خجلت ہوگیا بیمار دل
آگ کی لوگوں کو تھی دیوانگی جل کے مر جانے کے خواہاں تھے سبھی
مکر شیطانی چمٹ کر رہ گیا شکر شیطاں خود سمٹ کر رہ گیا
رُخ پہ لوگوں کے سیاہی جو ملی چہرہ مکاروں کا کالا کر گئی
خلق کی جامہ دری جس نے بھی کی ٹکڑے ٹکڑے ہوگا جامہ اس کا ہی

اس شخص کا چہرہ ٹیڑھا رہ جانا جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تمسخر سے لیا

اس نے ٹیڑھا کر کے مُنہ احمدؐ کہا اور صلا یہ تھا کہ مُنہ ٹیڑھا ہوا
بولا مجھ کو بخش دو یا مصطفےٰؐ آپ کو علم لدنی ہے عطا
میں نے ان جانے تمسخر کر دیا اور استہزا کے لائق خود ہوا
جس کی چاہے گا خُدا پردہ دری وہ بزرگوں کی اُڑائے گا ہنسی
پردہ پوشی چاہتا ہے جب خُدا عیب بھی کھلتا نہیں پُر عیب کا
جب خدا چاہے کہ وہ یاری کرے ہم کو وہ خود مائل زاری کرے
پیش حق آنکھیں جو ہیں گریاں وہ خوب دل جو ہے اس کے لیے بریاں وہ خوب
آخرش انجام گر یہ خندہ ہے مردِ عقبیٰ ہیں مبارک بندہ ہے
سبزہ کے ہمسایہ ہے جوئے رواں اشک جاری ہیں جہاں رحمت وہاں
چرخی جیسے نالہ و گریہ رہے تا کہ تیری جاں ترو تازہ رہے
کردیا سیّد نے رحمت سے معاف توبہ کی اس نے کہی جب صاف صاف
رحم چاہے رحم غمخواروں پہ کر رحم چاہے رحم کر کمزور پر

یہودی بادشاہ کا آگ پر غصہ کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور اس کا جواب

شہ نے آتش سے کہا اے بدمزاج کیا ہوئی تیری جہاں سوزی وہ آج
خُو جلانے کی تری کیا ہوگئی ہم بُرے ہیں یا تری نیت بُری
گبرو ترسا پر نہیں تو مہرباں تو نے دی اغیار کو کیسے اماں
آگ تجھ میں خو نہیں ہے صبر کی کیوں نہ پھونکی تجھ میں کیا قدرت نہ تھی
چشم بندی ہے کہ ہے وہ ہوش بند کیوں جلانے سے رہے شعلے بلند
تجھ پہ یہ جادو ہوا یا سیمیا یا ہے اپنی بدنصیبی کا صلہ
آگ یوں بولی کہ میں ہوں آگ ہی اندر آ کر دیکھ میری تاب بھی
ہے وہی عنصر طبیعت بھی وہی تیغِ حق ہوں کاٹ ہے میری وہی
ترک کے کتے وہ در کے پاسباں چاپلوس ان کی ہے پیش میہماں
اجنبی بھولے سے گر آئے ادھر شیر سے گرتے ہیں اس پر دوڑ کر
بندگی میں میں سگوں سے کم نہیں ترکمانوں سے کم اللہ ہے کہیں
گر طبیعت خود تجھے غمگیں کرے کرتی ہے غمگیں خدا کے حکم سے
اور میسر ہے اگر شادی تجھے شادمانی ہے خُدا کے حکم سے
غم اگر دیکھے تو استغفار کر غم کا آنا ہے خدائے حکم پر
وہ جو چاہے غم میں بھی شادی رہے عین پابندی خود آزادی بنے
باد و خاک و آب و آتش بندہ ہیں مردہ ہم کو! پیشِ حق وہ زندہ ہیں
آگ ہے پیش خدا وقف قیام جیسے اک بے جان عاشق صبح و شام
مار سنگ لوہے پہ چنگاری اُڑے آگ نکلے گی خدا کے حکم سے
آہن و سنگ و ہوا ٹکرا نہ دے مرد و زن کی طرح جنتے جائیں گے
سنگ و آہن اس کا باعث ہیں بجا دیکھ اُوپر بھی ذرا سر کو اُٹھا
اس سبب کا اس سبب پر انحصار بے سبب کیونکر سبب ہو آشکار

اس سبب سے وہ سبب عامل ہوا
ہاں کبھی وہ بے پرُ و باطل ہوا

جو سبب ہیں انبیا کے رہنما
اِن سبھوں سے ان کا رتبہ ہے بڑا

یہ سبب اس کا خرد سے واسطہ
محرم اُن اسباب سے ہیں انبیا

ہے سبب عربی ہمارے ہاں رسَن
اس رسَن کا چاہ سے کھلتا ہے فن

چرخ کی گردش رسَن کو واسطہ
چرخ گرداں سے تغافل ہے خطا

دہر کے اندر سبب کی رسیاں
مت سمجھ ہے ان کا باعث آسماں

ہو نہ جب تک چرخ عاطل و بےعمل
جیسے ایندھن جب تلک جائے نہ جل

باد و آتش سب ہیں مخلوق خدا
جامِ حق دونوں کو ہے مستی فزا

آبِ حلم و آتش خشم اے پسر
حق سے ہیں دیکھے جو آنکھیں کھول کر

حق سے گر واقف نہ ہوتی جانِ باد
فرق کیوں کرتی میانِ قوم عاد

ہوا کا ہود علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کا قصہ

گرد نیکاں ہُودؑ نے حلقہ کیا
نرم رَو ہوتی تھی صر صر اس جگہ

خط سے باہر جو تھا زد میں آ گیا
دھجیاں اس کی اڑاتی تھی ہوا

گردِ ریوڑ کے بناتے تھے یوں ہی
دائرہ اک حضرت شیبان بھی

تاکہ روزِ جمعہ ہنگام نماز
بھیڑیا کرنے نہ پائے ترک تا ز

بھیڑیا اندر نہ آتا تھا کوئی
باہر اک بکری نہ جاتی تھی کبھی

باد حرص گرگ و حرصِ گوسپند
مرد حق کے خط سے ہوجاتی تھی بند

اس لیے ہے باد مرگ عارفاں
نرم رو جیسے نسیم بوستاں

آگ ابراہیمؑ کو کیو نکر ڈسے
حق کے پیارے کو ستانے کیوں چلے

آتش شہوت سے محفوظ اہلِ دیں
سر کشوں کو لے گئی زیر زمیں

موج دریا کو بھی اس کا علم تھا
قومِ موسیٰؑ تھی دگر قبطی جُدا

خاک قاروں کھا گئی گنج و سریر
مل گیا جب اس کو فرمانِ قدیر

پھونکا عیسیٰؑ نے جو مٹھی خاک پر
بن گیا اک مرغ تو لے ان سے پر

تیرے منھ سے آئی جس دم حمدِ حق
مرغِ جنت کر دیا رَبُّ الْفَلَقْ

حمد حق لب پر بجائے آب و گل
مرغِ جنت ہو جو پھونکے اہل دل

طور رقصاں نور موسیٰؑ سے ہوا
نقص چھوڑا صوفیِ کامل بنا

کیا عجب گر کوہ صوفی ہوگیا
جسم موسیٰؑ بھی تو مٹی ہی سے تھا

یہودی بادشاہ کا نصیحت کرنے والوں کی نصیحت پر طنز اور انکار

معجزہ یہ شاہ نے دیکھا مگر
طعنہ زن تھا اور مُصرِ انکار پر

بولے ناصح اپنی حد سے بڑھ نہ جا
جنگی گھوڑے کو تو اتنا مت بھگا

ترک کر یہ قتل کرنا ہے بُرا
آگ ہے یہ اس میں خود جل جائے گا

ہاتھ باندھے قید ناصح کو کیا
ظلم پر ظلم دگر کرتا چلا

آئی آواز آگیا جب یہ مقام
ٹھہر ظالم اب ہے وقتِ انتقام

شعلہ لپکا لے کے آیا گھیر کر
راکھ دم بھر میں یہودان سربسر

آگ ہی سے تھی جو ان کی ابتدا
اصل سے واصل ہوئے در انتہا

آگ سے پیدا ہوا تھا وہ فریق
جُز کی رغبت کل کی جانب ہے طریق

وہ کمینے آگ سے پیدا ہوئے
بس دھوئیں اور آگ کی بکتے رہے

اہلِ ایماں کو جلانے تھے چلے
آگ بھڑکائی خود اس میں جل گئے

وہ بذاتِ خود تھے اُمہّ ہاویہ
ان کا دوزخ ہی ٹھکانہ ہوچکا

ماں کو ہر حالت ہے بچے کا خیال
شاخوں کے درپے ہے اصل ہر نہال

حوض میں پانی اگرچہ بند ہے
باد چوسے باد سے پیوند ہے

لے چلے معدن کی جانب پھر ہوا
سست رَو میں سب کے آنکھوں سے بچا

بس اسی صورت یہ سانسیں اپنی جان
یوں اُڑائیں ہو نہ احساس زباں

اس کے ہاں تا جائے پاکیزہ کلام
جانے وہ کس کا کہاں ہوگا مقام

پاک سانسوں کو بلندی ہے عطا
تحفہ یہ اپنا سوئے دارلبقا

ہم کو حاصل اس سے انعامِ مقال
ہے دوگنی فضل رب ذوالجلال

تا ہوں ہم مجبور ان ہی اعمال پر
تا ثمر پائیں وہی بارِ دگر

بس یونہی چڑھنا اُترنا ہے دوام
ہے ہمیشہ کے لیے جاری یہ کام

فارسی بولی ہمیں ہے اس کا شوق
اوراسی جانب سے ہے اپنا یہ ذوق

کھینچتا ہے دل سدا ہر قوم کا
اس طرف پایا کبھی اُس نے مزا

جنس کو رغبت ہے اپنی جنس سے
کل کی جانب جزو کی رغبت دیکھ لے

یا ہے دیگر جنس سے ذوق اس لیے
ہوگی اس کی جنس جب اس سے ملے

جیسے جنس اپنی نہیں تھے آب و ناں
جنس ٹھہرے تن میں پہنچے جس زماں

جنس گو در خود نہیں ہیں آب و ناں
جنس بنتے ہیں پہنچ کر اپنے ہاں

ہے ہمیں گر ذوق دیگر جنس سے
وہ ہے مانند شاید اپنی جنس کے

جو بھی ہے مانند وہ ہے عارضی
اور عاریت نہیں قائم کبھی

پا کے آواز صفیر آئے پرند
دیکھے غیر جنس اڑ جائے پرند

تشنہ لب کو بھی یونہی ذوقِ سراب
پا کے دھوکہ ڈھونڈنے نکلے گا آب

کھوٹا پیسا پاکے مفلس شاد تھے
جب گئے ٹکسال کو رسوا ہوئے

تا ملمع ساز گمراہ کر نہ دے
کج خیالی تا نہ دے دھوکہ تجھے

جا کلیلہ میں وہ قصّہ ڈھونڈلے
کر طلب حصہ ترا اس میں ملے

ہاں کلیلہ بھی پڑھا ہوگا مگر
پوست ہی ہے مغز ہے اس میں کدھر

شکار کے جانوروں کا قصہ توکل اور کوشش ترک کردینے کا بیان

تھی کسی وادی میں اک ٹولی شکار
شیر ان پر حملہ کرتے بار بار

رکھ کے دھوکے میں انھیں کرتا شکار
اس لیے دوزخ تھا ان کو مرغزار

شیر کی خدمت میں سب حاضر ہوئے
بولے خود دیں گے وظیفہ ہم تجھے

تو وظیفہ کے علاوہ کچھ نہ لے
جینا دوبھر تا نہ ہو اپنے لیے

شیر کا شکاروں کو جواب دینا اور کوشش کی خاصیت کا بیان

بولا ہاں ! اس میں نہیں گر کوئی مکر — ہم کو ہیں معلوم مکر زید و بکر
ہوں دُکھی لوگوں کے قول وفعل سے — سانپ بچھو کتنے ڈستے ہیں مجھے
نفس میرا گھات میں ہے ہر گھڑی — مکر میں ایسا نہیں انساں کوئی
گفتہ لایلدغ المومن بجا — قولِ پیغمبرؐ پہ قائم ہوں سدا

شکاروں کا کوشش اور کمانے پر توکل کو ترجیح دینا

بولے سب سن کر امیر باخبر — احتیاط اس درجہ کیوں پیش قَدَرْ
احتیاط اپنی ہے وجہ شور و شر — جا کہ ہے اس سے توکل خوب تر
تو قضا پر پنجہ زن ہونے نہ جا — تا نہ آجائے عداوت پر قضا
مردہ بن جانا بھلا پیشِ قضا — تا نہ ہو تو موردِ قہر خُدا

شیر کا ترجیح دینا کسب اور کوشش کو توکل پر

ہاں توّکل سے اگر ہو رہبری — یہ بھی ہے اک سُنّتِ پیغمبریؐ
بولے پیغمبرؐ توکل گر کرے — باندھ پاؤں خود بھی اپنے اونٹ کے
رمز الکا سب حبیب اللہ سنو — سُستی از بہر توکل چھوڑ دو
کسب بہتر ہے توکل کے لیے — تا حبیب اللہ بنے بہتر رہے
کر توکل کسب کے ساتھ اے چچا — جہد میں رہ کسب کرتا جا سدا
جہد کر اس میں بھلائی ہے تری — جہد چھوڑے گا تو ہوگی ابلہی

نخچیروں کا توکل کو کسب پر ترجیح دینا

بولے ضعفِ خلق ہے دُھن کسب کی — ہے کمائی حرص کی دھوکہ سبھی
کسب ہوتا ہے نتیجہ ضعف کا — تکیہ غیروں پر توّکل میں خطا

کسب کیوں ہوگا توکل سے بڑا — سب سے افضل خوئے تسلیم و رضا
بس بلا سے چل دیے سوئے بلا — چھوڑ کر سانپ آئے سوئے اژدھا
حیلہ ڈھونڈا آدمی وہ دام تھا — جان جسے سمجھے وہ خوں آشام تھا
گھر میں دشمن بند دروازہ کیا — کارِ فرعونی کچھ ایسا ہی رہا
لاکھوں بچے مار ڈالا کینہ ور — مارنا تھا جس کو وہ خود اپنے گھر
آنکھ ہے پر عیب دید اپنی خطا — دیدکو کر دید جاناں میں فنا
اس کی دید اپنے لیے نعم العوض — دید میں اس کی ہے اپنی ہر غرض
بچہ چل پھرنے کے قابل جب نہ تھا — دوشِ بابا کو سواری کرلیا
چلنے، پھرنے ، بات جب کرنے لگا — ظلمتوں ، دشواریوں میں پھنس گیا
روح انسانی کو قبل از دست و پا — عالم ارواح سے تھا واسطہ
اہبطو کا حکم جس دم آگیا — قیدیٔ شادی و غم ہوکر رہا
ہم حضورِ حق میں جیسے شیر خوار — ہے عیال اللہ میں اپنا شمار
ابرو باراں کا کرے جو انتظام — دین اسی کی ہے سبھی نان و طعام

شیر کا توکل پر کوشش کو دوسری بار ترجیح دینا

شیر بولا اک اشارہ ہے یہاں — حق نے رکھ دی ہے جو آگے نرد بان
تاکہ جائیں پایہ پایہ سوئے بام — اعتبارِ جبر ہے اک طمع خام
پاؤں ہیں حاصل تجھے لنگڑا نہ بن — ہاتھ کے ہوتے ہوئے لولا نہ بن
بیلچہ آقا نے بندے کو دیا — ہوگیا معلوم اسے مقصد ہے کیا
ہاتھ دینے کا اشارہ ہے یونہی — ہے ضرورت اس میں فہم و غور کی
ان اشاروں پر اگر ثابت رہے — جان و دل سے اس کی پابندی کرے
ان اشاروں سے بنائے راز دار — بوجھ اترے گا بنے گا کامگار
دب رہا ہے بار سے ہوگا سوار — برگزیدہ ہوگا پیش کردگار

اس قبولیت سے تو قابل بنے
وصل کا خواہاں تو واصل ہو رہے

تیری کوشش شکرِ انعام خُدا
جبر ہے انکار اس انعام کا

شکر نعمت سے بڑھے نعمت تری
کفر سے چھن جائے ہاتھ آئی ہوئی

جبر سونا ہے نہ سو تو راہ میں
جب تلک پہنچے نہ تو درگاہ میں

سو نہ جا اے جبریٔ بے اعتبار
ڈھونڈ کر پالے درختِ میوہ دار

تا ہوا سے شاخِ میوہ جھوم کر
ہر گھڑی دیتی رہے تجھ کو ثمر

جبر سونا ہے میانِ رہزناں
مرغ بے ہنگام کیوں پائے اماں

ان اشاروں سے نہیں گر ہوشیار
زن رہے گا تو نہ ہوگا مردکار

عقل ہو کتنی بھی ہوجاتی ہے گم
سر بغیرِ عقل بن جاتا ہے دُم

کیوں کہ نا شکری ہے وجہِ شوم و عار
تجھ کو لے جائے گی سوئے قعرِ نار

تو توکل گر کرے دو کام کر
کسب کر انجام چھوڑ اللہ پر

رکھ بھروسا حق پہ ہوگا کامیاب
ورنہ تو گمراہ ہوگا اور خراب

شکاروں کا توکل کو کوشش پر پھر ترجیح دینا

اتنا سننا تھا کہ وہ سب چیخ اُٹھے
ہے حریصوں کو شغف اسباب سے

لاکھ، لاکھوں مرد و زن ہیں محوِ کار
کوششیں ان کی نہیں کیوں بار دار

ابتدائے آفرینش سے یہاں
اژدھوں کی طرح وا ان کے دہاں

ان کی دانائی سے کتنے کوہ تھے
جڑ سے آخر کو اکھڑ کر رہ گئے

آہ ! وہ مکاریٔ قوم خبیث
گر نہ ہو باور تو حاضر ہے حدیث

سن کلامِ حق سے مکاری کا حال
چھوڑ دیتے ہیں جگہ اپنی جبال

حصّہ جو روزِ ازل طے ہوگیا
اس سے بڑھ کر کوششوں سے کیا ملا؟

ہوگئے بے کار سب تدبیر و کار
رہ گئے بس حکم و کارِ کردگار

اپنی ہر کوشش برائے نام ہے
واہمہ من جملۂ اوہام ہے

عزرائیل علیہ السلام کا ایک شخص کو گھورنا اور اس کا سلیمان علیہ السلام کے گھر کی طرف بھاگنا اور توکل کو مشقت اور کوشش پر ترجیح کی تقریر

دِن چڑھے اک بھولا بھالا دوڑتا حاضرِ عدل سلیمانؑ ہوا
زرد چہرہ ہونٹ نیلے نیلے تھے پوچھا آخر ہوگیا ہے کیا تجھے
بولا عزرائیل کو دیکھا ابھی تھیں نگاہیں ان کی غصّہ سے بھری
بولے کہہ دے چاہیے ہے کیا تجھے بولا اتنا باد سے کہہ دیجئے
تا یہاں سے ہند پہنچائے مجھے موقع شاید جاں بچانے کا ملے
باد سے کہہ دی سلیمانؑ نے یہ بات لے چلی اس کو وہ سوئے سومنات
باد کو فرماں دیا لے جاشتاب سوئے ہندوستاں اسے از راہِ آب
بھاگتے ہیں چونکہ لوگ افلاس سے لقمہ و حرص و ہوا ہیں اس لیے
خوف درویشی سمجھ جوں خوف جاں حرص و کوشش کو سمجھ ہندوستاں
دوسرے دن حاضر دربار تھے شاہ نے پوچھا یہ عزرائیلؑ سے
اس مسلماں کو بہ چشمِ پُر غضب تم نے دیکھا کس لیے اے پیکِ رب
ہے تعجب تم نے ایسا کیوں کیا چھوڑ کر گھر بار سب وہ چل دیا
بولے اے شاہِ جہان بے زوال اس نے غلطی سے کیا غصّہ خیال
تھا مجھے اللہ کا فرماں یہی ہند میں لے جان اس کی آج ہی
دیکھ کر اس کو یہاں حیران تھا میں فکر کا مارا تھا سرگرداں تھا میں
سوچا سو پر بھی اسے حاصل ہوں گر ہند کیوں پہنچے گا لمبا ہے سفر
امرِ حق سے جب میں ہندوستان چلا اِس کو پاکر قبض جاں کو کرلیا
کار دنیا کو اسی پر کر قیاس کھول آنکھیں دیکھ اپنے آس پاس
کس سے بھاگیں گے زخود یہ ہے محال حق سے سر تابی کا حاصل ہے وبال

شیر کا پھر توکل پر کوشش کو ترجیح دینا اور کوشش کے فائدے بیان کرنا

شیر بولا تم نے کیا دیکھا نہیں
جہد ہائے انبیاء و مرسلینؑ

سعی ابرار و جہادِ مومناں
ہیں اسی صورت ز آغازِ جہاں

ان کی کوشش ٹھیک خود اللہ نے کی
گرم اور سرد ان کو دکھلائے سبھی

جہد ان کی ہوتی ہے پاکیزہ ہی
پس بھلوں کی ہوتی ہے ہر شئے بھلی

صید ان کے مرغہائے آسماں
ان کی کمیاں ہوگئیں افزونیاں

کوشش اپنی سی کیے جانا بھلا
یہ ہے راہِ اولیا و انبیاءؑ

کب خلافِ امر حق ہوگا جہاد
حکم حق پر جبکہ ہے لڑنا جہاد

میں ہوں کافر گر کسی کو بھی یہاں
طاعت و ایماں سے پہنچا ہو زیاں

سر پہ کیوں پٹی نہیں زخمی جو سر
کام کر دو روز پھر آرام کر

جس نے کی دنیا طلب وہ بد محال
طالب عقبٰی جو ہے وہ نیک حال

مکر کارِ دہر میں بے فائدہ
ترکِ دنیا کو وہی ہوگا بجا

ڈالنا سوراخ زنداں میں بجا
بند کرنا اس کو زنداں میں خطا

یہ جہاں زنداں ہے ہم قیدی سبھی
ڈال سوراخ اس میں ہو آزاد ابھی

بھول جانا حق کو دنیا ہے یقیں
یہ زن و فرزند مال و زر نہیں

بہر دیں ہوگا جو دُولت کا حصول
مال وہ نعمت ہے فرماتے رسولؐ

آب کشتی میں ہلاکت کا نشاں
زیرِ کشتی ہے وہ قوت کا نشاں

دل سے ملک و مال کو خارج کیے
پس سلیمانؑ خود کو مسکیں کہہ دیے

کوزۂ سر بستہ پانی میں گیا
تیرتا ہے اس کے اندر سب ہوا

چونکہ درویشی کی ہے دل میں ہوا
برسر آبِ جہاں ساکن رہا

اس کو وہ پانی ڈبوئے گا کہاں
وہ خدائی پھونک سے ہے شادماں

گو کہ ہیں سارے جہاں پر حکمراں
پھر بھی لاشئے ہے انھیں سارا جہاں

پس دہانِ و دل کو بند اور مہر کر　　اور بادِ مِن لدُنَ کو اس میں بھر
جہدِ حق ہے دردِ حق اور حق دوا　　منکر ان کو گرچہ جھٹلاتا رہا
کسب کر محنت دکھا کوشش بھی کر　　تا ہو رازِ من لدُنۡ سے بہرہ ور
گرچہ ہے سارا جہاں پُر جہد سے　　پھر بھی جاہل خوش نہیں اس شہد سے

کوشش کی توکل پر ترجیح ثابت ہو جانا

شیر نے ایسے دیے کیا کیا جواب　　ہوگئے وہ جبریاں سب لا جواب
روبہ و خرگوش و آہو و شغال　　ہوگئے خاموش چھوڑے قیل و قال
پختہ وعدہ شیر سے سب نے کیا　　پھر نہیں ہوگا خلاف اس سے ذرا
حصہ ہر دن کا ملے گا بے ضرر　　بے ضروری ہے تقاضائے دگر
عہد و پیماں شیر سے سب کر چکے　　اور چراگاہ کی طرف خوش خوش چلے
جمع یکجا ہوگئے سب جانور　　جوش میں ہر اک بھرا تھا سر بسر
مشورہ اپنا ہر ایک دینے لگا　　ان میں ایک دیگر کے درپے ہوگیا
ہوگیا پھر سوچ کر بعد نفاق　　قرعہ اندازی پہ سب کا اتفاق
قرعہ نکلے جس پہ وہ لقمہ بنے　　حاضری چپ چاپ پیش شیر دے
مل کے سارے کرلیے قول و قرار　　قرعہ ہی کو کرلیے سب اختیار
قرعہ جس کے نام جس دِن پڑ گیا　　لقمہ ہونے شیر کے آگے چلا

خرگوش کے شیر کے پاس جانے میں تاخیر پر شکاروں کی ناپسندیدگی

آ گئی باری جہاں خرگوش کی　　چیخ اٹھا ہوگا ستم کب تک یونہی
قوم بولی ہم نے کتنی مرتبہ　　کی ہے جاں وعدہ وفائی پر فدا
کر نہ دے بدنام ہم کو جلد جا　　شیر تا غصہ نہ ہوتو جلد جا

خرگوش کا شکاروں کو جواب دینا اور مہلت چاہنا

بولا یارو مجھ کو تم مہلت تو دو تا خلاصی تم بھی اس سے پاسکو
تا مری تدبیر سے پاؤ اماں تا سلامت رہ سکیں نسلیں یہاں
امتوں میں ہر پیمبر نے یوں ہی دعوت از بہر خلاصی اُن کو دی
راہ بچنے کی دِکھاتا تھا فلک خود سمٹ کر آنکھ میں جوں مرد مک
آنکھ کی پتلی بہت چھوٹی سہی اس کے رتبے سے نہیں واقف کوئی

شکاروں کا خرگوش کی بات پر اعتراض

قوم بولی اے گدھے تُو سُن ذرا تو ہے اک خرگوش حد سے بڑھ نہ جا
کیوں بڑے بول اس طرح جب خود بڑے ایسی باتیں سوچ سکتے بھی نہ تھے
کبر ہے تیرا کہ درپے ہے قضا کب مناسب ہے تجھے دعویٰ ترا
بولا یارو ہے یہ الہام خدا ناتواں کو رائے محکم ہے عطا
جو دیا اللہ نے زنبور کو وہ کہاں حاصل ہے شیر و گور کو
حلوۂ تر سے کیا پُر اُس نے گھر باز اس پر کر دیا اس فن کا در
علم جو ریشم کے کیڑے کو مِلا وہ بھلا کب ہاتھیوں کو ہے عطا
علم انسانوں کو جو حق نے دیا اس نے سات افلاک کو روشن کیا
اس کے آگے سر فرشتوں کا جھکا کور وہ انکار پر جو اڑ گیا
گو کہ وہ لاکھوں برس زاہد رہا پھر بھی جوں گوسالہ منھ بند اس کا تھا
تا رہے محروم شیرِ علم سے تا نہ پھیرے قصر محکم کے کرے
علم ہائے اہل ظاہر پوز بند تا نہ چکھیں قطرۂ علمِ بلند
قطرۂ دل کو وہ گوہر ہے عطا جو نہ دریا کو نہ گردوں کو ملا
کب تلک صورت پرستی یہ تری جاں وہ کیا صورت پہ جو مائل ہوئی

احمدؐ و بوجہل گر بتخانہ جائیں — فرق ان دونوں کے جانے میں یہ پائیں
یہؐ جو آئیں خود بتوں کا سر جھکے — آئے وہ سجدہ بتوں کو خود کرے
نقش ہے دیوار پر انساں کا ہی — دیکھ اس کے چہرے میں ہے کچھ کمی
جاں نہیں اس صورت بیتاب میں — جا تلاشِ گوہر نایاب میں
سر سبھی شیروں کا جھک کر رہ گیا — جب سگِ اصحاب کو غلبہ مِلا
اس کو بدشکلی سے کیا نقصاں ہوا — نور کے دریا میں جو وہ غرق تھا
کوئی شکل خامہ لے کر کیا کرے — عالم و عادل بنے تحریر سے
عالم و عادل بہ معنیٰ ہیں تمام — اور نہیں درکار معنیٰ کو مقام
لامکاں سے اس کا ہوتا ہے نزول — مہر جاں کو آسماں ہے کب قبول
اس سخن کی حد نہیں ہے ہوشیار — سن ذرا خرگوش کے اب کاروبار
چاہیے اس کے لیے گوشِ دگر — سُن نہیں سکتے یہ باتیں گوش خر

خرگوش کی عقلمندی کا ذکر، عقلمندی کی فضیلت اور نفعوں کا بیان

مکر بھی خرگوش کا دیکھ اب ذرا — شیر کو کیونکر پچھاڑا ، کیا کیا
خاتم ملکِ سُلیمانؑ ہے یہ علم — جملہ عالم جسم اور جاں ہے یہ علم
سب پہ حاوی ہے یہ انساں کا ہنر — اس سے عاجز خلق و کوہ و بحر و بر
شیر چیتے اس سے خائف مثلِ موش — جنگلوں میں ڈر سے پوشیدہ و حوش
روبہ ساحل خوف سے دیو و پری — ہے نہاں خانوں میں پنہاں ہر کوئی
ہیں نہاں انساں کے دشمن بھی ادھر — عقل والا ہوتا ہے چوکس بصر
ہیں سبھی اچھے بُرے پنہاں یہاں — چوٹ ہے اِن سے دلوں پر ہر زماں
نہر میں جب غسل کرنے آئے گا — پاؤں میں کانٹا ادھر چبھ جائے گا
نیچے پوشیدہ تھا پانی میں وہ خار — پر کھٹک سے ہوگیا وہ آشکار
وسوسوں اور خارِ حِس کا کیا بیاں — ہیں ہزار اشخاص ایک ہی کیا یہاں

کر توقف تا بدل جائیں حواس تا ہو حل مشکل ، عدو بھی دیکھے پاس

دیکھ کیسوں کی نصیحت چھوڑ دی اور قبولی تُو نے کس کی سروری

شکاروں کا خرگوش کی تدبیر اور راز کو معلوم کرنا

بولے اے خرگوش دانشور بتا ٹھان لی ہے تو نے اپنے دل میں کیا

شیر سے لڑنے کی ہمت ہوگئی راہ تُو نے کونسی وہ ڈھونڈ لی

مشورت سے ہوگا پورا ہوشیار دیکھ عقلیں عقل کی ہوتی ہیں یار

بولے پیغمبرؐ یہ سن اے رائے گیر مشورت کر ہے امیں تیرا مشیر

قول پیغمبرؐ رہے جاں سے عزیز فاش کہہ دے تیرے دل میں ہے جو چیز

خرگوش کا شکاروں سے راز کو پوشیدہ رکھنا

بولا ہر اک بات کہنے کی نہیں یوں نہ کھیلی جائے گی بازی کہیں

پھونک آئینہ پہ مارے گر کوئی صاف آئینہ پہ چھائے تیرگی

تین باتوں میں ہے لازم خامشی تیرا زر، تیرا سفر، منزل تری

کیونکہ ہیں تینوں کے دشمن چار سو بھید پا کر گھات میں ہوں گے عدو

سب کو پہنچا ایک سے بھی گر کہا جو دو لب سے ہوگیا باہر گیا

کچھ پرندوں کو ملا کر باندھیے قید میں غمگیں رہیں گے دیکھئے

مشورت میں راز رکھنا اپنی بات رکھ نہاں مطلب کر ایسی ویسی بات

مشورت کرتے تھے پیغمبرؐ چھپی بات مطلب کی نہ کھلتی تھی کبھی

بات فرضی کر کے لے لیتے تھے رائے سر کبھی دشمن پہ تا کھلنے نہ پائے

یوں ہی پا لیتے تھے خوب ان کا خیال کوئی پا سکتا نہ تھا بوئے سوال

حد نہیں اس بات کی تو لوٹ آ دیکھ اس خرگوش نے کیا کچھ کیا

خرگوش کا شیر کے ساتھ چالا کی کرنے اور انجام کو پہنچنے کا قصہ

بات پوشیدہ رہی خرگوش کی ۔۔۔ آپ خود تدبیر اس نے سوچ لی
راز رکھا دوسروں سے اپنا راز ۔۔۔ دل ہی دل میں کرلی اس نے ساز باز
اس نے جاتے ایک ساعت دیر کی ۔۔۔ شیر کی خدمت میں دی پھر حاضری
شیر غصّہ ہوگیا تاخیر پر ۔۔۔ خوب غرّایا وہ پنجے مار کر
بولا پہلے ہی مجھے معلوم تھا ۔۔۔ کیا نتیجہ ہوگا اس اقرار کا
ان کی مکاری نے ہے مارا مجھے ۔۔۔ یوں ہی دیتے جائیں گے دھوکا مجھے
ہوتا ہے عاجز امیر بے خبر ۔۔۔ آگے پیچھے پر نہیں رکھتا نظر
راستے سیدھے ہیں تہ میں دام ہیں ۔۔۔ لفظ بے معنٰی برائے نام ہیں
نام اور الفاظ سب دھوکا یہاں ۔۔۔ لفظِ شیریں دشمنِ عمر رواں
عمر رو میں جس طرح آب زلال ۔۔۔ خلق باطن اس میں ریتی کی مثال
جس سے اُبلے آب ریت ایسی تو ڈھونڈ ۔۔۔ ریت یہ نایاب ہے پھر بھی تو ڈھونڈ
اے پسر وہ ریت ہے مردِ خدا ۔۔۔ حق سے واصل اپنی ہستی سے جُدا
آب دیں اس سے اُبلتا ہے سدا ۔۔۔ طالب اس سے پاتے ہیں نشو و نما
غیر مردِ حق ہیں سوکھی ریت سے ۔۔۔ مار دیں گے تجھ کو پانی چوس کے
بہر حکمت ڈھونڈ لے کوئی حکیم ۔۔۔ تاکہ ہو جائے تو بینا و علیم
منبعِ حکمت بنے حِکمت طلب ۔۔۔ وہ نہیں جو پائے تحصیل سبب
لوحِ محفوظ اس کا دل ہوکر رہے ۔۔۔ روح محفوظ اس کی جاں ہو روح سے
اول اس کی عقل خود اُستاد تھی ۔۔۔ بن گئی بعد اس کی شاگرد آپ ہی
عقل جوں جبریلؑ بولے مصطفیٰؐ ۔۔۔ خاک ہو جاؤں بڑھوں گر اک ذرا
بس یہیں تک ہے مری حد جایئے ۔۔۔ چھوڑ کر مجھ پر کرم فرمایئے
کاہلی سے جس نے چھوڑے شکر و صبر ۔۔۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہے پابندِ جبر

جبر کا قائل جو ہے رنجور ہے　　رنج اس کو تا کنارِ گور ہے
بولے آقاؐ یہ تمسخر دکھ بنے　　شمع کی صورت بجھا دے گا تجھے
جبر کیا ؟ ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا　　اک شکستہ رگ جما کر چھوڑنا
خود ترے پاؤں ہیں جب ٹوٹے ہوئے　　کس پہ ہنستا ہے تو خود لنگڑا بنے
پاؤں ٹوٹے جس کے کوشش میں جہاں　　آ گیا براق اُسے لینے وہاں
حاملِ دیں ہوگیا محمول خود　　قابلِ فرماں بنا مقبول خود
تھا وہی فرماں پذیر بادشاہ　　اس کے زیرِ حکم ہیں شہ کے سپاہ
تھے ستارے اس پہ اب تک حکمراں　　اب ستاروں پر ہے حکم اس کا رواں
باوجود اس کے بھی اس میں شک ہے گر　　تو نہیں ہے قائل شقُّ القمر
تازہ کر ایمان کو باتیں نہ کر　　تو ہوا کے ساتھ جاتا ہے کدھر
خواہشوں کے ساتھ ایماں ہے کہیں　　جوں ہوا اُس کا کوئی تالا نہیں
تم بدل دیتے ہو حرفِ بکر کو　　خود کو بدلو تم نہ بدلو ذکر کو
فکر سے تاویل کیوں ہو ذکر میں　　لا تو خود تبدیلی اپنے فکر میں
جب کریں تاویلِ قرآں بر ہوا　　ماند پڑ جاتی ہے معنیٰ کی ضیا

مکھی کی رکیک تاویل کا بودا پن

حال تیرا ایسی مکھی کی مثال　　کر رہی تھی خو کو وہ کیا کیا خیال
تھی خودی میں مستیِ جام شراب　　ذرہ تھی خود کو وہ سمجھی آفتاب
باز کی تعریف سے آگاہ تھی　　خود کو اک عنقا سمجھنے لگ گئی
تھی سوارِ کاہ رواں بر بولِ خر　　شوخیاں ملاح کی تھیں سر بسر
بولی کشتی کا پڑھا ہے میں نے ذکر　　ایک مدت تھی اسی کی مجھ کو فکر
دیکھو یہ کشتی مری دریا مرا　　اپنے فن میں طاق میں ہوں نا خدا
کھے رہی تھی ناؤ سطحِ بحر پر　　اور کہیں ساحل نہ آتا تھا نظر

اس کو وہ پیشاب لا محدود تھا جان ننھی سی نظر کتنی بھلا؟
اتنی دنیا جس قدر اس کی نظر آنکھ جتنی اس کا دریا اس قدر
صاحبِ تاویل جوں ابلہ مگس وہم اس کا بولِ خر،تصویر خس
باز آئے گر مگس تاویل سے تو وہ مکھی سے ہما بن کر رہے
جس میں ہو یہ شرم وہ مکھی کہاں؟ جسم یہ اس کو نہیں شایانِ جاں
کیا؟ حریفِ شیر اس خرگوش کی قامت اس کی روح کے قابل رہی؟

خرگوش کے دیر سے آنے کے سبب شیر کا رنجیدہ ہونا

چیخ اُٹھا اس پہ شیر خشمگیں کان سے دشمن نے آنکھیں بند کیں
جبریوں نے مجھ کو بھی جبری کیا کاٹ کی تلوار نے زخمی کیا
پھر کبھی دھوکہ نہ ایسا کھاؤں گا وہ تھی شیطانوں کی بھوتوں کی صدا
پھاڑ دے ان کو اب اے دل رک نہ جا چھیل دے چمڑی سے بڑھ کر ہیں وہ کیا
پوست کیا ہے گفتگوئے رنگ رنگ جیسے پانی کی زرہ ہو بیدرنگ
بات پوست اور مغز معنیٰ ہیں یہاں ہے سخن جوں جسم معنیٰ اس میں جاں
پوست مغز بد پہ گویا عیب پوش مغز نیکو کو ہے غیرت غیب پوش
جوں ہوا خامہ ہو اور دفتر ہو آب جو بھی لکھو گے فنا ہوگا شتاب
نقش آبی سے یہ اُمیدِ وفا رنج اُٹھائے گا بہت پچھتائے گا
باد کیا انساں کی حرص و آرزو خواہشیں چھوٹیں تو سب رہ جائے ھو
نیک ہیں پیغام ہائے کردگار کیونکہ سر سے پاؤں تک ہیں پائیدار
خطبۂ شاہاں گئے شاہی گئی اور بقا نبیوںؑ کے خطبوں کو ملی
ہیں شہوں کے کرّوفر وجہ ہوا انبیاؑ کو ہے عطائے کبریا
مٹ گئے سکوں سے بھی شاہوں کے نام ہے مگر نامِ محمدؐ کو دوام
نام احمدؐ نام جملہ انبیاء سو (100) نے نوّے کو بھی شامل کرلیا
اس سخن کی حد نہیں ہے اے پسر آ سوئے خرگوش و سوئے شیر نر

خرگوش کا مکر اور شیر کے پاس اس کے دیر سے جانے کے بیان میں

آنے میں خرگوش نے تاخیر کی
دل ہی دل میں مکر کی تقریر کی

آگیا جب بعد تاخیر دراز
کان میں تاشیر کے پھونکے وہ راز

عالموں کے سر میں ہے سودائے عقل
ہے عجب یہ وسعتِ دریائے عقل

بحر بے پایاں ہے یہ عقلِ بشر
چاہیے غوّاص اس کو اے پسر

اِس سمندر میں ہم ایسوں کا حساب
جس طرح پیالے رواں بر سطحِ آب

پُر نہ ہو تو طشت ہے پانی پہ ہی
پُر ہوا تو ڈوب جاتا ہے تبھی

عقل پنہانی ہے عالم ظاہری
اپنی ہستی موج ہے یا ہے نمی

جس نے صورت کو ذریعہ کرلیا
خود سے دور اس کو سمندر نے کیا

تا نہ دیکھے دل دہندہ راز کو
تا نہ دیکھے تیر دور انداز کو

بولے جھگڑے میں مرا گھوڑا گیا
خود سواری کر کے دوڑاتا رہا

وہ جواں بولا مرا گھوڑا گیا
کھینچ کر لے جا رہا تھا جوں ہوا

نالہ و فریاد میں وہ خیرہ سر
پوچھتا پھرتا ہے اس کو در بدر

کس نے گھوڑے کو چُرایا ہے مرے
کیا ہے خواجہ تیری رانوں کے تلے

یہ بھی گھوڑا ہے وہ گھوڑا ہے کہاں
ہوش میں آ دیکھ اے راکب یہاں

سُننے والا راز میں بولے نشاں
جان لے تا اُس کا گھوڑا ہے کہاں

اپنے باطن میں بڑھالے درد کو
تا کہ دیکھے سبز و سرخ و زرد کو

جاں ہے نزدیکی و پیدائی سے گم
خشک ہیں لب گرچہ ہے بھرپور خم

کیسے پائے سبز و سُرخ و بور کو
جب تلک دیکھے نہ تینوں نور کو

ہوگئے جب رنگ میں گم تیرے ہوش
نور سے ہو رنگ تجھ پر پردہ پوش

رنگ تاریکی میں سب مستور تھے
پا لیا تھے رنگ سارے نور سے

لازمی ہے رنگ کو یہ روشنی
ہے یونہی رنگِ خیال باطنی

نورِ ظاہر باعثِ شمس و سہا
نورِ باطن عکسِ انوارِ خدا

نورِ دل سے نور ہے آنکھوں کا نور
چاہیے آنکھوں کو نورِ دل ضرور

اور ہے نورِ دل و نور خدا
عقل وحس کے نور سے ہے وہ جُدا

رنگ پنہاں تھا کہ تھی بے نور شب
نور پیدا ہوگیا ضد کے سبب

رنگ شب کی ظلمتوں میں بے نمود
رنگ کیا ہے ، مہرۂ کور و کبود

گاہے دیکھا نور تو پیدا تھا رنگ
ضد سے ضد ظاہر ہوئی جوں روم و زنگ

دیکھ پہلے نور اس کے بعد رنگ
پائے ضد سے نور اس کو بے درنگ

نور کی ضد سے تو جانے کیا ہے نور
ضد سے ضد کا فاش سینوں میں ظہور

رنج و غم اس واسطے پیدا ہوئے
تا خوشی غم کے سبب ظاہر رہے

ضد نہ ہو تو ضد کی پیدائی نہیں
حق ہے پوشیدہ کہ ضد اس کی نہیں

نورِ حق کی ضد نہیں پائی گئی
تا کہ ظاہر کر سکے ضد اس کو بھی

اس کو دیکھے آنکھ ہے یہ بات دور
دیکھتا ہے وہ کلیمؑ و کوہِ طور

شکل و معنیٰ شیر و جنگل کی مثال
یا کہ جوں صوت وسخن سے ہے خیال

محضر صوت و سخن پر ہے خیال
بحرِ اندیشہ کو پانا ہے محال

چونکہ یہ موجیں سخن کی ہیں لطیف
بحر کو بھی تُو نے سمجھا ہے شریف

عقل سے موج خیالی کا اُبھار
ہوگیا صوت و سخن میں آشکار

بات سے صورت بنی بن کر مٹی
موج دریا کی اُبھر کر دب گئی

شکل بےشکلی سے اور پھر جوں کی توں
پھر ہوئی ، انا الیہ راجعون

ہے تجھے ہر لحظہ موت اور واپسی
مصطفیٰؐ بولے ہے دنیا لمحہ کی

تیرِ فکر اپنا ہوا میں تا کجا
جائے گا پھر لوٹ کر سوئے خدا

ہم نئے ہر لحظہ دنیا بھی نئی
پر نظر آئی نہ تبدیلی کوئی

نو بنو عمر اپنی ندی سی چلی
تن میں جولانی نظر آتی رہی

شکل اک رفتار سے تھی برقرار
جیسے چنگاری سے حلقہ آشکار

تو کوئی مشعل گھمائے گا اگر ایک لمبی آگ آئے گی نظر
سرعتِ ایجاد ہے طولِ بقا بس یونہی ہے تیزئ صُنعِ خُدا
طالب اس سر کا جو اک علامہ ہے وہ حسام الدین سامی نامہ ہے
وصف اُس کا شرح و توضیح سے ہری بول قصّہ چھوڑ یہ بے وقت کی

خرگوش کا شیر کے پاس پہنچنا اور شیر کا اس پر غصہ

شیر جیسے شعلہ تھا غصّہ میں چور دیکھا آتا ہے کوئی خرگوش دور
دوڑتا آتا ہے بے خوف و خطر ترش رو غصّہ کا مارا سر بسر
بزدلی اس کی ہے تہمت کا شکار ہوگئی اس کی دلیری پردہ دار
آگیا جب بڑھ کے وہ نزدیک صف شیر غرّا کر کہا اے ناخلف
چیر ڈالیں میں نے گائیں کس قدر نرم کر ڈالے زمیں نے شیر نر
تجھ سے اک خرگوش کی اتنی مجال کھیل میرا حکم سمجھا بد خصال
ہوش میں آ سونے والے چونک جا میرا غرّہ بھی گدھے سُن لے ذرا

تاخیر کی وجہ سے خرگوش کا شیر سے معذرت اور خوشامد

بولا وہ خرگوش ہو جاں کی اماں تا کہ اپنے عذر کو کر دوں بیاں
ہو اگر رخصت تو سب کھل کر کہوں تو مرا آقا میں تیرا بندہ ہوں
بولا کہہ دے اے قصورِ ابلہاں آئیں گے فرصت سے کیا پیش شہاں
سر کٹے گا مُرغ بے ہنگام کا عذر احمق ہے بھلا کس کام کا
عذر احمق جرم ہے سب سے بڑا عذر احمق کا ہے حنظل سے سِوا
عذر اے خرگوش تیرا کیا سنوں گوشِ خر رکھتا نہیں میں تا سنوں
بولا میں نا کس سہی اک بات سُن سُن ہیں مظلوموں پہ جو آفات سُن
صدقہ عظمت کا تری کچھ دے ادھر ایک گمراہ کو تو در سے رد نہ کر

بحر وہ ہے نہر کو پانی جو دے   وہ جو تنکوں کو سنبھالے لے چلے
کم نہ ہوگا بحرِ جود اکرام سے   بیش و کم ہوتا نہیں انعام سے
بولا ہر موقع رہے گی ہر عطا   قد پہ ہی جامہ تراشا جائے گا
بولا سُن لے گر نہیں جائے کرم   ظلم کے آگے ہمارا سر ہے خم
چاشت کے وقت آ رہا تھا راہ میں   لے کے ہمراہی حضورِ شاہ میں
ساتھ میرے ایک خرگوش دِگر   قوم نے بھیجا برائے شہ ادھر
مجھ پہ جھپٹا راہ میں شیرِ دگر   تھی ہم آنے والوں پر اس کی نظر
بولا ہم ! بندے ہیں شاہنشاہ کے   ادنیٰ خدمت گار ہیں درگاہ کے
پوچھا شاہنشاہ کہتا ہے کسے   نام ناکس کا مرے آگے نہ لے
پھاڑ دیں گے تجھ کو تیرے شاہ کو   لے کے ساتھی کو اگر جائے گا تو
بولا اِس کو چھوڑ دے ایک بار اگر   شاہ کو جاکر میں دوں تیری خبر
بولا رکھ دے رہن ساتھی کو ترے   ورنہ خوں تیرا روا میرے لیے
چاپلوسی ہوگئی بے فائدہ   رکھ لیا اِس کو کیا مجھ کو رہا
رہن اس کے پاس ساتھی رہ گیا   ہوگیا خوں اس طرح ارمان کا
مجھ سے تگنا میرے ساتھی کا بدن   اس کی پاکی اس کی خوبی اس کا تن
اب وہ رستہ بند ہوکر رہ گیا   لے جو کہنا تھا مجھے وہ کہہ دیا
اب وظیفہ کی توقع ترک کر   بات تو سچی ہے کڑوی ہے مگر
گر وظیفہ چاہیے کر راہ صاف   دفع کر بے شرم ہے تیرے خلاف

شیر کا خرگوش کو جواب دینا اور اس کے ساتھ روانہ ہونا

بولا بسم اللہ بتا وہ ہے کہاں   آگے آگے چل ہے گر سچا بیاں
اُس کو اُس جیسوں کو سکھلاؤں سبق   گر غلط ہے تجھ کو پہنچاؤں گا حق
اُس کو لے کر چل رہا تھا سامنے   لا کے یوں پھندے میں اس کو پھانسنے

اک معین چاہ کو لے کر چلا
اس کو وہ گہرا کنواں ہی جال تھا

آگئے دونوں ہی مل کر نزد چاہ
واہ رے خرگوش آبِ زیر کاہ

خس کو لے جائے جو پانی کیا عجب
اے عجب زد میں ہے غلطاں کوہ اب

مکر اس کا شیر کو پھندا بنا
شیر کو خرگوش اچک کر لے گیا

لے گئے موسیٰ سوئے دریائے نیل
ہمرہ فرِعون اک فوج ثقیل

ایک مچھر نیم پر کے زور پر
رکھ دیا نمرود کا سر چھید کر

دیکھ اس کو جس نے دشمن کی سُنی
دوستی دشمن کی دِکھلائے یہی

حال ادھر فرعون کا ہاماں سے بد
حال ادھر نمرود کا شیطاں سے بد

دشمنوں کی دوستانہ گفتگو
دانہ بتلاتی رہی ہے دام کو

دے اگر مصری سمجھ لے زہر ہے
مہربانی کو سمجھ لے قہر ہے

جب قضا آئے نہ دیکھے غیر پوست
دشمن آئیں گے نظر مانندِ دوست

آئے جب یہ وقت تو ہوجا رُجوع
نالہ و تسبیح و روزہ کر شروع

گِڑگڑا کر بول علّام الغیوب
مکر سے رکھ دور تو واقف ہے خوب

یاَ کرِیمہ اُ لعَفُو، ستّار العَیُوبَ
تو کرم سے بخش دے میرے ذنوب

جو بھی دُنیا میں ہے دے اس کی خبر
جو بھی ہے جیسا دِلوں پر فاش کر

ہم سے کتّا پن بھی گر تو دیکھ لے
شیر کو ہم پر مسلط کر نہ دے

شکل بھی پانی کی پانی سی رہے
آگ پانی سی نظر آنے نہ دے

جب پلائی تو نے صہبا قہر کی
نیستی بھی ہست سی دکھنے لگی

آنکھ کھو دیتی ہے مستی میں نظر
لگتے ہیں اک اون، پتھر اور گہر

کیا ہے مستی؟ حِس کی تبدیلی کا نام
جھاؤ کو صندل کا دے دینا مقام

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کا قصہ اور یہ بیان کہ جب قضا آتی ہے تو آنکھیں بند ہو جاتی ہیں

جب سلیمانؑ کے لیے خیمہ لگا — ہر پرندہ حاضرِ خدمت ہوا
ہمزبان و راز داں جو مل گیا — صدق دل سے ہر کوئی آگے بڑھا
سب پرندوں نے وہ چیں چیں چھوڑ دی — ہوگئے گویا سلیمانؑ سے سبھی
ہمزبانی خود قرابت ہے بڑی — جیسے اک قیدی ہے حالِ اجنبی
ترک دہند وہیں بہت سے ہمزباں — اور کبھی دو ترک خود بیگانگاں
یوں تو ہوتی ہے زباں سے محرمی — ہمزبانی سے ہے بہتر ہمدلی
بن کہے اور بن بتائے صد ہزار — ہوں گے دل سے ترجمان و رازدار
کر رہے تھے سب بیانِ کار خود — سب کمال و دانش و اسرار خود
آگئے پیشِ سلیمانؑ سب طیور — باریابی کے لیے ان کے حضور
کچھ تکبّر تھا نہ ان میں خودسری — چاہتے تھے بس حضوری آپ کی
پیشِ خواجہ جس طرح کوئی غلام — عرض کرتا ہو ہنر اپنے تمام
گر خریداروں کو آئے اس سے ننگ — ہو رہے بیمار ، لولا ، بہرا ،لنگ
آخرش ہُدہد کی نوبت آگئی — اِس نے سب کاریگری اپنی کہی
بولا شہ سے کہہ کے معمولی ہنر — میں کروں گا بات اپنی مختصر
پوچھا شہ نے کون سا ہے وہ ہنر — بولا ہوتا ہوں میں جس دم اُوج پر
دیکھ لیتا ہوں وہیں سے بایقیں — موجۂ آبِ رواں زیرِ زمیں
ہے کہاں اور کتنا گہرا کیا ہے رنگ — خاک سے پیدا ہے یا از بطنِ سنگ
اے سلیمانؑ بہر لشکر گاہ تو — رکھ سفر میں ساتھ اِس آگاہ کو
پس سلیمانؑ نے کہا تو اے شفیق — ہوگا بے پانی کے جنگل میں رفیق
تا دکھائے پانی لشکر کے لیے — اور سفر کے وقت سقائی کرے

تو رہے گا بن کے اپنا پیشوا ہوگا پانی کے لیے اک آسرا
تو رہے گا ساتھ اپنے روز و شب تا نہ دیکھے پیاس سے لشکر تعب
بعد ہُدہُد ان کا ہمراہی بنا کیونکہ آگہ آب پنہانی سے تھا

کوے کا ہدہد کے دعوے پر طعنہ زنی کرنا

ہوگیا یہ سُن کے کوّے کو حسد بولا وہ ہے اک غلط گو اور بد
پیش شہ ہے مانع گفتار ادب ہے خصوصاً جھوٹ، شیخی راست کب
گر نظر تیز ایسی حاصل تھی اسے چھپ نہ سکتا دام تھوڑی خاک سے
کس طرح اِن کو پھنساتے صید گیر وہ قفس میں کب پڑے رہتا اسیر
پس سلیمانؑ نے کہا ہُد ہُد بتا جام اوّل ہی یہ کیوں گدلا ہوا
چھاچھ پی کر آگئی مستی تجھے میرے آگے جھوٹ کو ٹھانی تجھے

اس طعنہ کے بارے میں ہدہد کا حضرت سلیمان علیہ السلام کو جواب دینا

بولا اے شہ میں ہوں اک عُریاں گدا بات دُشمن کی نہ سُن بہر خُدا
ہاں غلط نکلے اگر دعویٰ مرا رکھ دیا سر لے ابھی گردن اُڑا
کوّا ہے اک منکرِ حکم خُدا باوجود عقل وہ کافر رہا
تجھ میں کافِ کافراں بھی ہو اگر گندہ ہے تو شہوتی ہے سر بسر
دیکھ تو سکتا ہوں میں پھندا بجا گر نہ باندھے آنکھ پر پٹی قضا
جب قضا آئی گئے سب علم و فن چاند سورج کو بھی لگتا ہے گہن
یہ قضا کا کھیل ہے کب ہے نیا ہے قضا ہی سے یہ انکارِ قضا

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ۔ قضا کا ان کی آنکھ کو بند کر دینا صاف ممانعت کی نگہداشت ہے اور ممانعت کو ترک کرنا اور تاویل کرنا

عَلّم اُلَا سُماَ سے آدم پائے علم ۔۔۔ ان کی رگ رگ بن گئی دریائے علم
جیسی ہے ہر چیز ویسا اس کا نام ۔۔۔ حاصل اس سے جاں کو تقویت تمام
جو لقب اس نے دیا بدلا نہیں ۔۔۔ جس کو بولا چست وہ بودا نہیں
بولے مقبل جس کو بھی آزاد وہ ۔۔۔ صاحب عزت ہے وہ، دلشاد وہ
قبلِ ایماں اس کو مومن کی خبر ۔۔۔ کفر سے پہلے ہی کافر پر نظر
ہے وہی مومن جو آخر بین ہے ۔۔۔ اسطیل دیکھے تو وہ بے دین ہے
پوچھ نام آگاہ سے ہر چیز کا ۔۔۔ پوچھ رمز عَلّم اُلا سُماَء ہے کیا
دیکھ کر ظاہر کو ہم دیتے ہیں نام ۔۔۔ ہے خُدائی نام کو باطن سے کام
جس کو موسیٰؑ نے دیا نامِ عصا ۔۔۔ نام اُس کا نزد حق تھا اژدھا
اس جگہ نامِ عمرؓ تھا بت پرست ۔۔۔ اور مومن نام تھا روز الست
وہ کہ ہم جس کو سمجھتے تھے منی ۔۔۔ پیشِ حق وہ تھا بشکلِ آدمی
تھی مُشکّل یہ منی دقتِ عدم ۔۔۔ پیشِ حق موجود وہ بے بیش و کم
اپنا جو بھی حق کے ہاں انجام ہے ۔۔۔ اس سے وابستہ ہمارا نام ہے
نام کو ہے عاقبت سے واسطہ ۔۔۔ کب ہے اس کو عاریت سے واسطہ
تھی نظر آدمؑ کی نورِ پاک ہی ۔۔۔ نام سے اس نے حقیقت دیکھ لی
اس میں انوارِ خُدا کو دیکھ کر ۔۔۔ جُھک گئے باندھی فرشتوں نے کمر
چونکہ نورِ حق انھیں آیا نظر ۔۔۔ نوریوں نے رکھ دیا سجدے میں سر
مدح آدم تا قیامت بھی کروں ۔۔۔ حق ادا کرنے میں قاصر رہوں
تھی خبر سب کچھ پر آئی جب قضا ۔۔۔ اک نہی کے جاننے میں کی خطا

اے عجب نہی باعثِ تحریم تھی ۔۔۔ یا کوئی تاویل تھی ، توہیم تھی
دل نے جب تاویل کو ترجیح دی ۔۔۔ سوئے گندم ان کو رغبت ہوگئی
باغباں کے پاؤں میں کانٹا چبھا ۔۔۔ چور کو اچھا ہوا سب لے چلا
جب گئی حیرت انھیں ہوش آ گیا ۔۔۔ دیکھا جو سرمایہ تھا سب لٹ گیا
بول کر اِنّاظَلَمْنَا آہ کی ۔۔۔ چھائی ظلمت راہ آخر کھو گئی
ابر بن کر ڈھانپے سورج کو قضا ۔۔۔ ہوں مثالِ موش شیر و اژدھا
ہے مبارک مرد جو نیکی کرے ۔۔۔ کر کے ترکِ زور جو زاری کرے
رات بن کر ڈھانپتی ہے گر قضا ۔۔۔ خود پکڑ کر ہاتھ کرتی ہے رہا
گر کرے سو بار قصدِ جاں قضا ۔۔۔ جان بخشے اور کرے درماں قضا
لوٹ لیتی ہے تجھے سو بار اگر ۔۔۔ تجھ کو پہنچاتی ہے آخر چرخ پر
ہاں ڈراتی ہے کہ ہے وہ مہرباں ۔۔۔ تجھ کو پہنچاتی ہے بر جائے اماں
وہ ڈراتی ہے تو کرنے ہوشیار ۔۔۔ گمرہی کا ورنہ ہو جائے شکار
گر نہ دیکھوں دام در وقتِ قضا ۔۔۔ کہئے کیا میں ہی فقط جاہل رہا
قصّہ یہ ہے طول ہوجائے نہ دیر ۔۔۔ پھر سے سُن وہ قصّہ خرگوش وشیر

کنویں کے پاس آ کر خرگوش کا شیر سے پیچھے ہٹنا

شیر جو خرگوش کے ہمراہ تھا ۔۔۔ پُر غضب تھا ، کینہ ور ، بدخواہ تھا
آگے آگے تھا جو خرگوش اب تلک ۔۔۔ پیچھے بھاگا شیر کے وہ یک بیک
شیر نے دیکھا کنواں جو آ گیا ۔۔۔ ساتھ جو خرگوش تھا پیچھے چلا
پوچھا یوں کیوں بھاگتا ہے اب بتا ۔۔۔ کس لیے پیچھے قدم آگے بڑھا
بولا دست و پا گئے ، پاؤں کہاں ۔۔۔ دل دھڑکنے لگ گیا لرزاں ہے جاں
زرد چہرہ کیا نظر آتا نہیں ۔۔۔ حالِ باطن اس سے تو پاتا نہیں
حق نے جو پہچان کو پیشانی دی ۔۔۔ چشمِ عارف وقف پیشانی رہی

رنگ و بو مانندِ آوازِ جرس
ہنہناہٹ کیا ہے آوازِ فرس

دیتی ہے آواز ہر شئے کی خبر
ہے الگ آواز خر سے شور در

بولے پیغمبرؐ براہ خامشی
چھپ کے رہ جاتا ہے اکثر آدمی

حالِ دل ہے صاف صورت سے عیاں
مجھ پہ تھوڑا رحم فرما مہرباں

رنگ روئے سُرخ ہے اظہار شکر
رنگِ روئے زرد وجہِ صبر و نکر

مجھ میں ہے وہ چیز کہ جس سے ہیں مات
آدمی حیواں ، جمادات و نباتات

آگئی وہ شئے جو کر دے بدحواس
زرد کر دے جو بنادے پُر ہراس

آئی وہ کر دے جو غارت سر بسر
بیخ و بن سے جو اکھڑ وائے شجر

کلیات ان سے یہ اجزا ہیں سبھی
زرد رنگ ان کا ہے ان میں باس بھی

ہے مقام صبر و شکر اپنا جہاں
ہے بہار اس میں کبھی اس میں خزاں

سرخ رو سورج وہ اب چڑھتا ہوا
ساعتِ دگر خوہ اوندھا ہوگیا

یہ درخشاں اخترانِ آسماں
لحظہ لحظہ جل رہے ہیں وہ وہاں

چاند جس کا رشک انجم تھا جمال
لاغری سے ہو رہا ہے جوں ہلال

یہ زمیں جو سر بسر انعام ہے
زلزلوں سے لرزہ براندم ہے

اس بلا سے کتنے کوہِ پُر جلال
رہ گئے گھٹ گھٹ کے ذروں کی مثال

جان سے وابستہ ہے جو یہ ہوا
ہوگی ہنگامِ قضا خود اک وبا

روح کا ہمشیر یہ آب زلال
گدلا بدلذّت ہے کھڈ میں اس کا حال

آگ کو سرکش جو کرتی ہے ہوا
اس پہ پڑھ دیتی ہے خود ہی فاتحہ

فصلِ گل میں خاک جو ہے گلستاں
خاک اڑاتی ہے ہوا آکر وہاں

بحر اس کی زد میں ہے پر اضطراب
دیکھ یہ لاتی ہے کیا کیا انقلاب

ٹوہ میں گردوں کسی کی بے قرار
جیسے فرزند اس کے خود پر اضطرار

گہ حضیض و گامیانہ گاہ اوج
اس میں سعد اور نحس ہیں سب فوج فوج

گہ شرف ، گاہے بلندی گہ خوشی
گہ وبال و گہ تنزل گہ غمی

کل سے ہے اے جُز تری وابستگی فہم حال منبسط کرلے تو ہی
جب بڑوں کا حصّہ ٹھہرا درد و رنج کیا کبھی چھوٹوں کو حاصل ہوگا گنج
چونکہ کلیات کو ہے رنج و درد کیوں نہ ہوگا رنگ روئے جزو زرد
جزو جو مجموعۂ اضداد ہے وہ جو نار و آب و خاک و باد ہے
بھیڑ بھاگی بھیڑیے سے کیا عجب ہو ملاپ ان میں تو ہے قصّہ عجب
آشتی اضداد کی ہی زندگی ہو جو ان میں کشمکش تو موت ہی
صلح ہے اضداد کی عمر جہاں اور لڑائی ان کی عمرِ جاوداں
زندگی یہ آشتی دشمناں موت سوئے اصل جانا ہے دواں
دشمنوں کی آشتی ہے عارضی جنگ کی نوبت ہے ان میں آخری
باہمی کچھ دن ہے خالص مصلحت ہے دو دن کی یہ وفا یہ مرحمت
لوٹ کر جانا ہے سوئے اصل ہی ہے کشش ہر جنس کو ہم جنس کی
دوستی چیتوں کی بکروں سے عجب اور کیا ہے گر نہیں ہے فضلِ رب
گور خر اور شیر کی یہ دوستی لطفِ حق یکجائی ہے ضدین کی
یہ جہاں رنجور ہے زندانی ہے کیا تعجب ہے اگر یہ فانی ہے

شیر کا خرگوش سے رکنے کا سبب پوچھنا اور اس کا جواب

شیر سے کہتا رہا ، اس طرح پند رہ گیا پیچھے تھی اس کی راہ بند
بولا ہیں ویسے بہت اسباب پر پوچھتا ہوں یہ سبب میں خاص کر
پیچھے ہٹنے سے تھا کیا مقصد ترا دھوکے کی ناکارہ تجھ کو سوجھی کیا
بولا وہ شیر اس کنویں میں ہے نہاں مل گئی اس قلعہ میں اس کو اماں
چہ میں میرے یار کو چھینے چلا راہ سے بے راہ کرکے لے گیا
قعر چہ مرغوب عاقل کے لیے خوب خلوت پاکیٔ دل کے لیے
قعر کی ظلمت بھلی یا خلق کی سر اُٹھاتا ہے خوشامدگر کبھی

بولا میرا زخم کاری ہے بڑا　　شیر وہ اس میں کہاں ہے آ دکھا
ہاں جلایا مجھ کو اپنی آگ سے　　ہاں دکھاؤں گا ، بغل میں تُو جو لے
تا کہ ترے بل پہ آنکھیں کھول کر　　چاہ کے اندر میں ڈالوں اک نظر
آ سکوں گا تو ہو پشتیباں اگر　　چاہ کے اندر بھی ڈالوں گا نظر

شیر کا کنوئیں میں جھانکنا اور اپنے اور اس خرگوش کے عکس کو دیکھنا

شیر اسے اپنی بغل میں لے لیا　　وہ پناہ شیر میں چہ تک چلا
دیکھا پانی میں انھوں نے جھانک کر　　عکس دونوں کا وہاں آیا نظر
شیر اپنا عکس دیکھا جل گیا　　ساتھ اس کے اک بڑا خرگوش تھا
پالیا موجود دشمن کو وہاں　　اک چھلانگ اس نے لگائی ناگہاں
اس کنویں میں گر پڑا کھودا جسے　　گھیرنے والا تھا ظلم اس کا اِسے
ظالموں کا ظلم ہے اندھا کنواں　　یوں ہی فرمائے ہیں جملہ عالماں
ظلم جیسا ویسا پاؤ گے کنواں　　ہے صلہ بدتر کا بدتر بے گماں
کھودنے والے کنوئیں کے جان لے　　تن رہا ہے جال خود اپنے لیے
کر رہا ہے ظلم کمزوروں پہ گر　　چاہ بے بن ہے تری قسمت ادھر
کرم سا ریشم نہ تن پر تان لے　　کھودتا ہے چاہ کیا اپنے لیے
کیا کوئی بے بس کو پوچھے گا نہیں　　آیۂ اِذاجاء نَصرُ اللہ نہیں
گر ہے ہاتھی مات دشمن کھا گئے　　اور ادھر طَیراً ابابیل آ گئے
لب سے کمزوروں کے سن کر الاماں　　شور کرتی ہے سپاہ آسماں
کاٹ کر دانتوں سے گر پر خوں کرے　　مبتلائے درد دندان ہو رہے
عکس خود دیکھا ہوا بے اختیار　　کرلیا اس کو عدو اپنا شمار
عکس خود کو اپنا دشمن جان کر　　سونت لی تلوار اپنی آپ پر
تم جو دشمن پاؤ گے اکثر یہاں　　عکس خوئے خود کو پاؤ گے عیاں

ان میں پائے گا عیاں ہستیِ خود　　سب نفاق و ظلم و بدمستیِ خود
خود کو گھائل کرنے والا ہے تو ہی　　تارِ لعنت تُو نے خود پر تان لی
پر نظر آتی نہیں اپنی بدی　　ورنہ ہوتے اپنے دُشمن آپ ہی؟
آپ اپنے پر یہ تیرا وار ہے　　شیر کے مانند خود آزار ہے
اپنی عادت کو جو دیکھے غور سے　　اپنی ہی خامی نظر آئے تجھے
پس کنوئیں میں ہوگیا معلوم اسے　　عکس خود دیکھا تھا اس نے سامنے
ظلم جو کوئی ضعیفوں پر کرے　　شیرِ بد انجام کی غلطی کرے
دیکھتا ہے تو چچا کے رُخ کا تل　　منعکس ہے اس کے رُخ پر تیرا تل
مومن اک دیگر کے آئینہ تمام　　یہ ہے قول حضرت خیرالانامؐ
ہے تیری آنکھوں پہ عینک نیلگوں　　تیری دنیا اس لیے نیلی ہے یوں
گر نہیں اندھا ، اندھیرا تجھ سے ہی　　غیر کو الزام مت دینا کبھی
گر نہ مومن نور حق سے دیکھتا　　عیبِ مومن کیوں برہنہ بولتا
چونکہ تو بے نظر ؟ اللہ تھا　　نیک و بد میں فرق کرنے سے رہا
آگ کو پانی سے آہستہ بجھا　　بوالحزن ! اس آگ سے تو نُور پا
بول تو یا ربّنا آب طہور　　نار دنیا تا بدل جائے بہ نور
کوہ و دریا سب حکومت میں تری　　آب و آتش تیرے ہی یارب سبھی
تُو جو چاہے آگ آبِ خوش بنے　　ورنہ چاہے آب بھی آتش بنے
بے طلب ہم کو مرادیں مل گئیں　　بے عدو تجھ سے عطائیں مل گئیں
مانگنے پر کیوں نہ دے گا اے وَدود　　ہے تجھی سے یہ سبھی جو دو وجود
تھی عدم میں کون سی اپنی طلب　　نعمتیں دیں تُو نے بن مانگے عجب
جان وناں کے ساتھ عمر جاوداں　　نعمتیں اتنی ہے ناممکن بیاں
بے حد و بے انتہا تیری عطا　　بابِ رحمت ہر کسی پر ہے کھُلا
یہ طلب بھی ایسی ہے تیری عطا　　ظلم سے چھٹکارا بھی تجھ سے مِلا

بے طلب تیری عطا گنجِ نہاں ہے عطائے مفت خود جانِ جہاں
ہو یوں ہی انعام تا دارلسلام از طفیل حضرتِ خیر الانامؐ

خرگوش کا شکاروں کے پاس خوشخبری لے جانا کہ شیر کنوئیں میں گر گیا

جاں بچی خرگوش بے حد خوش ہوا پاس نخچیروں کے جنگل کو چلا
ظلم میں ظالم کو پاکر مبتلا سوئے قومِ خود بہ سرعت چل دیا
ہوگیا شیر اپنے ہاتھوں سے تباہ اور لی خرگوش نے بھی اپنی راہ
شیر کو دیکھا کنوئیں میں زار زار کودتا نکلا وہ سُوئے مرغزار
جاں بچی اس نے بجائیں تالیاں سبز و رقصاں شاخ پر جوں پتیاں
شاخ پتّے سر اُٹھا کر خاک سے ہمرہ بادِ رواں جھوما کیے
چیر کر شاخوں کو نکلیں پتیاں سبز پوش ان سے ہوئیں سب ڈالیاں
ہے زبانِ شاخ پر شکر خُدا اور تھی تسبیح برگ و بر جُدا
شاخ ہائے بے زبانِ و برگ و بار کر رہے تھے ذکر و شکر کردگار
یہ کہ جڑ کو سینچ کر وہ ذوالعطاء سر اُٹھانے کا ہمیں موقع دیا
زندہ جاں وہ بستگاں آب و گل چھوٹ کر ہوتے ہیں جس دم شاد دل
عشق حق میں رقص فرما مست حال بے خسارہ ماہ کامل کی مثال
وجد میں ہے تن نہ پوچھو حالِ جاں بن گئے جو جان بات ان کی کہاں
شیر کو خرگوش نے قیدی کیا حیف اُسے خرگوش نے چت کردیا
ننگ میں تو مبتلا رہ کر عجب فخر دیں کا چاہتا ہے تو لقب؟
تو ہے جیسے شیر اندر چاہ دہر نفس کا خرگوش بر ساتا ہے قہر
چر رہا ہے نفس جنگل میں ترا تو کنوئیں میں محو در چون و چرا
سوئے نخچیراں چلا وہ شیر گیر بولا اے قوم آگیا ہے لو بشیر
اے گروہ عیش بازاں ہو نوید وہ سگِ دوزخ ہوا دوزخ رسید

لو رہائی مل گئی خونخوار سے
توڑ ڈالے اس کے دانت اللہ نے

مژدہ مژدہ ہوگیا وہ غرقِ چاہ
ہوگیا وہ ختم از فضلِ الہٰ

ظلم سے اس نے کیے کتنے ہلاک
کر دیا اس کو قضا نے آج پاک

اس کو غیر از ظلم کچھ بھاتا نہ تھا
آہِ مظلوماں سے ہے ظالم فنا

توڑی گردن پھاڑ ڈالا مغز بھی
لو مشقت سے ہمیں فرصت ہوئی

فضل حق نے کر دیا اس کو فنا
فتح مند اللہ نے تم کو کیا

شکاروں کا خرگوش کے پاس جمع ہونا اور اس کی مدح وثنا کرنا

جمع ہوکر آگئے سارے وحوش
شاد و خنداں تھے سوا تھا ان میں جوش

وہ مثالِ شمع ان کے درمیاں
اس کے آگئے جھک گئے صحرائیاں

بولے ہے کوئی فرشتہ یا پری
یا کہ عزرائیل شیراں ہے تُو ہی

جو بھی ہو تو اپنی جاں تُجھ پر فدا
غلبہ تیرے دست و بازو کا بجا

تیری ندی سے ہمیں پانی مِلا
رکھے حق سالم یہ تیرے دست و پا

بول قصّہ تاکہ وہ درماں بنے
کچھ سناتا زخم پر مرہم لگے

بول یہ سب کچھ تو کیونکر کر سکا
بول ظالم کو فنا کیونکر کیا

بول پھر کچھ اس ستمگر کا بیاں
اس کے جور وظلم سے گھائل ہے جاں

بول پھر وہ قصّۂ شادی ذرا
وہ غذائے روح دل کو جاں فزا

بولا تائیدِ خدا ہے یہ سبھی
ورنہ کیا ہستی ہے اک خرگوش کی

تن کو قوت اور دل کو نور بھی
نورِ دل کو دست و پا کو زور بھی

خرگوش کا شکاروں کو نصیحت کرنا کہ دشمن کی موت پر خوش نہ ہوں

فضلِ حق سے ہے بزرگی کی عطا
اور ہے تبدیلی کا باعث بھی خُدا

جو بھی ہوگا جانیئے فضل و کرم
بہر سجدہ چاہیے سر اپنا خم

باری باری فضل یہ اللہ کا
اہل دید اہلِ گماں سب کو ملا

سلطنت سے نوبتی شادی نہ کر
ہے بندھی باری سے آزادی کدھر

جو نہیں پابندِ نوبت وہ شہاں
ان کی نوبت تا ورائے آسماں

جو شہاں باری سے برتر باقی ہیں
دور دائم روحوں کے وہ ساقی ہیں

اپنی باری پر جو دولت مل گئی
کیوں اکڑتا ہے تو اس پر اے دنی

اک دو دن اس کو جو پینا چھوڑ دے
اپنا منہ تر خلد کی مے سے کرے

اک دو دن کیا، ایک ساعت یہ جہاں
جس نے ترک اس کو کیا وہ شادماں

معنیٔ اَلتّرکُ راحت سن ذرا
بعد ازاں کر نوش تو جامِ بقا

چھوڑ کتّوں کے لیے مردار کو
پرزے کر دے شیشۂ پندار کو

تفسیر "رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِالْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ"

ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں کی تفسیر

ہم نے مارا اک عدوئے ظاہری
بدتر اک دشمن ہے باطن میں ابھی

مارئیے کیوں اس کو عقل و ہوش سے
شیرِ باطن بس میں کب خرگوش کے

نفس دوزخ اور دوزح اژدھا
پیاس دریا بھی بجھانے سے رہا

سات دریا پی کے پیاسا ہی رہا
مخمصہ باقی ہے خلقت سوز کا

پتھر اور یہ کافرانِ سنگدل
ہوں گے داخل سب کے سب خوار وخجل

اس قدر کھاکر بھی بھوکا ہی رہے
آخر آئے گی ندا اللہ سے

پوچھو بس؟ بولے گا بھوکا ہوں ہنوز
یہ ہے آتش ، یہ بھڑکنا اور یہ سوز

کرکے ایک ہی لقمہ عالم کو سبھی
چیخ اُٹھے بھوک ہے دو اور بھی

لامکاں سے پاؤں رکھے گا خُدا
کن فکاں سے سرد وہ ہوجائے گا

چونکہ دوزخ سے ہے اپنا نفس بھی
جزو میں ہے کُل کی خاصیت سبھی

سرد اسے کرنے ہے اللہ کا قدم
غیرِ حق سے یہ کمان ہوگی نہ خم

تیر سیدھے رکھتے ہیں اندر کماں | تیر ٹیڑھے اس کے یہ ٹیڑھی کماں
بن کے سیدھا اس کماں سے چھوٹ جا | تیر سیدھا ہی چلایا جائے گا
جنگِ ظاہر سے جو فرصت ہوگئی | اب چلا ہوں بہر جنگ باطنی
یا نبیؐ ! چھوڑا جہادِ اصغراب | ہم چلے بہرِ جہاد اکبر اب
حق سے مانگوں قوّت دِریا شگاف | تا اکھیڑوں سوئی سے میں کوہِ قاف
صف شکن و شیر کیسا شیر ہے | خود شکن جو ہے وہ سچا شیر ہے
نصرتِ حق سے بنے شیر خدا | نفسِ و فرعونی سے ہو تا کہ رہا

قیصر روم کے ایلچی کا پیغام لے کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آنا

اس بیاں میں عرض ہے قصّہ سنو | تا کہ مطلب میرا تم کچھ پاسکو
روم سے کر کے مدینے کو سفر | قاصدِ قیصر تھا جو پائے عمرؓ
پوچھا ایوانِ خلیفہ ہے کہاں | اسپ و ساماں تا کہ لے جاؤں وہاں
لوگ بولے قصر و ایواں میں کہاں | ہے عمرؓ کا جانِ روشن آستاں
گو کہ سرداری کی شہرت ہے بڑی | ہے فقیروں کی سی ان کی جھونپڑی
قصر ان کا ڈھونڈ پانا ہے محال | چشمِ دل میں تیری اُگ آیا ہے بال
چشم دل سے موئے علّت دور کر | ڈال پھر اس قصر کی جانب نظر
ہے ہوس سے دور جس کی جانِ پاک | دیکھ سکتا ہے وہی ایوانِ پاک
نار سے جو دور ہو جوں مصطفیٰؐ | جس طرف دیکھے ہو دیدارِ خدا
دوست ہے جب وسوسہ بدخواہ کا | ثم وجہ اللہ کیوں دیکھے بھلا
ہوگیا سینوں میں جس دم فتح باب | دیکھے ہر ذرے سے پیدا آفتاب
حق نمایاں ہر کسی کے درمیاں | ماہ جیسے بزمِ انجم میں عیاں
دونوں آنکھیں انگلیوں سے بند کر | بول پھر آتا ہے تجھ کو کچھ نظر ؟
گو نہ دیکھے یہ جہاں موجود ہے | نفس کی انگشت سے نابود ہے

اپنی آنکھوں سے ہٹا کر انگلیاں
دیکھ جو کچھ دیکھنا چاہے یہاں
نوحؑ سے پوچھا کہاں ہے وہ ثواب
آپ نے فرمایا آں سوئے نقاب
منہ کو سر کو جامے سے ڈھانپے ہوئے
آنکھ ہوتے بھی تم اندھے ہی رہے
آدمی ہے دید باقی پوست ہے
دید بھی وہ جو کہ دیدِ دوست ہے
دید جاناں گر نہ ہو کوری بھلی
دوست باقی گر نہ ہو دوری بھلی
جب سُنی قاصد نے یہ شیریں خبر
ہوگیا سُن کر یہ سب مشتاق تر
وہ عمرؓ کی جستجو کرنے لگا
اسپ و ساماں سب وہیں رہنے دیا
لے چلی اس کو تلاش مردکار
پوچھتا تھا ان کو وہ دیوانہ وار
آدمی ایسا بھی ہوتا ہے کہیں؟
جان کے مانند جو دکھتا نہیں
بندہ بننے ان کا جویا ہوگیا
ڈھونڈنے والا بلا شک پائے گا

شاہ روم کے قاصد کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھجور کے درخت کے نیچے سوتے ہوئے پانا

اک زنِ بدو نے دکھلایا اُدھر
زیرِ نخلِ خرما وہ دیکھو عمرؓ!
چھاؤں میں اس پیڑ کی سب سے جُدا
سو رہا ہے دیکھ وہ مردِ خُدا
پاس جاکر وہ کھڑا تکتا رہا
سر بسر تھا کپکپی میں مبتلا
اس پہ اک ہیبت سی طاری ہوگئی
جان پر اس کی خوشی نازل ہوئی
مہر اور ہیبت ہیں ضدّ یک دِگر
بس گیا ضدّین سے اس کا جگر
بولا میں نے بادشہ دیکھے کئی
باریابی ان کے ہاں حاصل ہوئی
اِن سے یوں ہیبت نہیں چھائی کبھی
ان کی ہیبت ہوش میرے لے گئی
میں نے دیکھے بیشۂ شیر و پلنگ
پر نہیں بدلا کبھی چہرے کا رنگ
کتنی جنگوں میں رہا ہوں میں شریک
اور رہا ہوں شیر کے مانند ٹھیک
زخم کھائے کتنے گھائل بھی کیے
دل قوی تر تھا مرا اغیار سے
یہ نہتّا مرد خفتہ خاک پر
میرے ہفت اندام لرزاں کیوں مگر

ڈر ہے خالق کا نہیں مخلوق کا ایک گدڑی پوش سے ڈر کیوں بھلا
جو ڈرے اللہ سے وہ متقی اس سے خائف جن و انسان ہیں سبھی
وہ کھڑا تھا ہاتھ ادب سے باندھ کر ایک گھنٹے بعد جاگ اٹھے عمرؓ
پس بجا لایا وہ تعظیم و سلام بولے پیغمبرؐ سلام اور پھر کلام
بول کر اس کو علیکِ جاں فزا پاس اطمینان سے بٹھلا لیا
وہ تھا ترساں مطمئن اس کو کیے اور ہے تسکیں قلب ترساں کے لیے
لَا تَخَافُوْ ڈرنے والوں کی غذا یہ بشارت ڈرنے والوں کو سزا
لا تخافو کیوں نڈر کے واسطے درس کی حاجت نہیں اس کے لیے
خوش کیا اس کے دل برباد کو شاد کر ڈالا دل ناشاد کو

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیصر روم کے ایلچی سے بات چیت کرنا اور روم کے ایلچی کا سوال کرنا

اُس سے کیں بعد آپؓ نے باتیں دقیق کی ثنائے حق کہ ہے بہتر رفیق
اور جو کچھ اس نے دیا ابدال کو تاکہ وہ جانے مقام و حال کو
حال ہے محبوب کے جلوے کا نام اور یہ دلہن سے خلوت کا مقام
جلوہ شہ اور غیر شہ سب کو نصیب اور ہے خالص شاہ کو قربِ حبیب
دیکھتے ہیں جلوہ خاص و عام پر شاہ کا حصّہ ہے خلوت خاص کر
صوفیا میں ہیں بہت سے اہلِ حال پر ہیں نادر ان میں بھی صاحبِ کمال
جان کی سب منزلوں سے دی خبر اور کہا کیوں رُوح کرتی ہے سفر
ذکر تب کا جب نہ تھا کوئی زماں تھا مقام قدس اجلالی نشاں
اس ہوا کا ذکر جب سیمرغ روح کر رہا تھا اس میں پرواز فتوح
پر زنی اس کی پرے آفاق تھی قصد و امیدیں سوا مشتاق کی
باوجود اک اجنبی وہ یار تھا جان سے وہ طالب اسرار تھا
شیخ کامل ،چیلا بھی پُر اشتہا تیز راکب ، مستعد مرکب کھڑا

قابلِ ارشاد جب پایا اسے پاک دانے اس کے دل میں بو دیے
پوچھا اس نے یا امیر المومنین چرخ سے جاں آئی کیوں سوئے زمیں
حبس میں قیدی ہوئے حد سے سوا جان پر اللہ نے افسوں پڑھا
وہ نہیں رکھتے عدم میں چشم و گوش اس فسوں سے ان میں آجاتا ہے جوش
اس سے جو معدوم تھے وہ زود زود خود اچھلتے آتے ہیں سوئے وجود
پھر وہ جس موجود پر افسوں پڑھا جلد اسے سوئے عدم پہنچا دیا
جسم کو نکتہ سکھایا جان بنا کچھ کہا سورج چمکنے لگ گیا
بات ہیبت کی سنائی کان میں سو گہن سورج کے رُخ پر آن میں
گوشِ گل میں کچھ کہا وہ ہنس دیا کچھ سُنا کر لعل کو چمکا دیا
خاک کے کانوں میں کچھ فرما دیا انتظار و خامشی سکھلا دیا
ابر سے کیا کہنے والے نے کہا مَشک سا آنکھوں سے پانی بہہ چلا
جو تردد میں پریشاں سے کوئی حق نے کوئی بات دل میں ڈال دی
کر دیے پیدا پھر اس میں دو گماں یہ کروں یا وہ کروں ، حیرانیاں
اک طرف سے پھر جھکاتا ہے خدا دونوں میں سے ایک کو وہ چن لیا
یہ تردد گر نہیں تجھ کو پسند کر نہ گوشِ جاں کو تو روئی سے بند
پنبہ وسواس کانوں سے نکال تا سُنے تو آسمانی قیل و قال
تا معموں تک رسائی ہو تجھے تا کہ تو سِرّ و عیاں سب پاسکے
پس محل وحی ہوں گے گوشِ جاں وحی کیا ہے؟ جس کی ہیں باتیں نہاں
چشم و گوش جاں ہیں اس حس سے سوا گوشِ عقل و چشمِ ظن اس سے جُدا
عشق ہے بے صبر لفظ جبر سے جو نہیں عاشق وہ قیدی جبر کے
ہوں تجلی تو ، جبر کہنا ہے غلط چاندنی کو ابر کہنا ہے غلط
جبر بھی ہو تو نہیں یہ جبر عام اور نہیں امارہ سے کچھ اس کو کام
جبر سے آگہ وہی ہے اے پسر چشم دل کو جن کی دی حق نے نظر

غیب و آئندہ ہیں ان کے دل پہ فاش
یاد ماضی کو سمجھتے ہیں وہ لاش

اختیار و جبر ان کے ہیں دگر
سیپ کے اندر یہ قطرے ہیں گہر

قطرے باہر ہوتے ہیں چھوٹے بڑے
سیپ میں چھوٹے بڑے موتی بنے

نافِ آہو سا ہے حال اس قوم کا
تھا لہو باہر جو مُشک اندر بنا

یہ نہ کہہ نافہ سے باہر خون تھا
مشک کیونکر ناف میں جاکر بنا

یہ نہ کہہ تانبا بظاہر کچھ نہ تھا
کس طرح اکسیر سے سونا بنا

اختیار و جبر تیرا اک خیال
ان کے ہاں پہنچا تو ہے نورِ جلال

نان ہے سُفرہ پہ جب تک ہے جماد
آدمی کے جسم میں وہ روحِ شاد

جوں کی توں ہے نان سفرے پر مگر
روح دیتی ہے اسے شکلِ دگر

جاں میں یہ قوّت ہے جب اے راست خواں
ہوں گی کس قوّت کی حاملِ جانِ جاں

ناں غذا ہے جسم کی پر اے پسر
ہوگی کیا جاں کی غذا تو غور کر

زورِ جاں سے گوشت پارہ آدمی
پھاڑتا ہے کوہ و بحرو کاں سبھی

زورِ جاں کوہکن شُقّ الحجر
زور جانِ جاں کا انشقّ اُلقمرُ

کھول دے گر دل دہانِ گنج راز
عرش تک لے جائے جاں کی ترک تاز

گر کرے ظاہر زباں سِرّ نہاں
آگ بھڑکائے جلا ڈالے جہاں

حضرت آدم علیہ السلام کا اپنی لغزش کو اپنی طرف منسوب کرنا کہ اے ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اور شیطان کا اللہ کی طرف منسوب کرنا کہ اے میرے رب مجھے تو نے کیوں گمراہ کیا

دیکھ اپنے کار و کار کردگار
فعل اپنے ہیں کہ ہیں وہ آشکار

کام گر کوئی نہیں مخلوق کا
پھر کسی سے یہ نہ کہہ یوں کیوں کیا

فعل اپنے موجد ان کا کردگار
صنعِ حق اپنے لیے بنیادِ کار

پر ہیں فاعل ہم ، ہمارا اختیار
پس جزا گہ مار ہم کو گاہ بار

حرف دیکھے با غرض ناطق جو ہو
کیسے ہوگا دونوں پر حاوی کہو

حرف کو بھولا ، گیا معنیٰ پہ گر   کیسے جائے آگے پیچھے اک نظر
سامنے جس وقت تو ڈالے نظر   پیچھا دکھتا ہے کہیں؟ یہ غور کر
حرف و معنیٰ پر نہیں حاوی یہ جاں   خالقِ ان دونوں کی کیوں ہوگی یہ جاں
سب پہ حاوی ہے خُدا ہی اے پسر   ایک سے رکتا نہیں کارِ دگر
مست جاں کو کلمۂ حق نے کیا   کیوں نہ جانے اپنی خلقت کو خُدا
کہہ دیا شیطاں بِمَا اَغْوَیْتَنِیْ   کارِ خود پنہاں کیا دیوِ دنی
بوالبشر بولے ظَلَمْنَا نَفْسَنَا   اپنی غفلت سے نہ تھے نا آشنا
تھا ادب جو اس کو پوشیدہ رکھا   لے کے اپنے سر گنہ پایا صلہ
بعدِ توبہ بولا کیا میں ہی نہ تھا؟   تجھ میں جو ذوقِ گنہ پیدا کیا
کیا نہ تھا وہ کار از حکم قضا؟   وہ بتانے سے تو کیوں باز آگیا
بولے آدم ڈر تھا اور پاسِ ادب   بولا ہم کو بھی رہا پاس اس کا اب
جو کرے تعظیم اُسے عزّت ملے   جو شکر لائے گا وہ لوزینہ لے
پاک چیزیں سب ہیں پاکوں کے لیے   دوست کو تو شاد کرکے دیکھ لے

تمثیل

لے اے دل تمثیل سے اس وقت کار   تا ہو ظاہر فرقِ جبر و اختیار
ہاتھ وہ لرزاں ہے رعشہ کے سبب   اور یہ ہلتا ہے ہلاتا ہے تو جب
گرچہ اِن دونوں کا خالق ہے خُدا   پر ہیں دونوں ایک دیگر سے جُدا
ہاتھ اپنے تو ہلا کر شرمسار   کیوں نہیں شرمندہ مرد رعشہ دار
مرتعش شرمندہ کب ہو کر رہا   تُو ہے کیوں اس جبر سے چپٹا ہوا
بحث عقلی؟ کیا ہے عقل اے حیلہ گر   ہے یہ کم عقلوں کے حق میں راہبر
مونگا، موتی ہوگی عقلی بحث پر   بحث جاں کی ہوتی ہے چیز دگر
بحث جاں کا ہے مقام اک اور ہی   ہے مئے جاں کا قوام اک اور ہی

بحثِ عقلی پر تھا جب تک انحصار | تھے عمرؓ خود بوالحکم کے رازدار
جب عمرؓ نے سوئے جاں رُخ کرلیا | بوالحکم بوجہل خود بن کر رہا
عقل وحِس کی رو سے اک کامل ہے وہ | اعتبارِ جاں سے گو جاہل ہے وہ
بحثِ عقل و حِس اثر ہو یا سبب | بحثِ جانی ہے عجب یا بوالعجب
مل گئی ہے نور جاں کی روشنی | لازم و ملزوم کیوں ڈھونڈے کوئی
چشم بینا جس کسی کو مل گئی | وہ عصا کش اور عصا سے ہے بری

تفسیر آیۃ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنتم اور اس کا بیان

آگئے قصّہ کی جانب لوٹ کر | کون جانے ہوگا کب یہ مختصر
جہل میں آئیں تو وہ زنداں بنے | علم میں آئیں تو ایک ایواں بنے
خواب میں ہم مست اسی کے ساتھ ہیں | جاگتے بھی ہم اسی کے ہاتھ ہیں
اشک اپنے گدلے پانی کی مثال | اور ہنسی سے ہے عیاں اس کا جمال
جنگ، غصّہ ، عکس اس کے قہر کا | صلح اور عفو عکس اس کی مہر کا
یہ جہاں پُر پیچ اپنا کیا مقام | اور الف کی طرح خالی ہم تمام
جوں الف خالی اگر ہوجائے گا | خود کو یکتا اور یگانہ پائے گا
جہد سے کر دے تو ترکِ ما سوا | دل کو اس دنیائے فانی سے ہٹا
اس سخن کی حد نہیں ہے اے پسر | پھر بیاں وہ قصّۂ فاروقؓ کر

روم کے ایلچی کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روحوں کے اس آب وگل کے جسم میں مبتلا رہنے کا سبب دریافت کرنا

سن چکا جب یہ عمرؓ سے ایلچی | اپنے دل میں اس نے پائی روشنی
مٹ گئے سارے سوالات و جواب | سب بھلا ڈالا صواب و نا صواب
پا لیا جڑ ترک کر ڈالا فروع | ہوگئیں حکمت کی باتیں اب شروع

پوچھا پھر فاروقؓ سے ہے بھید کیا؟ — پاک کیوں نا پاک مٹی میں بھلا
خاک کے اندر نہاں آب صفا — جان کو جسموں سے کیوں پالا پڑا؟
بولیئے اِس بات میں حکمت ہے کیا — مرغ پنجرے میں جو ہو کیا فائدہ
بولے تو نے بحث عجب یہ چھیڑ دی — لفظ میں معنیٰ سمائے خوب ہی
معنیٔ آزاد کو قیدی کیا — بند تجھ سے حرف کے اندر ہوا
فائدے کے واسطے یہ سب کیا — فائدے سے خود ہی پردے میں رہا
وہ کے جس کی ذات سے ہیں فائدے — کیوں نہ دیکھا، دیکھتے ہیں ہم جسے
ان میں لاکھوں فائدے ہر ایک کے — ان میں لاکھوں فائدے ہیں جان لے
اس کی گویائی کہ ہے جانوں کی جاں — ہو تہی معنیٰ سے ممکن ہے کہاں؟
جزو کا اک جزو گویائی تری — فائدے دے گی توکل کیوں ہو تہی
جزو تو تیرا عمل بافائدہ — پھر یہ کل پر کس لیے طعنہ ترا
بات گر بے فائدہ ہوگی نہ بول — ہاں اگر ہے شکر سے لب اپنے کھول
طوقِ بر گردن رہے شکر خدا — یہ ترش روئی یہ جھگڑا ہے خطا
ترش روئی شکر کہلائے اگر — سرکہ سے بڑھ کر ہے شاکر کون ادھر
چاہے گر سرکہ بنے قوتِ جگر — بول سرکہ میں ملا دو کچھ شکر
عرض معنیٰ شعر میں ممکن نہیں — سنگِ صحرا بس میں آتے ہیں کہیں

حدیث شریف:''مَنْ اَرَادَ یَجْلِسُ مَعَ اللّٰہِ فَلْیَجْلِسُ مَعَ اَھْلِ التَّصوّف''

جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے کا قصد کرے وہ اہل تصوف کے ساتھ بیٹھے، کا بیان

ایلچی آکر یہاں شہ بن گیا — قدرتِ حق پر ہوا جاں سے فدا
ہوگیا بیخود چڑھا کر اک دو جام — بھول بیٹھا سب سفارت اور پیام
سیل دریا میں گیا دریا بنا — کھیت میں دانہ پڑا کھیتی ہوا
ہوگیا سیلاب دریا میں فنا — دھوپ جوں سورج سے بادل ہوگیا

جب تعلق ناں کا آدم سے ہوا
مردہ ناں کو جان سے حصّہ ملا

موم، ہیزم آگ پر قرباں ہوئے
چھوڑ کر ظلمت منّور ہوگئے

سنگ سرمہ آنکھ میں جس دم گیا
سنگ سے وہ سنگِ بینائی بنا

لائق صد آفریں وہ آدمی
زندہ دل سے جس کو ہو پیوستگی

ہائے وہ زندہ جو مردوں میں رہا
مردہ ہوکر زندگی کو کھو دیا

آسرا قرآنِ حق کا جب تو لے
انبیاؑ کی باہمی حاصل کرے

اس میں ہے ذکر و بیانِ انبیاء
ماہیانِ پاک بحر کبریا

بے عمل بھی جس کسی نے پڑھ لیا
پائے دیدِ اولیاؒ و انبیاؑ

جو پڑھا اس پر عمل بھی کرلیا
تنگ اسے زندانِ تن ہو جائے گا

شائق آزادی کا جو قیدی نہیں
کیا ہے اس کی یہ جو نادانی نہیں

جو بھی روحیں قید سے وا رستہ ہیں
انبیاء ہیں رہبر شائستہ ہیں

برسر عام ان کا کہنا ہے یہی
رستگاری کا طریقہ ہے یہی

ہم نے حاصل کی ہے آزادی یونہی
ہے یہی دیگر نہیں رستہ کوئی

بن ضعیف اور تو سدا رنجو رہ
دام شہرت سے یونہی تو دور رہ

بند محکم ہے یہ شہرت کی کڑی
کم نہیں لوہے کی بیڑی سے کبھی

اک حکایت سن میرے پیارے رفیق
طے کرے تا باد سے بحرِ عمیق

سُن تو یہ قصّہ ہے از روئے مثال
تا تو جانے کیا ہیں اسرار مقال

ایک سوداگر کا قصہ جو ہندوستان کو تجارت کے لیے جا رہا تھا اور قیدی طوطی کا ہندوستان کی طوطیوں کو پیغام دینا

ایک طوطا پاس سوداگر کے تھا
قید اک پنجرے میں تھا وہ خوشنوا

کر لیا تیار سامانِ سفر
کر رہا تھا سوئے ہندوستاں سفر

پس غلاموں اور کنیزوں سے کہا
تحفہ کیا لاؤں کہو جلدی ذرا

سب نے اپنی اپنی خواہش کی بیاں ۔۔۔ سب کو وعدہ کردیا خود کہہ کے ہاں
پوچھا طوطے سے تجھے کیا چاہیے ۔۔۔ ہند سے لاؤں گا وہ تیرے لیے
بولا دیکھے گا وہاں جب طوطیاں ۔۔۔ اُن سے میرا حال کر دینا بیاں
وہ تمھارا چاہنے والا فلاں ۔۔۔ قید میں قسمت سے ہے اپنے یہاں
اُس نے بھیجا ہے تمھیں اپنا سلام ۔۔۔ پوچھتا ہے تم سے تدبیر تمام
بول ہے وہ کشتۂ دردِ فراق ۔۔۔ مر رہے گا یوں ہی وہ پُر اشتیاق
کب روا ہے میں رہوں در بند سخت ۔۔۔ اور تم باغوں میں بر شاخ و درخت
ہے وفاداری یہی اے دوستو ۔۔۔ قید میں مَیں باغ میں تم سب رہو
کاش یاد آئے تمھیں یہ مرغِ زار ۔۔۔ صبح کو ہنگام سیر سبزہ زار
وہ ہماری اُلفتوں کی یاد ہو ۔۔۔ حقِ مجلس صحبتوں کی یاد ہو
یادِ یاراں یار کو محبوب تر ۔۔۔ جبکہ ہوں لیلیٰ و مجنوں خاص کر
بادہ کش تم ہو بتِ موزوں کے ساتھ ۔۔۔ میں لہو اپنا پیوں خود اپنے ہاتھ
اک پیالہ بس ہماری یاد کو ۔۔۔ چاہتے ہو تم جوپہنچو داد کو
یادِ بیکس میں بس اتنا ہو اگر ۔۔۔ پیتے پیتے کچھ گرا دو خاک پر
ہائے وہ وعدے وہ قسمیں اب کہاں ۔۔۔ اب کہاں وہ وعدۂ شیریں لباں
ہجر اگر کوتاہیوں کی ہے سزا ۔۔۔ بد بدی کا پھل ہوا پھر کیا رہا
قہر بھی تیرا ہے کتنا جانفزا ۔۔۔ بڑھ کے بانگِ چنگ سے بھی دلربا
ظلم بھی انعام کا قائم مقام ۔۔۔ جان سے پیارا ہے تیرا انتقام
نا رہے یوں نور کی کیونکر کہوں ۔۔۔ جشن کیا ہوگا اگر ماتم ہے یوں
کس قدر شیریں ہے تیرا جور بھی ۔۔۔ اے لطافت کون پائے حد تری
جور تیرا ہوگیا عریاں اگر ۔۔۔ رونے والے ہنس پڑیں گے دیکھ کر
روؤں ، ڈر سے تاکہ وہ باور کرے ۔۔۔ رحم کھا کر ظلم کچھ کمتر کرے
میں فدا ہوں اس کے قہر و مہر پر ۔۔۔ اے عجب دونوں ہیں ضدّ یک دگر

عشق ہے دونوں سے مصدر کے سبب ہے بغیرِ عشق کوئی چارہ اب؟
بن کے کانٹا خوب بستاں میں رہوں اس غرض سے نالہ جوں بلبل کروں
یہ عجب بلبل ہے وا اس کا وہاں تا کرے چٹ ساتھ خار و گلستاں
کیسا بلبل ! ہے نہنگ آتشی خوب و زشت اس کے لیے اچھے سبھی
عاشقِ گُل بھی وہ گُل بھی آپ ہی آپ ہی عاشق بھی وہ معشوق بھی

پردار جانوروں یعنی طیر عقول الٰہی کا بیان

ہے یہی کچھ قصّہ طوطیٔ جاں وہ جو اُن کی بات سمجھے ہے کہاں؟
یہ پرندہ ہے ضعیف و بے گناہ ہیں سلیماں اس میں اور ان کی سپاہ
خوب جب روتا ہے بے شکر و گلہ پڑتا ہے ہفت آسماں میں غلغلہ
نامے سو ہر لمحہ سو پیک خدا یارب اک ساتھ اسپہ لبیک خُدا
اس کی لغزش خوب تر طاعات سے کفر سے بوسیدہ تر ایماں لگے
ہر زماں اس کے لیے معراجِ خاص تاج پر رکھے خُدا اک تاجِ خاص
خاک پروہ لا مکاں میں اس کی جاں لامکاں بالائے فہم سا لکاں
لا مکاں کی فہم ہے تجھ کو محال لمحہ لمحہ ہے دِگر تیرا خیال
حکم پر اس کے مکان و لامکاں چار نہریں جیسے جنّت میں رواں
چھوڑ یہ باتیں تو چل آگے شتاب اُف نہ کر واللہ اَعْلَم با الصواب
پھیرتے ہیں رُخ ادھر سے دوستو قِصّہ تاجر پھر آگے لو سنو

سوداگر کا جنگل میں طوطیوں کو دیکھنا اور پیغام پہنچانا

پس کہ تاجر نے قبولا یہ پیام یعنی ہم جنسوں کو پہنچائے سلام
سر زمینِ ہند پر پہنچا جہاں چند طوطے دشت میں دیکھے وہاں
روک کر مرکب کو اس نے دی صدا مال امانت کا سپرد ان کے کیا

ان میں اک طوطا لرز کر گر پڑا
دیکھتے ہی دیکھتے جاں دے دیا
خواجہ نے دیکھا جو حالِ درد ناک
بولا اک ہستی ہوئی مجھ سے ہلاک
شاید اس طوطی کا رشتہ دار تھا
یا تھا اک جاں دو بدن کا واقعہ
سوچا میں نے کس لیے ایسا کیا
ہائے اس پیغام سے وہ جل مرا
منہ ہے لوہا اور زباں پتھر رہی
بس نکلتی ہے زباں سے آگ ہی
بے سبب پتھر پہ لوہے کو نہ مار
نقل ہی کر اور نہ تو شیخی بگھار
گھپ اندھیرا ہر طرف اور پنبہ زار
پڑ نہ جائے دیکھ روئی میں شرار
بند کیں آنکھیں زباں چلتی رہی
ظالموں سے آگ دنیا کو لگی
بات بیجا اک جہاں ویراں کرے
روبۂ مردہ بھی غرّانے لگے
مثلِ عیسیٰؑ ہے ہماری روح بھی
دے دوا بھی اور کرے مجروح بھی
ہاں اگر روحوں سے پردے اُٹھ گئے
ان کی بات عیسیٰؑ نظر آنے لگے
چاہتا ہے گر شکر باریِ کرے
صبر کر اور حرص حلوا چھوڑ دے
عاقلوں کو صبر ہی مرغوب ہے
حلوا بچوں کی غذا محبوب ہے
صابروں کا آسمانوں پر گذر
حلوا جو کھائے گا ہوگا پست تر

حضرت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہ کے قول کی تفسیر

تو صاحبِ دل ہے اے عاقل پیے جا خون مٹی میں
اگر حنظل بھی کھائے اہل دِل وہ انگبیں ہو جائے

صاحبِ دل کو کہاں اس سے زیاں
زہر قاتل بھی اگر کھائے عیاں
ہوگئی صحت تو پھر پرہیز کیا
طالبِ مسکیں ہے تپ میں مبتلا
بولے پیغمبرؐ کہ اے طالب جری
اپنے مرشد سے نہ کرنا ہمسری
بولے احمدؐ گر نہ چاہے تو زیاں
کر نہ جھگڑا اپنے مرشد سے یہاں
گر ہے نمرود آگ سے باہر بھلا
بن کے ابراہیمؑ انگاروں میں جا

تو نہیں تیراک دریائی نہیں
دیکھ دریا میں نہ گر جائے کہیں

تہہ سے دریا کی وہ موتی لائے گا
فائدہ نقصان سے وہ پائے گا

ہاتھ میں کامل کے مٹی زر بنے
زر بھی لے ناقص تو خاکستر بنے

دست ناقص ہاتھ ہے شیطان کا
گر کے پھندے میں ہے وہ خود آ پڑا

وہ دگر سچا، حبیب اللہ کا
دست درکار اس کا ہے دستِ خدا

جہل آئے اور بنے دانش وہاں
علم بھی ہو جہل ناقص کے یہاں

جو بھی لے بیمار وہ علت بنے
کفر اگر کامل کرے ملّت بنے

ہمسری کیسی تو پیادہ وہ سوار
سر نہ لے جائے گا سالم ہوشیار

جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کرنا کہ پہلے آپ علیہ السلام لاٹھی ڈالیے

ساحرانِ عہد فرعونِ لعیں
جب چلے موسیٰؑ سے لڑنے اہلِ کیں

خود ہی موسیٰؑ کو مقدم مان کر
تھے مصر و آپ سے تقدیم پر

بولے فرماں آپؑ کا حق آیئے
آپ ہی اوّل عصا بھی ڈالیے

بولے تم اے ساحرو! آگے بڑھو
تم دکھاوا مکر کا پہلے کرو

دیں کی حرمت نے انھیں اپنا لیا
کاٹ ڈالے ہمسری نے دست و پا

ہوگیا معلوم ان کا مرتبہ
ہار بیٹھے وہ خود اپنے دست و پا

نکتہ و لقمہ ہیں کامل کو حلال
تو نہیں کامل نہ کر ان کا خیال

جنسِ دیگر ہے زباں، بس کان تُو
حق سے کانوں کو ہے حکم اَنصتوا

بچہ جب پیدا ہوا تھا شیر نوش
سب کی سنتا آپ رہتا تھا خموش

ایک مدّت تک خموشی چاہیے
کہنے والوں سے زباں تا سیکھ لے

سیکھنے تک سو میں اک کہنے نہ پائے
حشو بولے گا اگر کہنے پہ آئے

ہو اگر بہرا تو وہ تی تی کرے
عمر بھر گونگا بنے جیتا رہے

اصلی بہرے میں ہے شنوائی کہاں
وہ ہے گونگا تاب گویائی کہاں

بولنے سے قبل سننا چاہیے
کانوں کے رستے سے گویائی ملے

گھر کے دروازوں سے گھر میں آیئے
رزق کے رستے ہیں ان پر جایئے

سمع کی ممنوں جو گویائی نہیں
وہ کسی میں غیرِ حق آئی نہیں

وہ ہے موجد کون سکھلائے اسے
کب سہارے کو سہارا چاہیے

باقی سب صنعت میں محتاج مقال
پیش استادان وہ محتاجِ مثال

گر نہیں اس بات سے نا آشنا
جا کے ویرانوں میں تو آنسو بہا

ٹل گیا رونے سے آدم کا عذاب
گر یہ ہے آفات کو جوں سدّ باب

بہرِ گر یہ آئے آدمؑ بر زمیں
تار ہیں گریاں و نالاں اور حزیں

خلد سے سات آسمانوں سے چلے
اس زمیں پر توبہ کرنے کے لیے

آدمی ہے گر تو از روئے قماش
رہ کے انسانوں میں کر اس کی تلاش

نقل سوزِ دل و گریہ ہو بہاں
دھوپ بارش سے ہرے ہیں گلستاں

گر یہ ہے کیا چیز تجھ کو کیا خبر
پھنس کے ہے دلدل میں تو مانند خر

آنسوؤں کی قدر کیا جانے بھلا
تو کہ ہے نادیدہ عاشق نان کا

نان سے بورا اگر خالی کرے
گوہر پُر آب سے اس کو بھرے

شیر شیطاں سے تو طفلِ جاں بچا
پھر فرشتوں کا اسے ساتھی بنا

جب تلک رنجیدہ ہے تو تیرہ ہے
جان لے شیطان کا ہمشیرہ ہے

لقمہ جو ہے باعثِ نور و کمال
ہوتا ہے وہ حاصلِ کسبِ حلال

گل کرے جو شمع ، روغن ہے کہیں؟
کہیئے پانی اس کو وہ روغن نہیں

علم و حکمت حاصلِ رزقِ حلال
عشق و رقّت حاصل رزق حلال

حاصلِ لقمہ حسد ہو گر دوام
جہل و غفلت کا سبب جو ہے حرام

بوئے گندم ، پائیں جو ایسا ہوا؟
کیا کہیں گھوڑے سے خر پیدا ہوا

لقمہ جوں بیج اور خیال اس کا ثمر
لقمہ دریا ہے خیال اس میں گہر

لقمۂ جائز جہاں منہ میں پڑا
ذوقِ طاعت شوق عقبٰی بن گیا

لقمۂ جائز سے حاصل ہے حُضور — دیدہ و دلِ میں سما جائے گا نور
یہ سخن بے انتہا ہے صاحبو — پھر سوئے سوداگر و طوطی چلو

سوداگر کا پھر طوطی سے کہنا جو کچھ اس نے ہندوستان میں دیکھا تھا

کام تاجر نے جو پورا کرلیا — شاد شاد اپنے وطن واپس ہوا
لایا تحفے نوکروں کے واسطے — کچھ نہ کچھ تھا ہر کنیزک کے لیے
پوچھا طوطے نے مرا تحفہ کہاں — سب کہا دیکھا ترا کردے بیاں
بولا خود اس سے پشیماں میں ہوا — اُنگلیاں اب تک چباتا رہ گیا
میں نے کیوں پہنچایا وہ پیغام خام — میری غلطی تھی وہ نادانی تمام
پوچھا کیوں شرمندگی کس بات کی — کیوں غم و غصّہ کی صورت ہوگئی
بولا میں نے کہہ دیے شکوے ترے — ان کو جو ہم جنس طوطے تھے ترے
پا کے بوئے درد اک ان میں جو تھا — پتّا پھٹ کر پھڑ پھڑایا مر گیا
مجھ کو یہ شرمندگی کیوں کہہ دیا — کہہ دیا اب شرم سے کیا فائدہ
بات جو نکلے زباں سے ناگہاں — تیر ہے جو چھوڑ کر نکلے کماں
لوٹ کر آتا نہیں تیر اے پسر — بند سے گر سیل روکیں خوب تر
سر سے گذرے تو جہاں کو گھیر لے — کیا عجب گر گھیر کر ویراں کرے
غیب سے ہیں فعل کے آثار عیاں — وہ نہیں ہیں کردۂ خلقِ جہاں
ہے بلا شرکت سبھی صنعِ خدا — پھر بھی اس کو اپنا اک حیلہ رہا
سوئے عمرو زید نے پھینکا جو تیر — آ دبو چا جیسے چیتا اس کو تیر
سال بھر اس درد میں تھا مبتلا — درد وہ اللہ نے پیدا کیا
زید تیر انداز مَر بھی جائے گر — درد عمرو کا رہے گا عمر بھر
چونکہ وہ اس درد سے مارا گیا — زید قاتل وجہ اوّل سے ہوا
درد کا باعث اسی کو کر شمار — گرچہ ہیں سب کارہائے کردگار

ہیں یونہی کسب و دم اور ہمسری
حق کے پیدا کردہ ہیں مقدور بھی

سب نتیجے روکتا ہے دست رب
اولیا شرمندہ ہوجاتے ہیں جب

قدرتِ حق سے ہے زورِ اولیا
تیر چلّے سے چلا لوٹ آئے گا؟

ان کہی کر دے کہی کو فتح باب
تا نہ اس سے جل سکیں سیخ و کباب

بھول بیٹھا جس کسی نے بھی سُنا
ذہن سے سب محو اس کے ہوچکا

چاہیے کوئی ثبوت اس کا تو جا
کر تلاوت آیۃ اَوْ نَنسِھَا

آیۃ اَنْسُوْکُم ذِکْرِیْ بھی ہاں
قوّتِ نسیاں کا ہے اس میں بیاں

ذکرِ و نسیاں پر ہے جیسے اختیار
قلب انساں پر ہے ویسے اختیار

جب بھلا کر چھین لے گا وہ نظر
کیا کرے کوئی ہو گرچہ با ہنر

مضحکہ عظام کا کرتے ہو تم
پس پڑھو قرآن میں تا اَنسوْ کُم

شہر کے حاکم تنوں کے بادشاہ
اور ہیں اہلِ دل دلوں کے بادشاہ

ہے عمل اک حصہ چونکہ دید کا
آنکھ کی پتلی ہے انساں اور کیا؟

آنکھ کی پتلی ہے چھوٹی سی بجا
ہے کسے اس کی بزرگی کا پتہ

میں بتا سکتا نہیں سب کچھ یہاں
اہل مرکز سے ہے منع اس کا بیاں

منحصر اس پر ہے اپنی بھول یاد
داد گستر ہے وہی لیتا ہے داد

با ہنر وہ نیک و بدجو بھی سہی
وہ دلوں کو ان سے کرتا ہے تہی

وہ دلوں کو صبح کر دیتا ہے پُر
سیپ کے اندر وہ بھر دیتا ہے دُر

وہ خیالاتِ گذشتہ جو بھی تھے
یاد کرلیتی ہیں روحیں غیب سے

پھر تجھے یاد آئیں سب عقل و ہنر
تاکہ کھولے از سرِ نو بند در

زرگری پائے نہ آہنگر کوئی
اس کی خو اس میں نہ آئیں گی کبھی

پیشہ و اخلاق ہیں زادِ سفر
روز محشر پیش ہوں گے وہ اُدھر

جو طبیعت پر تری غالب رہے
حشر اسی صورت ترا واجب رہے

پیشہ و اخلاق سارے بعد خواب
اپنے صاحب کی طرف آئے شتاب

سب خیالات اور پیشے صبح کو — اپنی اپنی جا پہ ہوں گے صبح کو
جس طرح قاصد کبوتر اپنے گھر — لاتے ہیں دیگر مقاموں کی خبر
جو بھی پائے اصل کی جانب چلے — جزو راجع کل کی جانب ہو رہے

طوطی کا اس طوطی کی حرکت کو سننا اور اس کا مر جانا اور مالک کا اس پر رونا

جان کر طوطی نے جو کچھ بھی کیا — پھڑ پھڑایا خود بھی گر کر مر گیا
چونک اُٹھا تاجر نے جب دیکھا یہ حال — پھینک ڈالا سر سے ٹوپی کو نکال
خود تڑپ اُٹھا یہ عالم دیکھ کر — ٹکڑے ٹکڑے تھا گریباں جسم پر
بولا اے طوطے مرے اے خوبرو — ہائے! کیا تجھ کو ہوا یوں کیوں ہے تو
مرغ خوش الحاں! مجھے افسوس ہے — ہائے میری جاں ! مجھے افسوس ہے
ہائے ہائے مرغ خوش الحاں مرے — راحتِ جاں روضۂ رضواں مرے
گر سلیماں پاتے ایسے مرغ کو — پھیرتے کب دوسروں کی سمت رو
میں نے سستے دام مولا تھا اِسے — ہائے! اتنی جلد کھونا تھا اِسے
وجہ آفت ہے مجھے تو اے زباں — تو ہی گویا ہے کروں کیا میں بیاں
اے زباں آتش بھی تو خرمن بھی تو — سب کو کب تک پھونکتی جائے گی تو
تجھ سے فریادی ہے میری جاں نہاں — گرچہ تیری بات چلتی ہے وہاں
اے زباں! تو گنج بے پایاں بھی ہے — اے زباں تو رنجِ بے درماں بھی ہے
تُو ہی قاصد رہبر یاراں تو ہی — کفر کی ظلمت بھی تو شیطاں تو ہی
کیا اماں دے گی مجھے اے بے اماں — میری دشمن بن کے کھینچی ہے کماں
مجھ کو طوطی سے کیا تو نے جُدا — مرغزارِ ظلم میں کم چر ذرا
داد لے ، یا میں نے جو پوچھا بتا — یا خبر کوئی خوشی کی لا سُنا
نورِ ظلمت سوز ! ہائے تو کہاں! — صبحِ روز افروز ہائے تو کہاں
مرغِ خوش پرواز یہ کیا ہوگیا — انتہا سے ابتدا تک کھو گیا

رنج کا دیوانہ انساں تا ابد ۔۔۔ پڑھ لے لا اُقسِم ذرا تا فِی کَبَدْ
رنج بھولا جب پڑی تجھ پر نظر ۔۔۔ دھو چکا سب میل تجھ میں ڈوب کر
ہے خیال دید کے ہونے کا غم ۔۔۔ اور وجودِ نقد کو کھونے کا غم
یہ مشیت اس کی ہے چارہ نہیں ۔۔۔ کون سا دل اس سے صد پارہ نہیں؟
غیرت ایسی غیر سب سے اس کی ذات ۔۔۔ مکر و حیلے سے ہیں بدتر یہ صفات
کاش دریا بھر کے ہوتے اشکِ اگر ۔۔۔ میں لٹا دیتا سب اپنے یار پر
عقل والے میرے مرغ خوش بیاں ۔۔۔ میرے فکر و راز کے اے ترجماں
دین پر بھی جب کہ تھا میں لب کشا ۔۔۔ ٹوک کر اس نے مجھے بتلا دیا
وحی سے مربوط تھی اس کی صدا ۔۔۔ اوّلِ ہستی سے اس کی ابتدا
تیرے باطن میں وہ طوطی ہے نہاں ۔۔۔ عکس اس کا ہے ہر اک شئے سے عیاں
وہ خوشی چھینے تو اس سے شاد تُو ۔۔۔ وہ کرے بیداد سمجھے داد تو
اے کہ تُو نے جاں گنوائی بہر تن ۔۔۔ جاں جلا کر کر لیا روشن بدن
میں جلا جلنا ہے جس کی آرزو ۔۔۔ آگ حاضر ہے یہاں خاشاک کو
سوختہ کیوں لائق آتش رہے ۔۔۔ آگ ہے خواہانِ آتش کے لیے
ہائے ہائے ہائے ہائے ہائے ہائے ۔۔۔ چاند ایسا ابر میں دیکھا نہ جائے
پھونکتا ہوں آگ دل میں تیز ہے ۔۔۔ یہ درندہ ہجر کا خونریز ہے
بن پیے بھی ہے جو اِتنا تندرومست ۔۔۔ حال کیا ہوگا جو ہو ساغر بدست
شیر مدہوشی میں بے قابو یہاں ۔۔۔ مرغزار اس شیر کو کافی کہاں
مجھ کو فکر قافیہ جاناں ادھر ۔۔۔ بولے مجھ کو دیکھتا رہ کچھ نہ کر
قافیہ اندیش! بیٹھ آرام سے ۔۔۔ خوش نصیبی تو ہے میرے سامنے
حرف کیا ہے فکر تو اس کی نہ کر ۔۔۔ صوت ؟ خار انگور کی دیوار پر
حرف و صوت و گفتگو کو چھوڑ دوں ۔۔۔ تجھ سے اِن تینوں بنا باتیں کروں
بات جو آدمؑ سے رکھی ہے نہاں ۔۔۔ تجھ سے میں کہتا ہوں اسرار جہاں

راز وہ محرم نہ تھے جس سے خلیلؑ / جس سے تھے نا آشنا خود جبرئیلؑ
بات جو عیسیٰؑ کے لب پر بھی نہ تھی / حق نے بھی ظاہر نہیں کی بے نفی
مالغت میں ہے جو اثبات و نفی / میں کہاں ثابت؟ ہوں بے ذات و نفی
نا کسی میں میں نے پائی ہے کسی / پس کسی کو نا کسی میں پاٹ دی
روک دے جب سیل طغیانی کرے / ورنہ رسوائی و ویرانی کرے
کب مجھے بربادیوں کا رنج ہے / جو کھنڈر ہیں ان میں شاہی گنج ہے
غرقِ حق چاہے کہ ڈوبے اور بھی / جان بھی زیر و زبر ہے لہر سی
سطح یا دریا کی تہہ ہے خوب تر / دل کو اس کا تیر اچھا یا سپر
وسوسوں کے ہاتھ اے دل مر رہے / فرق گر تو شادی و غم میں کرے
ذائقہ شکر کا ہے تیری مراد / نامرادی کیوں ہو دلبر کی مراد
ہر ستارہ خوں بہائے صد ہلال / خونِ عالم اس کے حق میں ہے حلال
ہم بہاو، خوں بہا سب پاچکے / جاں کی بازی ہارنے ہم چل دیے
اپنے محکوموں سے حاکم پست تر / مست بھی مستوں سے اپنے مست تر
اپنے محکوموں کے بندے ہیں شہاں / پیشِ مردہ لوگ جملہ مردگاں
مرغ کا صیاد ہوتا ہے شکار / تا کہ غفلت میں چلائے اپنا وار
بے دلوں پر ہوتے ہیں دلبر نثار / عاشقوں کے جملہ معشوقاں شکار
جانِ اسے معشوق جو عاشق ہوا / یہ بھی اس نسبت سے وہ ہوجائے گا
ہاں ادھر پیاسے کو پانی چاہیے / اور پانی کو بھی پیاسا چاہیے
چونکہ وہ عاشق ہے تو خاموش رہ / کان بن جا کان جب اس نے دیا
جان دینا عاشقوں کی زندگی / دل نہ پائے جُز براہِ دلبری
کی ہے دل جوئی بصد ناز و ادا / وہ تھا نا خوش حیلہ جو بن کر رہا
عجز سے کی میں نے اس کی جستجو / ٹالتا ہی رہ گیا وہ حیلہ جو
بولا تیری دھن نے مارا ہے مجھے / بولا وہ چل! یوں مجھے دھوکہ نہ دے

تو نے اپنے یار کو سمجھا ہے کیا
اے دوئی والے میں کیوں جانوں بھلا
پست ہمت ! پست جانا ہے مجھے
کیونکہ سستے دام مولا ہے مجھے
دے دیا ارزاں کہ خود ارزاں لیا
بچہ ٹکیا لے لیا موتی دیا
ڈوب جا الفت میں پائے گا وہیں
عشق ہائے اولیں و آخریں
کیں دو باتیں یہ نہیں پورا بیاں
گر کہوں جل جائیں گے عقل و زباں
لب جو بولوں تو لب دریا سمجھ
میں کہوں لا اس کو تو اِلّا سمجھ
شہد اور شکر سے ہوں میں روِ ترش
کثرتِ گفتار سے ہوں میں خمش
تاکہ تیری ترشروئی میں نہاں
ہو رہیں شیرینی ہر دو جہاں
تا نہ ہو سرِّ لدُنی سب پر عیاں
میں نے اک فیصد کیا اس کا بیاں

حضرت حکیم سنائی روح اللہ روحہ کے قول کی تفسیر کہ جس چیز کی وجہ سے تو راستہ سے بھٹک جائے وہ کلمہ کفر ہوا تو کیا، ایمان ہوا تو کیا، جس سے تم دوست سے دور ہو جاؤ وہ نقش بُرا ہوا تو کیا اچھا ہوا تو کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے معنی ''اِنَّ سَعَدالغیور وانا اغیر من سعد واللّٰه اغیرُ منّی و مِن غیرته حرام الفواحش ما ظهر منها وما بطن'' کہ سعدؓ بیشک غیرت مند ہے اور میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے اور اللہ نے اپنی غیرت کی وجہ سے تمام کھلی اور ڈھکی بدکاریوں کو حرام قرار دیا ہے

کل جہاں غیرت میں ہے ڈوبا ہوا
کیونکہ غیرت میں ہے حق سب سے سوا
وہ ہے جیسے جاں ، جہاں جیسے بدن
نیک و بد پہچانتا ہے جاں سے تن
وقت طاعت قبلہ ہی جب ذات ہے
اس کو ایماں عیب کی ایک بات ہے
منتظم ہو بادشہ کا جو کوئی
شہ کا نقصان گر تجارت اُس نے کی
ہم نشینی شاہ کی حاصل ہے جب
بیٹھنا در پر ہے نقصان کا سبب

دست بوسی شہ کی حاصل ہے اگر
ہوگی پا بوسی گنہ ہرگز نہ کر

چھوڑ پاؤں ہاتھ پایا ہے جہاں
سر کٹا یہ ہے بہادر کا نشاں

پاؤں پر سر گوکہ ہے خدمت بڑی
لیکن اس خدمت میں ہے ذلت بڑی

شاہ کو غیرت ہے ایسے شخص سے
دید پا کر بھی جو خوشبو پر مرے

غیرت حق جیسی گندم کر خیال
آدمی کی شرم ہے بُھس کی مثال

اصل غیرت کیا ہے پوچھ اللہ سے
شاخ اس کی پاس ہے مخلوق کے

شرح چھوڑوں میں کروں تھوڑا گلہ
دہ دلہ محبوب اور اس کی جفا

گر یہ ہے خوب اُس کو رونے دو مجھے
دو جہاں سے اس کو گر یہ چاہیے

کیوں نہ روؤں تلخ جب اتنا ہوا
کیوں نہ مجھ کو عاشقوں میں کرلیا

کیوں نہ بن جاؤں شب بے روز میں
جب نہ دیکھوں روئے روز افروز میں

اس کی خاطر ہے گوارا نا گوار
اس ستمگر پر ہے میری جاں نثار

اپنے درد و رنج ہی پیارے مجھے
شاہِ بیچوں کی خوشی کے واسطے

خاکِ غم کو سرمہ آنکھوں کا کروں
موتیاں آنکھوں کے دریا میں بھرو ں

اس کی خاطر اشک جتنے بھی بہیں
ہیں گہر لوگ اشک کہتے ہیں انھیں

اپنی جانِ جاں کا شکوہ ہے کہاں
اک روایت ہے جو کرتا ہوں بیاں

دل یہ کہتا ہے کہ رنجیدہ ہوں میں
سن کے اس کی بات ہنس دیتا ہوں میں

کر تو ہی انصاف فخرِ راستاں
صدر تو ، میں تیرے در کا آستاں

آستاں کیا صدر ہے آخر کہاں
ماومن کیا چیز جاناں ہے جہاں

ماومن سے پاک ہے جانِ شریف
اے تو ! مرد و زن کی ہے روحِ لطیف

تُو ہے جیسے مرد و زن کی باہمی
مٹ گئی کثرت تو باقی ہے تو ہی

ہے من و ما کا بکھیڑا اس لیے
تا کہ خدمت آپ اپنی تو کرے

تا 'تو' ماوتو 'سے اک جوہر بنے
انتہا میں آپ ہی دلبر بنے

تامن و تو سے ہو پیدا ایک جاں
غرق جاناں ہو رہیں سب بعد ازاں

ہے سبھی کچھ صاحبِ فرماں تو آ
تجھ کو کیا شرح و بیاں سے واسطہ

چشم ظاہر تجھ کو دیکھے کیا مجال
ہنستے روتے لائے گا اندر خیال

جو غم و شادی سے ہے وابستہ دل
بول خود ہے لائق دید ایسا دل؟

جو غم و شادی میں پھنس کر رہ گیا
تکیہ اس کی زیست کا ان پر رہا

ہے ہمیشہ عشق کی کھیتی ہری
شادی وغم کیا؟ کہ پھل ہیں او ربھی

عشق ان دو حالتوں سے خوب تر
بے بہار و بے خزاں وہ سبز و تر

خو بروئی کا ہو کچھ صدقہ عطا
شرحِ جانِ پارہ پارہ ہو ذرا

یہ کرشمے غمزۂ غمازہ کے
تازہ تازہ داغ ہیں دل پر مرے

وہ بہائے خون میرا ہے روا
وہ گریزاں ، میں بلاتا ہی رہا

خاکیوں سے کیوں گریزاں اس قدر؟
غمزدوں کو اور بھی غمگیں نہ کر

ہوتی ہے پیدا جو خاور سے سحر
شمس تاباں تجھ کو پاتا ہے ادھر

اپنے دیوانوں سے تو حیلے نہ کر
بے بہا ہے تیرے ہونٹوں کی شکر

کہنہ عالم کو ہے تو جوں تازہ جاں
سُن تنِ بے روح سے اس کی فغاں

شرحِ گل یہ چھوڑ دے بہر خُدا
ہجر میں گُل کے ہے بلبل کیوں بتا؟

شادی وغم سے نہیں ہے اپنا جوش
وہم کے مارے کہاں ہیں اپنے ہوش

خاص اک حالت ہے یہ سب سے جُدا
کیوں بھلا انکار، قادر ہے خُدا

تو قیاس انساں کی حالت پر نہ کر
ظلم و احساں کے ٹھکانے سے گزر

جورواحساں رنج وشادی بے ثبات
سب فنا انجام باقی حق کی ذات

صبح ہے اے باعثِ نور سحر
معذرت جاکر حَسام الدین سے کر

عذر خواہِ عقلِ کُل دجاں تو ہی
جانِ جان و تابشِ مرجاں تو ہی

نور سے تیرے سحر پر نور ہے
ہاتھ میں جام مئے منصور ہے

ہے خُدا کی دین یہ مستی مری
یہ شراب آخر مجھے کس کام کی

ہے ہمارے جوش کی محتاج مے
چرخِ گرداں بھی گدائے ہوش ہے

مئے ہے ہم سے مست ہم اس سے نہیں
تن ہے ہم سے ہست ہم اس سے نہیں
ہم ہیں جوں زنبورتن جوں لا نہ ہے
جیسے لانہ جسم خانہ خانہ ہے
قصّہ یہ لمبا ہے ، بس کہئے ذرا
کیا ہوا حال اس جوان نیک کا

خواجہ سوداگر کی حکایت کی طرف رجوع

خواجہ اپنے درد و غم میں مبتلا
بہکی بہکی گفتگو کرتا رہا
اُلٹی سیدھی گہ نیاز و گاہ ناز
گاہ سودائے حقیقت گہ مجاز
ڈوبنے والا سہارے کے لیے
ہاتھ مارے اس پہ گر تنکا دکھے
تاکہ خطرے میں کوئی کام آسکے
سر بچانے کو کوئی حیلہ ملے
دوست کو مرغوب ہے آشفتگی
نیند سے بیکار کوشش ہی بھلی
بادشاہ ہے وہ کہاں بیکار ہے
وہ ہے نالاں گرچہ بے آزار ہے
اس کی بابت دیکھ رَحمٰن اے پسر
کُلَّ یُوْمٍ ہُوَفِیْ شَاں اے پسر
چپ نہ رہ کوشش کئے جا بار بار
تادمِ آخر تو رہ مشغولِ کار
تادم آخر کوئی دم ہے ضرور
فضلِ حق سے ٹھیک ہوں گے سب اُمور
مرد ہو یا زن جو کوشاں ہوا دہر
اس کی کوشش پر ہے اللہ کی نظر
اس سخن کی حد نہیں ہے اے چچا
خواجہ و طوطی کا قصّہ پھر سُنا

خواجہ کا مردہ طوطی کو پنجرے سے باہر پھینکنا اور اس کا اڑ جانا

اس کو پنجرے سے اُٹھا پھینکا ادھر
اڑ کے طوطی شاخ پر بیٹھا اُدھر
مردہ طوطی یوں چلا پر مار کر
جیسے سورج چرخ پر وقت سحر
خواجہ حیراں دیکھ کر یہ کار مرغ
بے خبر تھا پالیا اسرار مرغ
سر اُٹھا کر اُس نے طوطی سے کہا
بول کچھ ہم کو بھی کیا ہے ماجرا
جو کیا اس نے تو اس سے سیکھ کر
پردہ ڈالا ہے ہماری آنکھ پر

مکر سے ہم کو جلا کر رکھ دیا
اور خود کو تُو نے روشن کرلیا

بولا اُس نے کرکے سکھلایا مجھے
سادھ لے چپ اور خوشی کو چھوڑ دے

قید میں تو اپنی ہی آواز سے
مر کے خود اُس نے نصیحت کی مجھے

جیسے اک مُطرب ہے تو با عام و خاص
مردہ پن میری طرح پائے خلاص

دانہ ہوگا مرغ چگ لیں گے تجھے
گرکلی تو بچے نوچیں گے تجھے

دانہ کر پنہاں سراپا دام بن
غنچہ پنہاں کر گیاہ بام بن

جس نے اپنے حُسن کو افزوں کیا
اُس کی جانب آفتوں نے رُخ کیا

اُس پہ آنکھیں اس پہ غصّہ اُس پہ رشک
جھونک دیں گے اس پہ پانی مشک مشک

پھاڑ دیں گے اس کو دشمن بغض سے
دوست بھی بیکار کر دیں گے اِسے

جو بھلائے باغ کو وقت بہار
اس کو کیا معلوم قدر روزگار

ہے ضروری لطف حقِ کا آسرا
ہے کرم ارواح پہ جس کا بڑا

وہ پناہِ حق بھی ہے کیسی پناہ
آگ پانی ہوں گے خود تیرے سپاہ

یارِ موسیٰؑ و نوحؑ کیا دریا نہ تھا
قہر کیا اعدا پہ ان کے کم ہوا

آگ ابراہیمؑ کی خاطر حصار
تھا دل نمرود سے دود آشکار

کہُ نے یحییٰؑ کو جگہ چھپنے نہ دی؟
سنگباری دشمنوں پر کیا نہ کی ؟

بولا اے یحییٰؑ مرے ہاں سر چھپا
تیغ برّاں سے بچا لوں تجھ کو آ

طوطی کا خواجہ کو رخصت کرنا نصیحت کرنا اور اڑ جانا

اک دو باتیں بول کر از راہ پند
ہوگیا طوطا فضاؤں میں بلند

بولا اے خواجہ تجھے میرا سلام
ٹل گیا سر سے مرے قید و ظلام

الوداع اب جاتا ہوں سوئے وطن
یونہی ٹوٹے گی کبھی تیری رسن

خواجہ بولا فی امان اللہ جا
تو نے دکھلایا مجھے رستہ نیا

سوئے ہندستاں چلا وہ پُر سرور
ہوگیا دُکھ سارا اس کے دل سے دُور

بولا تاجر یہ نصیحت ہے بڑی — یہ رہ روشن ہے جاؤں گا یونہی
جیسے وہ طوطی ہے میری جان بھی — ہے ضرورت اک جانِ نیک کی

لوگوں کی تعظیم اور شہرت کی مضرت

تن ہے زنداں اس لیے ہے ناگوار — ظاہر و باطن ہیں پھندے بے شمار
یہ اسے کہتا ہے میں ہوں راز دار — اور وہ یہ کہتا ہے میں ہوں تیرا یار
یہ کہے تجھ سا نہیں ہے دوسرا — با ہنر با فضل و احسان و سخا
وہ کہے ہے مال تیرا دو جہاں — اور ہم سب کے لیے تو جانِ جاں
یہ کہے ہے وقتِ عیش و خرمی — وہ کہے ہے وقت جشن و ہمدمی
اس نے جب دیکھا ہیں سب اُس پر فدا — کبر میں آپے سے باہر ہوگیا
وہ نہ جانے اس کے جیسے کئی ہزار — کر دیے شیطاں نے غرق جوئے بار
مکر و لطفِ دہر ہیں خوش ذائقہ — لیکن انگارے ہیں ان میں تو نہ کھا
آگ پوشیدہ ہے لذت ہے عیاں — آخرکار اس سے نکلے گا دھواں
یہ نہ کہہ میں مدح کا شائق نہیں — طمع سے بولے بھی ، مانوں گا کہیں
مدح خواں گر ہجو بولے برملا — ایک مدت دل میں سوزش پائے گا
علم ہے تجھ کو کہ وہ خوش دل نہیں — تجھ سے جو اُمید تھی حاصل نہیں
پھر بھی اپنے دل پہ تولے گا اثر — مدح کو بھی کر شمار اِس نہج پر
اس کا اک مدت اثر ہوگا ضرور — کبر و نخوت میں تو ہوگا اس سے چور
مدح میٹھی ہے سو لگتی ہے بھلی — قدح کڑوی ہے سو لگتی ہے کڑی
قدح جوں مسہل ہے گر تو کھائے گا — دیر تک ایذا میں خود کو پائے گا
کھائے گر حلوا ہے لذت لمحہ بھر — دیرپا ہوتا نہیں اس کا اثر
دیر تک منھ میں نہ ٹھہرے جان لے — ضد سے ضد کی خاصیت پہچان لے
مثل تاثیر شکر تن میں نہاں — اور دمبل اس کا بنتے ہیں نشاں

کھائے گر مسہل کی گولی اے ظریف
دفع ہوجائیں گے اندر کے کثیف
نفس جوں فرعون ہو تعریف سے
خاکساری سے ہمیشہ کام لے
جوں بھی ہو تو بندہ بن سلطان نہ بن
گیند بن کر چوٹ کھا چوگاں نہ بن
ورنہ جب مٹ جائیں گے لطف و جمال
دل ترے یاروں کے ہوں گے پر ملال
جو تجھے چاہت کے جُل دیتے رہے
دیکھتے ہی بھوت بولیں گے تجھے
بولیں گے وہ تجھ کو در پر دیکھ کر
قبر سے مردہ نکالا اپنا سر
جیسے اک امرد خدا بولے جسے
تا کہ اس پھندے سے اس کو پھانس لے
جب ہوئی ظاہر ہو داڑھی کا بُرا
پوچھنے والا اسے شیطاں نہ تھا
آئے شیطاں نزدِ انساں بہر شر
بھاگے تجھ سے تو ہے شیطاں سے بتر
آدمی تھا تُو تو تھا پیچھے ترے
دوڑتا تھا مئے پلانے کے لیے
ہوگیا جب شیطنت میں استوار
بھاگتا ہے تجھ سے وہ اے نابکار!
تیرے دامن سے جو تھا چمٹا ہوا
پاکے ایسا تجھ کو ہے وہ اب ہوا

تفسیر "ماشآء اللّٰہ کان ومالم یشالم یکن "جواللہ تعالیٰ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا کی تفسیر

قصد اپنا اور کہلوائے خدا
گر نہیں فضل اس کا اپنی بود کیا
بے عنایتِ حق و خاصان خُدا
ہم مَلک ہوں بھی تو نامہ ہو سیہ
اے خُدا ! اے قادر بیچوں و چند
تیری صنعت سے ہے یہ قصرِ بلند
فاش تجھ پر جملہ بیروں و دروں
بیش و کم سب اور جملہ چند و چوں
اے خُدا ! تیرا کرم حاجت روا
ساتھ تیرے کیوں ہو یادِ ماسوا
رہبری اِس درجہ ہے تیری عطا
پردہ عیبوں پر ہمارے پڑگیا
قطرہ دانش کا ہمیں تُو نے دیا
اپنے دریاؤں سے واصل کر ذرا
مجھ میں ہے بس ایک قطرہ علم کا
نفس کے ہاتھوں سے تو اس کو بچا

اس کو یہ مٹی فنا کرنے سے قبل
خشک اسے موج ہوا کرنے سے قبل

خشک وہ کر دے تو کیا اس بوند کو
واپس اس سے لائے گا قادر ہے تُو

خاک میں جائے کہ ہو جائے ہوا
قطرہ کب تیرے خزانے سے گیا

اک عدم یا سو عدم میں جائے گا
حکم جب دے گا اُسے تو آئے گا

ضد کو جب ضدیں مٹاتی ہیں یہاں
ہوتی ہے تیرے کرم سے پھر عیاں

کتنے ہستی میں عدم سے ہر زماں
آ رہے ہیں کارواں در کارواں

فکر میں عقلیں خصوصاً وقتِ شب
نیند کے دریا میں کھو جاتے ہیں سب

حق کے بندے جیسے ہنگام سحر
سطح پر اُٹھتے ہوئے مچھلی کے سر

اورخزاں میں جیسے لاکھوں شاخ و برگ
ہوتے ہیں گم گشتۂ دریائے مرگ

ماتمی ملبوس کوّے سر بسر
باغ میں سبزہ کے اوپر نوحہ گر

پھر عدم کو ہوگیا حکمِ خُدا
جا کے لوٹا دے ترا کھایا پیا

جا کے لوٹا دے تُو اے مرگ سیاہ
تُو نے کھائے جو گل و برگ و گیاہ

عقل سے لے کام بھائی ایک بار
تجھ میں ہے ہر دم خزاں ہر دم بہار

بھائی تھوڑی دیر ہو جا خود سے دُور
ہوش میں آکر ہو غرقِ بحر نور

باغ دل کو اپنے کر تازہ چمن
اور اُگا اس میں گلاب و یاسمن

پتیوں نے ڈھانک لی ہے شاخ شاخ
ہیں سبھی گل پوش صحرا ہوں کہ کاخ

عقلِ کُل ہے اِن مضامین کا سبب
سرواورسنبل سے ہےنکہت ان میں سب

گو نہ تھے گل تُو نے پائی بوئے گل
جوشِ مُل دیکھا نہ تھی موجود مُل

بوئے گل ہے راہبر تیرے لیے
لے چلے گی خلد و کوثر تک تجھے

بو بصارت بخش آنکھوں کی دوا
چشم یعقوبؑ ہے اِس خوشبو سے وا

آنکھ میں اندھیر لائے بوئے بد
بُوئے یوسفؑ سے بصارت کو مدد

چونکہ تو یوسفؑ نہیں یعقوبؑ بن
گر یہ کر خو کردۂ آشوب بن

جب نہیں شیریں تو بن جا کوہکن
تو اگر لیلیٰ نہیں ہے قیس بن

حکیم سنائی قدس سرہٗ کے قول کی تفسیر

ناز کرنے چاہیئے روئے گلاب ورنہ بے جا بدمزاجی ہے خراب
چشم نا بینا کاوا رہنا ہے عیب ناز بہر روئے نازیبا ہے عیب
سن ذرا پند حکیم غزنوی کہنہ تن میں تاکہ پائے جاں نئی
جان و دل سے یہ رُباعی سُن ذرا تاکہ آب و گل سے ہوجائے رہا
پند کو دے گوشِ جاں میں اپنی جا جاں کو ہوش اور ہوش کو تو جاں بنا
وہ حکیم غزنوی شیخِ کبیر یاد رکھ ان کی یہ پندِ دل پذیر
پیش یوسفؑ ناز تیرا ناروا ہے نیاز و آہ یعقوبی سزا
مرگِ طوطی کے ہیں معنےٰ عاجزی توبہ طرزِ عجز کر اپنی نفی
تا دمِ عیسےٰؑ تجھے زندہ کرے تا تُو خود نورِ مبارک ہو رہے
کب بہاروں سے ہوئے سرسبز سنگ خاک بن تا پھول اُگائے رنگ رنگ
سخت پتھر سا رہا کتنے برس خاک بن کر دیکھ تھوڑی دیر بس
لو سُنو اس ضمن میں اک داستاں تا ہو ظاہر اعتقادِ راستاں

سارنگی بجانے والے بوڑھے کا قصہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فاقہ کرکے روز اللہ واسطے سارنگی بجاتا تھا

عہد فاروقیؓ کا یہ قصّہ سُنا مطربِ چنگی کوئی ذیشان تھا
اس کا نغمہ بلبلوں کو خود رُبا خوشنوائی کی نہ تھی کچھ انتہا
اس کی لے سے محفلیں آراستہ اور قیامت خیز تھی اس کی صدا
صورِ اسرافیلؑ گویا اس کا فن زندگی پاتے تھے اس سے مردہ تن
ہم زباں گویا تھا اسرافیل کا وجد میں لاتی تھی ہاتھی کو صدا
جمع ہوگی صور سے جب انجمن زندہ اس دن ہوں گے بوسیدہ بدن

نغمے کتنے ہیں درونِ اولیاء — طالبوں کو وہ حیات بے بہا
سن نہیں سکتے وہ نغمے گوشِ حِس — گوشِ حس سُن سُن کے دنیا کی نجس
سرِّ پری کے کیوں سنیں گے آدمی — راز ہیں پریوں کے ان کو اجنبی
نغمہ پریوں کا ہے گرچہ دنیوی — نغمۂ دل بہتر از انس و پری
چونکہ قیدی ہیں پری اور آدمی — ان کی نادانی ہے گویا قید ہی
سورۃ الرحمٰن کو پڑھ اے مبتدی — تاکہ پائے بھید پریوں کے سبھی
اس میں پڑھ تو معشرالجن بھی ذرا — تستطیعُو تَنْفِذوا کا بھید پا
نغمہ ہائے اندرونِ اولیاء — کہتے ہیں اول کہ اے اجزائے لا
تم عدم کے لا سے سر اونچا کرو — وہم کو دل سے نکالو پھینک دو
قعر میں دُنیا کی تم معدوم ہو — تم بقا کی روح سے محروم ہو
ان سے بھی آگے ہے کارِ اولیا — ڈھونڈ رہبر علم اس کا پائے گا
گر کروں اس سُر کا تھوڑا سا بیاں — قبر کے مردوں میں پڑ جائے گی جاں
کان لا نزدیک سُن مشکل نہیں — نقل ان کی پر روا ہوگی کہیں؟
ہیں زمانے کے اسرافیل اولیاء — زندگی مردوں کو کرتے ہیں عطا
مردہ جاں کے واسطے ہے گورتن — سُن کے آواز ان کی پھاڑیں گی کفن
پھر کہے سب سے الگ ہے یہ صدا — زندہ کرنا کار آوازِ خدا
پا لیا جب اولیا کی ہے صدا — راہ پائی اور خوشی سے یہ کہا
ہوگئے تھے مر کے ہم بالکل فنا — جی اٹھے ہیں سُن کے آواز خدا
بانگِ حق در پردہ بھی بے پردہ بھی — اس نے دی جس نے کبھی مریمؑ کو دی
تم فنا سے پوست میں نابود ہو — لو صدائے یار سن کر جی اُٹھو
در حقیقت وہ صدائے شاہ ہے — ظاہرا آوازِ عبداللہ ہے
بولا میں تیری زباں بھی آنکھ بھی — میں حواس اور میں خوشی و نا خوشی
میں سماعت، میں بصارت ہوں تری — آشنائے راز بھی تو راز بھی

حدیث "مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" "جو شخص اللہ کے لیے ہوگیا اللہ اس کے لیے ہوگیا" کا بیان

جبکہ تو مَنْ کَان للہ ہوگیا
کان اللہ لہٗ ہے میں تیرا ہوا!
تُو سے یا مَیں سے کیا تجھ کو خطاب
جو بھی بولوں میں ہوں روشن آفتاب
طاق سے تیرے جو چمکا اک گھڑی
مٹ گئی آفاق کی ظلمت سبھی
نامناسب ہو اندھیرا جس جگہ
اک تجلّی ہے وہاں شمس الضحیٰ
مہر جب ظلمت اٹھانے سے رہا
اپنی سانسوں سے اجالا ہوگیا
اِس نے سکھلائے سبھی آدمی کو نام
سیکھی نام آدم سے پھر خلقت تمام
کوئی جُو سے یا سبو سے پانی لے
آخر آتا ہے وہ پانی نہر سے
روشنی سورج کی ہو یا چاند کی
چاند کو ملتی ہے وہ سورج سے ہی
نور کا تاروں سے لازم ہے حصول
اور صحابہ کو کہے تارے رسولؐ
خواہ لے نور اس سے یا آدم سے تو
بادہ لے کیا فرق خم ہو یا کدو
اس کدو کی خم سے ہے وابستگی
بے نیازی اس میں کیوں آئے تری
بولے پیغمبرؐ بشارت ہے اُسے
جو صحابہؓ یا مجھےؐ خود دیکھ لے
جب دیا خود شمع سے روشن ہوا
شمع دیکھی جس نے بھی دیکھا دیا
منتقل سو میں ہو گر اک روشنی
دید اوّل ہے لقائے آخری
نور اوّل سے کہ تو آخر سے لے
فرق کیا ہے اِس سے تو روشن رہے
خواہ تو اول سے لے یہ نورِجاں
خواہ لے آخر سے فرق اس میں کہاں
یہ سمجھ نورِ چراغ آخری
یا سمجھ گذرے ہوؤں کی روشنی

بِسمِ اللہ الرّحمن الرحیم

اس حدیث "اِنَّ لِرَبِّکُم فِیْ اَیَّامِ دھرِکُمْ نَفُحات الافتعرضوا" کے معنیٰ کے بیان میں کہ تمھارے رب کی خوشبوئیں تمھارے زمانے میں ہیں آ گاہ ان سے وابستہ ہو جاؤ

بولے پیغمبرؐ مہک اللہ کی — اس زمانے میں بھی ہے پھیلی ہوئی
اک گھڑی غافل نہ رہنا چاہیئے — تا کہ ہوں محظوظ ان نفحات سے
آئی خوشبو دیکھ لی تم کو چلی — جان جس کو بخشنی تھی بخش دی
بارِ دیگر آئی خوشبو ہوشیار — رہ نہ محروم اس سے بھی اے میرے یار
دوزخی پائے گا آتش کُش اُسے — مردہ جاں میں حرکت اس کے فیض سے
نارِ ناری ہو فسردہ نفحہ سے — اور خلعت مردگوں کے واسطے
تازگی ہے اس میں یہ سچی خوشی — یہ نہیں مخلوق کی حرکت کوئی
آ پڑے ارض و سما پر یہ اگر — پانی پانی ہو رہے ان کا جگر
خوفِ بے حد سے وہ کہہ دیں گے وہیں — بوجھ اتنا ہم سے اُٹھنے کا نہیں
ورنہ یہ اَشفقنا مِنہا کس لیے — خوں نہ ہوتے گروہ اس کے خوف سے
دیکھا کل شبِ اک دگرگوں واقعہ — دو ہی لقمے آئے در بند ہوگیا
ایک لقمہ پر گرو لقماں ہوا — وقت ہے لقمان کا اے لقمہ جا
خواہشِ لقمہ سے لقمانؑ بیقرار — کھینچ لو لقمان کے تلوے سے خار
کانٹا تلوے میں نہ پائے وہ اثر — چور اپنی حرص میں وہ بے بصر
خار جان اس کو تجھے جو خرما ہے — تو کہ نا شکرا بڑا نا دیدہ ہے
جانِ لقماں ہے گلستانِ خُدا — پائے اُس کی جاں میں کانٹا کیوں بھلا
اونٹ ہے اپنا وجودِ خار خوار — اور اس پر مصطفیٰؐ زادے سوار

اُونٹ اٹھائے ہے تو بارِ یاسمن — تیرے اندر اس کی بو سے سوچمن
تجھ کو صحرا کی کشش کیکر کی دھن — پھول کانٹوں میں جو چنتا ہے نہ چن
اس طلب میں گھومتا ہے کو بہ کو — کب تلک پوچھے پتا گلشن کا تو
خارِ پا جب تک نہ کرلے دور تو — کس طرح بھاگے بہ چشم کور تو
وسعت عالم پہ بھاری ہے بشر — ڈھانپنے اس کو بس اک کانٹے کا سر
مصطفیٰؐ آئے بہ ذوقِ گفتگو — بول مجھ سے اے حُمیرا بول تو
اے حُمیرا چھین لے دل کا قرار — اِس سے لرزاں تاکہ ہو یہ کوہسار
ہے حمیرا لفظِ تانیث اور یونہی — ہے مونث تازیوں میں جان بھی
جان کو تانیث کی پروا نہیں — مرد و زن سے روح کا رشتہ نہیں
جنس کی تعیین سے جاں ہے بری — خشک و تر سے یہ نہیں پیدا ہوئی
جان روٹی سے نہیں ہوتی قوی — ایسی ویسی یہ نہیں ہوتی کبھی
خود بھی خوش ہے اور خوش اس سے سبھی — ناخوشی اے مرتشی کب ہے خوشی
مرتشی کو ہے جو رشوت سے خوشی — سو خوشی لے چھوڑ کر رشوت خوری
تیری شیرینی ہے شکر سے اگر — تجھ سے کھو جائیں گی گاہے یہ شکر
تو وفا سے ہو اگر شکر اساس — ہوگی شکر سے جدا کیونکر مٹھاس
زہر خالص ہے وجود بے وفا — دوست اچھے کر عطا یا ربّنا
جب ملے عشاق کو حق سے شراب — عقل ان سے دور جا بیٹھے شتاب
عقلِ ناقص کو ہے نفرت عشق سے — گو بظاہر رازداں جیسی رہے
زیرک و دانا ہے لیکن بے نفی — ہے ملک بھی بے نفی شیطان ہی
دوست قول و فعل میں ہے وہ بجا — حال جب غالب ہوا تو ہے ہوا
لا ہی ہے گر کر نہ لے لا بھی تو کیا — لا اُسے ہونا ہے جبراً بارہا
جاں کمال آواز بھی اس کی کمال — مصطفیٰؐ بولے ارحنا یا بلالؓ
کر بلند بانگ اے بلال خوشنوا — میں نے اپنا دم جو دل میں بھر دیا

اپنے گلبن کو عطا کر زندگی
اُٹھ تو بلبل بن فدا ہو جا ابھی

دم وہ جس سے بوالبشرؑ بے ہوش تھے
ہوش اہلِ آسماں کے بھی اُڑے

وہ صدا ایسی نمازِ مصطفےٰؐ
ہوگئی تعریس کی شب میں قضا

وہ مبارک سر نہ اُٹھا خواب سے
ہوگئے آثار پیدا چاشت کے

اس شب تعریس میں پیشِ عروس
جانِ اقدس آپ کی تھی دست بوس

عشق اور جاں آنکھ سے مستور ہیں
عیب کیا دلہن انھیں کہتا ہوں میں

چپ ہی رکھتا یارِ کی رنجش کا ڈر
گر وہ دیتا مجھ کو مہلت لمحہ بھر

جب وہ خود کہتا ہے کہہ پروا نہیں
جانِ پنہاں عیب کی جویا نہیں

عیب اس کو جو نہ دیکھے غیرِ عیب
عیب کب دیکھے گی روحِ پاک غیب

عیب ہے گو جاہلوں کے واسطے
یہ نہیں ہے عیب خالق کے لیے

حق سے نسبت ہو تو حکمت کفر بھی
ہو جو نسبت خلق سے آفت سبھی

خوبیاں سو اور کمی اک بات کی
جس طرح مصری میں ہو چورا کوئی

ایک ہیں دونوں ترازو میں یہاں
اس لیے دونوں ہیں گویا جسم و جاں

پس بزرگوں نے کہا کب یہ خلاف
جسم پاکاں بھی ہے جیسے جانِ صاف

اِن کی باتیں ان کے کام اِن کا بیاں
سب کے سب ہیں جانِ مطلق بے نشاں

اِن کے بدخواہوں کی جاں بھی جسم صرف
نرد میں جیسے زیاد اک اسم صرف

خاک میں جا کر وہ ہوجاتے ہیں خاک
یہ نمک میں رہ کے ہوجاتے ہیں پاک

وہ نمک جس سے محمدؐ ہیں ملیح
با نمک باتیں زباں سب سے فصیح

آپؐ کا ترکہ وہ باقی ہے ابھی
ڈھونڈ وارث اس کے ہیں ہمراہ ہی

دیکھ خود آگے ترے بیٹھے ہیں کون؟
کل کی تجھ کو آج بتلاتے ہیں کون

آگے پیچھے کا جو ہے تجھ کو گماں
تو ہے پابندِ بدن ،محروم جاں

زیر و بالا پیش و پس تن کی صفات
جانِ روشن کو نہیں قید جہات

نورِ پاک شاہ سے تو دیکھ اُدھر
تا نہ پائے خود کو تو کوتہ نظر

تو عدم گم کردۂ شادی و غم — پیش و پس آخر کہاں بہر عدم
نیستی ہستی سے جب ہوگا رہا — تو حیاتِ جاودانی پائے گا
روز باراں ہے چلا چل تا بہ شب — یہ نہیں بارش یہ ہے بارانِ رب
ہیں دگر باراں بھی بارش کے سوا — دیدۂ جاں چاہیے بہر لقا
دیدۂ جاں سے ادھر ڈال اک نظر — سبزہ بارش سے دکھے تا صاف تر

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پیغمبر علیہ السلام سے سوال کرنا کہ بارش ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت کپڑے نہ بھیگے اور اس کا جواب

مصطفیٰؐ اک روز گورستاں چلے — اک صحابی آپ کے جو چل بسے
قبر میں مٹی جو پوری ڈال دی — اور اس دانہ کو دے دی زندگی
مرنے والوں کی طرح ہیں یہ درخت — خاک سے باہر نکالے ہیں یہ دست
سو اشارے کر رہے ہیں ہر زماں — ان کو پالیتے ہیں رکھتے ہیں جو کاں
کان جن کے تیز ہیں وہ پالیے — اور غافل اَن سُنے ہی چل دیے
بازبان سبز و با دست دراز — کہہ رہے ہیں خاک کے پوشیدہ راز
غوطہ زن پانی میں بطخوں کی مثال — موروں کے مانند کوؤں کی مثال
سردیوں میں قید تھے کوّے بنے — فضلِ حق نے مور ان کو کر دیے
مار ڈالا اِن کو جاڑوں نے مگر — موسم گل نے بنایا سبز و تر
منکروں کا یہ ہے دستور قدیم — بے تعلق با خداوندِ کریم
یہ یقیں ان کا کہ دائم ہے جہاں — ہے قدیم اور یوں ہی قائم ہے جہاں
کور کیا جانیں درونِ دوستاں — حق کی گلکاری ہے باغ و بوستاں
اپنی بُو پھیلا رہا ہے جو بھی گُل — کہہ رہا ہے فاش فاش اسرارِ گُل
منحرف ہے منکروں سے ان کی بو — ان کو رسوا کر رہی ہے چار سو
جیسے گبرنڈوں کو ناخوش گل کی بُو — ڈھول کا جوں شور نازک طبع کو

خود کو کر لیتے ہیں وہ مشغول و غرق　　سی لیے آنکھوں کو چمکی جب بھی برق
آنکھ سی لیں گے تو پھر آنکھیں کہاں　　آنکھ وہ جو ڈھونڈ لے جائے اماں
لوٹے فارغ ہو کے جب پیغامبر　　آئے گورستاں سے صدیقہؓ کے گھر
آنکھیں صدیقہ کی چہرے پر رہیں　　اور بڑھ کر تن پہ ہاتھ اپنے رکھیں
چھو کے دیکھے جامہ و دستار و مو　　دیکھیں جسم و بازو و رخسار کو
پوچھے یہ کیسی تلاشی ہے کہو　　بولیں دیکھا ہے برستے ابر کو
جامہ چھو کر دیکھتی ہوں میں مگر　　کیا تعجب ہے نہیں بارش سے تر
پوچھا سر پر تھا دوپٹہ کون سا　　بولیں سر پر آپ ہی کی تھی ردا
بولے پس اس واسطے رب کے حبیب　　حق نے دِکھلایا تمھیں بارانِ غیب
وہ نہ تھی بارش تمھارے ابر سی　　ابر دیگر تھا دگر وہ چرخ بھی
ایسی بارش کا ہے بادل اور ہی　　اس میں ہے اللہ کی رحمت چھپی
تم سنائیؒ سے رموز اس کے سنو　　تا کہ گنجینوں سے واقف ہو سکو
دیدۂ باطن اگر تو وا کرے　　سرمۂ مطلوب جلد اس سے ملے

حکیم سنائی (خدا ان کی روح کو راحت پہنچائے) کے شعر کی تفسیر

آسماں نہاست در ولایت جاں　　کار فرمائے آسمانِ جہاں
در رہ روح پست و بالا ہاست　　کوہ ہائے بلند و دریا ہاست

ترجمہ

جاں میں ہیں آسماں بہت سے نہاں　　جن کے تابع ہیں آسمانِ جہاں
جاں کے رستے میں پست و بالا ہیں　　کوہ ہائے بلند و دریا ہیں

پیر دانا نے اشارہ کیا کیا　　اِس صدف کے در کو مالا کر دیا
غیب کا ابر در ہے دیگر ہے آب　　آسماں اور اس کا دیگر آفتاب

دیکھتے ہیں اس کو خاصانِ خُدا اور ہے باقی خلق شک میں مبتلا
ایک بارش باعثِ نشو و نما دوسری پژمردگی جس کا صلا
نفع بارش کے بہاروں میں ہزار اور لاتی ہے خزاں میں یہ بخار
باغ کو بارانِ نیساں سے طرب اور بارانِ خزاں مانند تب
ناز پردر اس کو بارانِ بہار اور یہ بارانِ خزاں سے زرد و زار
دھوپ جاڑا اور یونہی باد بھی کر الگ ،ڈھونڈ اصل کو ہر ایک کی
ان کی قسمیں غیب میں بھی ہیں یونہی نفع بھی نقصان بھی تکلیف بھی
ہے دم اِبدال اسی باعث بہار جان و دل میں اس سے پیدا سبزہ زار
جیسے بارش کا عمل اشجار پر ان کے دم کا بھی ہے ایسا ہی اثر
گر درختِ خشک پاؤگے کہیں عیب افزوں اس کا ہو جائے وہیں
بادِ جاں کام اپنا پورا کر چلی اس نے زندوں کو فضیلت خود پہ دی
جو بھی بے جاں تھا رہا وہ بے خبر حیف ایسی جانِ بے عرفان پر

اس حدیث کے معنیٰ "اغتنموا برد الربیع فانّه یعمل بابدانِکم کما یعمل باشجارِ کُمُ واجتنبوا برد الخریف فانّه یعملُ بابدانکم کما یعمل باشجارِکُمُ" کے بیان میں کہ موسم ربیع کی سردی کو غنیمت سمجھو کہ وہ تمھارے بدنوں پر وہی عمل کرتی ہے جو تمھارے درختوں پر اور موسم خریف کی سردی سے بچو کہ وہ تمھارے جسموں پر وہی عمل کرتی ہے جو تمھارے درختوں پر

قولِ پیغمبرؐ سنو اے میری جاں دور کردو دل سے انکار و گماں
بولے آپؐ آئے جو سرمایہ بہار جسم کو اپنے نہ ڈھانکو زینہار
اس کی سردی کو غنیمت جانیئے عارفانِ وقت جُو کے واسطے
تم بہاروں میں پہننا چھوڑ دو جانبِ گلشن برہنہ تن چلو

تم خزاں سے بچ رہو تا کر نہ دے ... کرتی ہے جو باغ اور انگور سے
ظاہری معنیٰ پہ راوی رک گئے ... بس کیے کافی اسی کو جان کے
بے خبر اس راز سے تھا وہ گروہ ... کوہ کو دیکھا نہ دیکھا کانِ کوہ
ہے خزاں نزد خُدا نفس و ہوا ... عقل و جاں عین بہاران و بقا
عقل جزوی دیکھ اگر ہے تیرے پاس ... ڈھونڈا اسے ہے عقل کامل جس کے پاس
جز و تیرا اس کے کُل سے کُل بنے ... نفس کو طوق عقلِ کامل ہو رہے
ہے یہی تاویل یہ انفاسِ پاک ... ہیں بہار و زندگیٔ برگ و تاک
نرم و سخت اولیا سے لے نہ راہ ... یہ ہیں تیرے دین کے پشت و پناہ
گرم و سرد ان کے سبھی تسلیم کر ... ان کے باعث پائے دوزخ سے مَفَر
گرم و سرد ان کے بہارِ زندگی ... مایۂ صدق و یقین و بندگی
اس ہوا سے باغ جاں کی تازگی ... اس سے دریا دل کا پر گوہر سبھی
قلب عاقل کشتۂ صد غم ہوا ... تنکا بھی گر باغِ دل سے کم ہوا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا کہ آج کی بارش کا کیا راز تھا

پوچھا صدیقہؓ نے پھر یہ صدق سے ... عجزِ کامل سے ادب سے عشق سے
مقصدِ ہستی ، اے مقبولِ خدا ... آج کی برسات کی حکمت ہے کیا
رحمتوں کی بارشوں سے تھی وہ یا ... دھمکیوں کی تھی ، کہ عدل کبریا
یہ بہار و لطف کی برسات تھی؟ ... یا نشانی تھی کوئی آفات کی؟
بولےؐ ہے تسکینِ غم کے واسطے ... ہے بڑی آفت غم انساں کے لیے
گر بشر اس آگ میں جلتا رہے ... وہ خرابی اور گھٹن سے کیوں بچے
یہ جہاں ویرانہ ہو جائے تبھی ... اور بھلا دے حرص اپنی آدمی
ہے جہاں کو غفلتوں سے محکمی ... ہوشیاری اک مصیبت ہے بڑی

ہوشیاری اس جہاں سے وہ جہاں
ہو جو غالب پست ہوجائے جہاں
حرص برف اور ہوشیاری آفتاب
ہے جہاں سیل اور ہوشیاری ہے آب
تھوڑی تھوڑی گرتی ہے یہ گہہ بہ گہہ
تا نہ ہو حرص و حسد کا خاتمہ
زور سے برسے اگر بارانِ غیب
پھر اس عالم میں ہنر ہوں گے نہ عیب
حد نہیں اس کی سوئے آغاز چل
قصہ چنگی کی جانب پھر نکل

سارنگی بجانے والے بوڑھے کے قصے کا بقیہ اور اس کا خلاصہ

وہ مغنّی اس سے عالم پُر طرب
اس کی دھن نادر خیالوں کا سبب
اس کو سن کر مرغ جاں اڑنے لگے
اس کی لے سے ہوش جاں حیراں رہے
عمر ڈھل کر ضعف سے پالا پڑا
بازِ جاں مچھر کے پیچھے ہو لیا
باز کیا ! ہاتھی بھی ہو گر بے گماں
کر رہیں گے مچھر اس کو ناتواں
پشتِ خم کی طرح تھی پشت اس کی خم
جیسے دُمچی آنکھ پر ابرو بھی خم
کھو گئی اس کی صدائے جانفزا
بن گئی مکروہ ناخوش، بدمزا
رشک زہرہ تھی کبھی اس کی صدا
آج جوں چیخے کوئی بوڑھا گدھا
کون ایسا خوش جو غم سے بچ رہا
کون سی چھت رہ گئی سالم سدا؟
کس کی ہے آواز غیر از اولیا
زندگی ہو جس سے مُردوں کو عطا
کس کے باطن سے ہے باطن اپنا مست
کون ہیں جن کی فنا سے ہم ہیں ہست
کہر بائے فکرِ دہر اس کی صدا
اس میں لطف الہام و وحی و راز کا
چونکہ اب مُطرب ضعیف و زار تھا
کسب کا یارانہ تھا نا دار تھا
بولا یارب عمر دی تُو نے بڑی
مہربانی اس کمینے پر ہوئی
گو گنہگاری میں ستّر سال تھا
تُو نے اک دن بھی نہ لی واپس عطا
تیرا مہماں ہوں نہیں ہے اب جو کام
چنگ باجے گا تری خاطر غلام
چنگ کو اللہ کی خاطر لیا
سوئے گورستانِ یثرب چل دیا

بولا مانگوں حق سے گانے کا صلہ کھوٹا سکّہ بھی قبولے گا خُدا
روتے روتے باج کر اک قبر پر گر پڑا وہ چنگ رکھ کر زیرِ سر
آئی نیند اور تن سے چھوٹا مرغِ جاں چنگ و چنگی سے چلا وہ پر فشاں
تن سے چھوٹا مٹ گئے رنج جہاں سادہ دشتِ جاں میں لی جا کر اماں
اپنا دُکھڑا گا رہی تھی اس کی جاں کاش رہنے بھی مجھے دیتے یہاں
شاد رہتی دیکھ کر باغ و بہار مست رکھتا مجھ کو غیبی لالہ زار
بے پر و پا بھی میں کرسکتی سفر بے لب و دنداں بھی میں کھاتی شکر
ذکر کرتی ، رنج سے پاتی فراغ آسماں والوں میں رہتی باغ باغ
دیکھتی سب کچھ بغیر آنکھوں کے میں پھول بھی چنتی بنا ہاتھوں کے میں
شہد کے دریا میں جیسے مرغ آب چاہ ایوبی پیئے عسل[1] و شراب
سر سے پا تک اس میں تھے ایوب غرق چھٹ گئے آلام سے جوں نور شرق
ہو وے دس گنا بھی گر یہ آسماں ہوگا وسعت میں زیادہ وہ جہاں
چرخ سی گر حجم میں ہو مثنوی ذکر ادا اس کا نہ ہوگا نصف بھی
ہیں وسیع بے حد زمین و آسماں پھر بھی دل ٹکڑے ہے تنگی سے یہاں
نیند میں عالم جو دِکھلایا مجھے پائی وسعت پر کشائی کے لیے
یہ جہاں یہ راستے دکھتے اگر کون ہوتا اس جہاں میں لمحہ بھر
حکم ہوگا طمع سے پرہیز کا خارِ پا نکلا ، قدم آگے بڑھا
ٹھہرو ٹھہرو اس کی جاں کہتی رہی اس فضائے لطف و احساں میں ابھی

1- عسل=شہد

غیبی آواز کا نیند میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنا کہ اس قدر روپیہ بیت المال سے لے کر اس شخص کو دو جو قبرستان میں سویا ہوا ہے

اب عمرؓ پر نیند کے حملے ہوئے | ہو کے بے بس آپ اُسی دم سو رہے
تھا عجب عادت نہ تھی جو نیند کی | نیندِ غیبی بھی بلا مقصد نہ تھی
سو گئے سر رکھ کے دیکھا خواب نیک | حق سے آئی اس طرح آواز ایک
وہ صدا دراصل تھی اصلِ صدا | وہ صدا اور گونج سب اس کے سِوا
ترک و کرد و پارسی ہو یا عرب | بے لب و گوش اس کو سن سکتے ہیں سب
ترک و تاجیک اور کیا حبشی کوئی | یہ صدا سنتے ہیں چوب و سنگ بھی
آتی ہے ہر دم جو آواز الست | عرض و جوہر سن کے ہو جاتے ہیں مست
یہ بلیٰ کہتے نہ ہوں تو کیا ہوا | ہے عدم سے ان کا آنا ہی بلیٰ
فہم چوب و سنگ کی میں نے کہی | اک مثال اس باب میں سُن لو ابھی
جو کیا ہے ذکر فہم سنگ و چوب | اِس بیاں میں قصّہ ہے کر غور خوب

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں ستون حنانہ کے رونے کا قصہ جب ایک مجمع جمع ہوا اور انھوں نے کہا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھتے ہیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھ پاتے اور منبر کا بنانا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ستون کا رونا صاف سننا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے گفتگو

تھا گراں حنانہ پر ہجرِ رسولؐ | نالہ زن تھا مثلِ اربابِ عقول
وعظ کے ہنگام رویا اس قدر | ہوگئے پیر و جواں سب باخبر
غرق حیرت تھے صحابہ آپؐ کے | یہ ستوں کیوں رو رہا ہے کس لیے
پوچھے پیغمبرؐ ستوں کیا چاہئے | بولا مجھ کو مار ڈالا ہجر نے

کس قدر پر سوز ہے فرقت میں جاں کیوں نہ روؤں بے تو اے جان جہاں
آپؐ کی مسند تھا مجھ کو چھوڑ کے کرلیا منبر کو مسند آپ نے
آپؐ نے فرمایا اے پیارے درخت تیرے باطن کے موافق تیرے بخت
کیا ہے ارماں نخل بن جائے ابھی؟ میوہ کھائیں مشرق و مغرب سبھی
یا بنائے سَرو عقبیٰ میں تجھے تا ابد تک تو تر و تازہ رہے
بولا مقصد ہے بقائے دائمی بن نہ جا لکڑی سے کمتر تو کبھی
دفن آخر اس ستوں کو کر دیا تا ہو زندہ حشر میں انسان سا
جس کسی کو بھی بلاتا ہے خُدا کارِ دنیا کو وہ کب موزوں رہا
وہ کہ ہے جس کو غرض اللہ سے وہ وہاں کا ہے ، یہاں کیا کام اسے
وہ کہ جو اسرار سے واقف نہیں کیوں کرے لکڑی کے رونے کا یقیں
ہاں زباں سے کہہ دیا دل سے نہیں تا نہ کہلائے منافق وہ کہیں
گر نہ ہوتے امر کن کے راز داں دہر میں مانا نہ جاتا یہ بیاں
ان گنت تقلید والوں کو یہاں وہم بس تھوڑا سا کرنے بدگماں
اصل تقلید اور استدلال ظن اور پورے ان کے پر و بال ظن
ڈالتا ہے شبہ میں شیطانِ دوں اندھے گر پڑتے ہیں ہوکر سرنگوں
اہل استدلال بے ذوقِ یقیں استقامت پائے چوبیں میں نہیں
ہے بس اک قطبِ زمانِ ہے دیدہ ور کوہ حیراں اس کے استقلال پر
پائے نا بینا ہے بر جائے عصا سر کے بل گرنے سے رکھتا ہے بچا
فتحِ لشکر کا سبب وہ شہسوار وہ بصیرت بخش بہر دیندار
اندھے لاٹھی سے اگر ہیں راہ پر ان کو ہیں وجہ اماں اہلِ نظر
آنکھ والے گر نہ ہوتے شہر یار جملہ اندھے موت کے ہوتے شکار
فصل لے سکتے نہ بو سکتے ہیں کور نفع تعمیر و تجارت سے بھی دور
کرتے گر محروم وہ افضال سے کچھ بھی بن پڑتا نہ استدلال سے

یہ عصا ان کے قیاس ان کی دلیل — وہ ہے انعام خداوندِ جلیل
آگے بڑھنے یہ عصا حق نے دیا — اس سے تم نے حق پہ ہی حملہ کیا
یہ عصا گر بن گیا ہے فتنہ جو — توڑ اسے پرزے بنا اے کور تو
مفت کیوں اندھوں کے حلقے میں ہوتم — درمیاں اہلِ نظر کو لاؤ تم
دامن اس کا تھام عصا جس نے دیا — کیا ملا آدم کو پھل انکار کا
اژدھا لاٹھی ستوں روتا ہوا — دیکھ اعجازِ کلیم و مصطفےٰؑ
اژدھا لاٹھی بنے روئے ستوں — پانچ وقت اعلانِ حق ہوتا ہے یوں
گر نہ نا معقول ہوتا یہ مزہ — معجزوں کی ہوتی حاجت کب بھلا
مطمئن وابستہ معقولات سے — معجزہ چاہے نہ رد وکد کرے
یہ انوکھی راہِ نامعقول دیکھ — مقبلوں کے دل کی یہ مقبول دیکھ
جیسے دیو و دد بشر کے خوف سے — بھاگے بچ بچ کر جزیروں میں بسے
معجزات انبیاؑ کے خوف سے — منکر اپنا سر چھپائے رہ گئے
تا مسلمانی بھرم سے جی سکیں — مکر کرکے تجھ سے پوشیدہ رہیں
خام سکّوں کو بناکر نقرئی — ثبت کر دیتے ہیں شاہی مہر بھی
ہے بظاہر شرع وحدت کا بیاں — زہر کو کرتے ہیں روٹی میں نہاں
اُف جو بولے فلسفی میں دم کہاں — دم جو مارے دینِ حق دے پٹخیاں
دست و پا بیکار اس کے اس کی جاں — جو کہے گی اس پہ یہ کرتے ہیں ہاں
دھرتے ہیں تہمت زباں سے بر ملا — شاہد ان پر ہیں خود ان کے دست و پا

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر کرنا اور سنگریزوں کا ابوجہل کے ہاتھ میں بات کرنا اور گواہی دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر

لے کے کنکر ہاتھ میں بوجہل نے — پوچھا احمدؐ اس میں کیا ہے بولیے
گر ہو پیغمبر کہو کیا ہے نہاں — جانتے ہو راز ہائے آسماں

پوچھا اس سے میں بتاؤں یہ ہیں کیا — یا کہیں یہ ہم ہیں برحق اور بجا
پس کہا بوجہل نے دُسری بھلی — بولے کر سکتا ہے اللہ اور بھی
بولےؐ چھ کنکر ہیں مُٹھی میں نہاں — ذکر و تسبیح سُن ہر اک سے تو عیاں
اس کی مُٹھی میں جو کنکر تھے سبھی — پڑھ رہے تھے بس شہادت آپؐ کی
لا الٰہ بولے پھر الا اللہ کہا — پھر محمدؐ اور رسول اللہ پڑھا
جب سُنا بوجہل یہ قول صواب — اِن کو دے مارا زمیں پر پُر عتاب
بولا جادوگر نہیں ہے تجھ سا آج — ساحروں کا تو ہے سردار اور تاج
دیکھ کر یہ معجزہ وہ جل اُٹھا — غصہ ہوکر راستہ گھر کا لیا
آپؐ سے منہ موڑ کر وہ چل دیا — پست فطرت قعرِ ذلت میں گرا
معجزہ دیکھا بنا بدبخت تر — کفر و بے دینی میں ٹھہرا سخت تر
خاک سر پر کور تھا وہ خاک بیں — خاک دیکھا جیسے ابلیس لعیں
اس بیاں کی حد نہیں ہے اے چچا — پیر چنگی کا وہ قصّہ پھر سُنا
لوٹ آ ! سُن قصّہ مطرب ذرا — انتظاری سے جو عاجز آ گیا

حقیر بوڑھے سارنگی نواز کا قصہ اور اس کو پیغام پہنچانا

پھر عمرؓ کو آئی آواز اے عمرؓ — جا کے حاجت سے اسے آزاد کر
وہ ہمارا بندہ خاص و محترم — سوئے گورستاں بڑھا اپنے قدم
اے عمرؓ اٹھ جا کے بیت المال سے — سات سو دینار اپنے ساتھ لے
بول اُسے دیتے ہوئے اے محترم — ہو قبول اس وقت یہ تھوڑی رقم
یہ ہے سارنگی بجانے کا صلہ — صرف کر اس کو پھر آجا اس جگہ
سُن کے آوازِ مہیب اُٹھے عمرؓ — بہر خدمت باندھ لی اپنی کمر
سوئے گورستاں عمرؓ آگے بڑھے — لے کے ہمیانی بغل میں ڈھونڈتے
پھر کے گورستان کو دیکھا سبھی — تھا بس اک بوڑھا نہ تھا دیگر کوئی

یہ نہ ہوگا ، سوچا ہو دیگر کوئی — تھک گئے پھر پھر کے پایا اس کو ہی
حق نے فرمایا یہ اپنا بندہ ہے — پاک ہے شائستہ ہے فرخندہ ہے
پیر چنگی بن گیا خاص خدا! — واہ رے اسرار و پنہاں واہ وا
بار دیگر گردِ گورستاں پھرا — اک شکاری شیر سا پھرتا رہا
پر نہ پایا پھر بھی کوئی غیر پیر — ''ہیں اندھیرے میں بہت روشن ضمیر''
با ادب فاروقؓ بیٹھے اس جگہ — چھینک انھیں آئی تو بوڑھا چونک اُٹھا
ہوگیا حیراں عمرؓ کو دیکھ کر — لرزہ بر تن جانا چاہا زود تر
دل ہی دل میں بولا فریاد اے خدا — محتسب سے مجھ کو پالا پڑگیا
ڈالی جب بوڑھے کی صورت پر نظر — شرمسار و زرد پایا سر بسر
پس عمرؓ بولے نہ جا مجھ سے نہ ڈر — حق سے لایا ہوں تجھے اچھی خبر
حق نے کی ہے تیری مدحت اس قدر — ہوگیا گرویدہ تیرا خود عمرؓ
میرے آگے بیٹھ آہٹ کر نہ جا — اپنی خوش بختی کا سُن یہ ماجرا
پوچھا فرما کر سلام اپنا خدا — رنج بے حد میں ہے تیرا حال کیا
یہ ہے سارنگی بجانے کا صلہ — خرچ کر اس کو پھر آجا اس جگہ
جب سنا بوڑھے کو لرزہ آگیا — ہاتھ کاٹے اور تڑپتا رہ گیا
چیخ اُٹھا اے خُدائے بے نظیر! — شرم سے پانی ہے یہ بیچارہ پیر
روتے روتے درد جو حد سے بڑھا — چنگ یوں پٹخا کہ ٹکڑے ہوگیا
بولا تو ہی درمیاں اک پردہ تھا — میرے حق میں راہزن تھا تو بڑا
تو نے ستّر سال خوں میرا پیا — با ہُنر لوگوں میں منھ کالا کیا
اے خدائے با عطا و با وفا — رحم کر تھا عمر بھر رہنِ جفا
عمر دی حق نے کہ ہر دن عمر کا — قیمتی تھا کس قدر کس کو پتا
خرچ کر دی عمر اپنی دم بہ دم — پھونک ڈالا کر کے وقفِ زیر و بم
آہ رے یادِ رہ و پردہ عراق — بھول بیٹھا آخری وقتِ فراق

سُر میں 'زیر افگند' کے میں گم رہا ۔۔۔ دل کی کھیتی خشک اور دل مرگیا
ہائے میں چوبیس راگوں میں رہا ۔۔۔ کارواں رخصت ہوا دن ہوگیا
ظلم اپنے آپ پر میں نے کیا ۔۔۔ ہوں تجھ ہی سے داد خواہ میں اے خدا
خود سے نا انصافی یہ میں نے ہی کی ۔۔۔ عمر ستر سال کی ضائع ہوئی
میں سوا اس کے نہ چاہوں داد گر ۔۔۔ وہ ہے میری ذات میں نزدیک تر
لحہ لحہ زیست کا اس سے مِلا ۔۔۔ اس کو پایا خود کو جس دم کھو دیا
جب بھی کر دیتا ہو کوئی گن رقم ۔۔۔ خود سے ہٹ کر دیکھتے ہیں اس کو ہم
رو رہا تھا کر رہا تھا آہ آہ ۔۔۔ گن رہا تھا عمر بھر کے یوں گناہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کو مقام گریہ سے جو کہ ہستی ہے مقام استغراق کی طرف پھیر دینا

پس عمرؓ بولے کہ یہ زاری تری ۔۔۔ ہے علامت صاف تیرے ہوش کی
پھر ہٹایا ایسی حالت سے اسے ۔۔۔ سوئے استغراق پھیرا آپ سے
یادِ ماضی ہوشیاری کا سبب ۔۔۔ رفتہ و آئندہ سے در پردہ رب
خاک ان دونوں کو کر دے تابہ کئے ۔۔۔ تو رہے گا پُر گرہ مانند نے
گانٹھ ہے جب تک نہیں ہے راز دار ۔۔۔ ہوں گے یہ آواز و لب محرومِ یار
گردِ خود یہ طوف تیرا مرتدی ۔۔۔ کعبہ کے اندر رہے تو با خودی
ہوش میں ہوش آفریں سے بے خبر ۔۔۔ تیری توبہ ہے گنہ سے زشت تر
ہے رہ دیگر رہِ اہل فنا ۔۔۔ کیونکہ ہوشیاری ہے اک دیگر خطا
توبہ تو ماضی پہ کرلے بر ملا ۔۔۔ کب کرے گا توبہ سے توبہ بتا
گاہے زاری میں تری دھیمی صدا ۔۔۔ اور کبھی زاری تری پُر غلغلہ
تھے عمرؓ پر بھید سارے ہی عیاں ۔۔۔ ہوگئی بیدار اِدھر بوڑھے کی جاں
مثل جاں تھا فارغِ رنج و خوشی ۔۔۔ جاں گئی اک جان دیگر مل گئی

هوگیا بس غرق حیرت وہ وہیں | هوگیا بیرونِ افلاک و زمیں
جستجو اک ماورائے جُستجو | میں نہیں ، تو جانتا ہے بول تُو
جستجو وہ اک ورائے حال و قال | هوگیا غرقِ جمالِ ذوالجلال
کیسا مستغرق خلاصی جب ملی | غیر دریا اس کو کیا جانے کوئی
عقل جز و کُل کی کہتی بات کیوں | گر تقاضے بارہا ہوتے نہ یوں
تھا تقاضے پر تقاضا ہاں تبھی | اس جگہ تک موج دریا آگئی
حال بوڑھے کا جو ایسا ہوگیا | ڈوب کر دریا کے اندر کھو گیا
بات چیت اس نے بالآخر چھوڑ دی | جب کہی بات اُس نے آدھی ہی کہی
اس طرح کا عیش پانے کے لیے | لاکھ جاں ہوں بھی تو صدقہ کیجئے
دشت جاں میں جوں شکاری باز بن | جیسے خورشید جہاں جانباز بن
چرخ سے سورج ہے ہر دم جانفشاں | بھر دیے دم ہوگئے خالی جہاں
آدمی کے جسم کے اندر یہ جاں | آتی ہے جوں غیب سے آبِ رواں
غیب سے آتی ہے جاں ہر لمحہ اور | 'چل جہانِ تن سے' کا ہوتا ہے شور
جانفشانی کر اے مہر معنوی | دے جہان کہنہ کو پھر تازگی

ان دوفرشتوں کی دعا کی تفسیر کہ ہرروز برسر بازاراعلان کرتے ہیں کہ "اَللّٰھمَّ اَعْطِ کُلَّ مُنْفِقٍ خَلَفاًو کُلّ مُمْسِکٍ تَلَفاً" اےاللہ ہرخرچ کرنے والےکواچھابدلہ دےاور ہربخیل کوتباہی عطافرمااوراس کا بیان کہ خرچ کرنے والا اللہ کےراستے کا مجاہد ہےنہ کہ خواہشات میں اڑنے والا

بولے پیغمبرؐ کہ دائم بہر پند | دو فرشتوں سے منادی ہے بلند
اے خُدا ہر دم بخیلوں کو یہاں | کر عنایت تو زیاں اندر زیاں
جو کریں خرچ ان کو کردے بہرور | دے ہلاکت کا بخیلوں کو ثمر

منفق و ممسک بھلے اُس وقت پر ہوں جو بر موقع تو دونوں با اثر
بخل اکثر خوب تر ہے خرچ سے غیرِ حکم حق تو مال حق نہ دے
تا عوض میں پائے گنجِ بیکراں تا نہ آئے در شمارِ کافراں
دیں انھوں نے اونٹوں کی قربانیاں تا مقابل ہوں نبیؐ کے کامراں
امرِ حق و اصل سے جا معلوم کر امر حق کی ہے کہاں سب کو خبر
جب کرے گا عدل اک باغی غلام باغیوں کا حصہ گنج شہ تمام
طرفہ یہ کہ اس کو وہ سمجھے گا عدل اور سخاوت سے کرے ایثار و بذل
بندہ سمجھا عدل ہی اس نے کیا خرچ مسکینوں پہ مالِ شہ ہوا
ہے جزا اس کی حضور بادشاہ دور درگہ سے رہے اور رو سیاہ
غافلو قرآں میں دھمکی صاف ہے یعنی حسرت حاصل اِصراف ہے

عرب کے سرداروں کا قبولیت کی امید پر قربانی کرنا

اہل مکّہ نے دم حربِ رسولؐ دی تھی قربانی بہ اُمیدِ قبول
ہے اسی ڈر سے یہ مومن کی دُعا ہم کو سیدھے راستے پر تُو چلا
بخشش دام و درم کار سخی جان دے دینا ہے کارِ عاشقی
راہِ حق میں نان دے گا نان لے جاں کی قربانی کرے گا جان لے
پتیاں سب جھاڑ دے گا گر چنار بار بے برگی کا دے گا کردگار
تو سخاوت سے جو کھو بیٹھے گا مال کب کرم حق کا کرے گا پائمال
جس نے بویا ، ڈھیر خالی کرلیا نعمتوں سے کھیت اپنا بھر لیا
اور جو گندم کو بچا کر رکھ لیا چٹ کیا چوہوں نے گھن اس کو لگا
نیست ہے دنیا تو ہستی کر تلاش صفر ہے تو دیکھ معنی کر تلاش
تلخ جاں کی بھینٹ مقتل پر چڑھا جان جوں دریائے شیریں مول لا
دوریٔ دنیا ہے گر تجھ پر گراں آ سُناؤں تجھ کو میں اک داستاں

اس خلیفہ کا قصہ جو سخاوت میں حاتم طائی سے بڑھا ہوا تھا

عہدِ رفتہ میں خلیفہ کوئی تھا
دین وہ حاتم بھی تھا جس کا گدا
اس کی بخشش کا پھریرا تھا بلند
فقر و حاجت پر کیا دروازہ بند
بحر وکاں اس کی سخاوت سے تھے صاف
بخشش اس کی قاف سے تھی تا بہ قاف
عالم خاکی میں ابر و آب تھا
مظہرِ بخشائش وہاب تھا
بحر و کاں میں دین سے اک زلزلہ
لینے والے قافلہ در قافلہ
قبلۂ حاجات اس کا آستاں
گونجتا تھا اس کی بخشش سے جہاں
رومی ہو عجمی ہو یا ترک و عرب
وہ سخی ایسا کہ تھے حیران سب
آبِ حیواں اس کا دریائے کرم
اس سے زندہ ہوگئے عرب و عجم
اُس شہ جود و سخا کا دور تھا
سُن خوشی سے داستاں اس کی ذرا

ایک فقیر بدو کا قصہ اور اس کی بیوی کا اس سے جھگڑا کرنا فقر اور افلاس کے بارے میں

مرد بدو سے زن اس کی ایک رات
گفتگو کرتے بڑھادی حد سے بات
یہ کہ گذری عمر فاقوں میں تمام
ہم ہیں ناخوش ساری دنیا شاد کام
روٹی غائب اپنا سالن درد و رشک
جام سے بے بہرہ پی لیتے ہیں اشک
دن کو جامہ اپنے تن پر دھوپ ہی
رات کو چادر ، نہالی چاندنی
چاند کی ٹکیا پہ روٹی کا گماں
ہاتھ اُٹھے رہتے ہیں سوئے آسماں
ننگ درویشاں ہے درویشی یہی
فکر روزی کی ہے دن بھی رات بھی
ہیں گریزاں اپنے بیگانے سبھی
ہم ہیں لوگوں میں مثالِ سامری
مانگتی ہوں جس سے ایک مٹھی مسور
بولے چپ، مرغم میں ہو آنکھوں سے دور
ہے عرب کا فخر یہ جنگ و عطا
جیسے اک حرف غلط ہم اس جگہ
جنگ کیسی مرتے ہیں فاقوں سے ہم
ہم پریشاں سر پہ شمشیرِ عدم

بے خطا ہیں آگ میں کیسی خطا؟ — غم سے ہم پامال ہیں، کیسی دوا
کیسی بخشش بھیک کو تیار ہیں — مکھیوں سے بڑھ کے ہم نادار ہیں
سوئے گر مہمان میرے گھر کوئی — میں ہوں وہ گدڑی چرالوں گی تبھی
کر رہی تھی اس طرح سارا بیاں — پیشِ شوہر تھی دراز اس کی زباں
شدت افلاس سے ہیں خوارد زار — دل جلے پر اضطراب و اضطرار
کب تلک برداشت یہ ذلت کریں — آگ کے گہرے سمندر میں رہیں
آگیا اک دن جو کوئی میہماں — شرمسار اس سے رہے گی اپنی جاں
کوئی ان جانا جو آئے میہماں — بیچ کھائیں گے ہم اس کی جوتیاں

ضرورت مند مریدوں کا دھوکہ کھانا اور بناوٹی مدعیوں سے شبہ میں پڑنا اوران کو پہنچا ہوا بزرگ سمجھنا اور کھرے کو نقلی سے نہ پہچاننا اور نہ پانا

عقلمندوں نے کہا ہے اس لیے — میہماں محسن کا بننا چاہیے
تو مرید و میہماں اس کا بنا — جس نے چھینا مال تیرے کسب کا
خود ہے بے بس وہ قوی کیونکر بنائے — نور کے بدلے تجھے ظلمت دکھائے
نور جب خود اس کے سینہ میں نہیں — نور دے سکتا ہے اوروں کو کہیں؟
آنکھ کے آزار میں خود مبتلا — کیا وہ دے سکتا ہے آنکھوں کی دوا؟
تنگی و محنت سے یہ حال اپنا ہائے — کوئی مہماں ہم سے دھوکہ کھا نہ جائے
دیکھنا ہے قحط دس سالہ اگر — کھولو آنکھ اور دیکھو ہم کو اک نظر
ظاہر اپنا مدعی کا جوں نہاں — اس کا دل تاریک چمکیلی زباں
اس میں بُو حق کی نہ ہے حق کا اثر — اس کی دعوت رشک شیثؑ و بوالبشرؑ
منھ بھی دکھلایا نہیں شیطاں اسے — بولتا ہے ہوں بڑے ابدال سے
بات درویشوں کی اس نے سیکھ لی — تا یہ دکھلائے کہ ہے کچھ آپ بھی
وہ گناتا ہے عیوب بایزیدؒ — اس کے باطن سے ہے شرمندہ یزید

اس کو جو سمجھے حریفِ بایزیدؒ
حشر ہوگا اس کا بھی جیسے یزید
بے نصیب نان و خوانِ آسماں
حق نے پھینکا تک نہیں اک استخواں
وہ پکارے ہے مرا سفرہ بچھا
نائب حق میں خلیفہ پیر کا
ہے صلائے عام آؤ احمقو
یہ عطائے ہیچ کھاؤ احمقو
وعدۂ فردا کی دُھن میں گم رہے
کل نہ آیا کئی برس یوں کٹ گئے
دیر تک کرنا پڑے گا انتظار
تا کہ ہو اسرارِ انساں آشکار
زیرِ دیوان بدن ہے گنج یا
ہے مقام مور و مار و اژدھا
جب ہوا معلوم اسے خود کچھ نہ تھا
عمر طالب کٹ گئی بے فائدہ

اس بات کا بیان کہ کم ہوتا ہے کہ کوئی مرید جھوٹے مدعی کا سچائی سے معتقد ہو جائے کہ وہ کچھ ہے اور اس اعتقاد کے ذریعے وہ ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ اس کے پیر نے خواب میں بھی نہ دیکھا ہو اور پانی اور آگ اس کو نقصان نہ پہنچائے اور اس کے پیر کو نقصان پہنچائے لیکن نادر تو نادر ہوتا ہے

پر ہے نادر روشنی کی وجہ سے
طالبوں کو جھوٹ سے ہوں فائدے
صدق سے ہوگا جو آخر کامراں
پائے تن جس کو سمجھتا تھا وہ جاں
رونما ہوں گی پھر ایسی حالتیں
شیخ نے برسوں نہیں دیکھی جنھیں
نصف شب کو قبلہ اٹکل ہی سہی
پر تھیں بے قبلہ نمازیں ٹھیک ہی
ہے نہاں میں مدعی کے قحط جاں
آشکارا ہے ہمارا قحطِ ناں
مدعی سا ہم چھپا کر کیا کریں
جھوٹی عزت کے لیے کیوں جان دیں

بدو کا اپنی بیوی کو تسلی دینا اور صبر کی فضیلت بیان کرنا

بولا شوہر مال و محنت تابہ کے — عمر ساری کٹ گئی تھوڑی سی ہے
عاقلوں کو سود کیا کیسا زیاں — سیل سے رہتے ہیں وہ دونوں رواں
صاف ہوں گدلے ہوں ان کو چھوڑ دو — ذکر کیا ان کا نہ ہو پائندہ جو
اس جہاں میں ہیں ہزاروں جانور — جی رہے ہیں سارے شاد و بے خطر
کر رہا ہے فاختہ شکرِ خُدا — گو نہیں ہے پاس ساماں رات کا
حمد حق کی کر رہی ہے عندلیب — رزق کا ضامن ہے تُو ہی اے مجیب
باز سمجھے بازوئے شہ کو نوید — کٹ گئی مرداروں سے اس کی اُمید
پشۂ نا چیز سے تاحدِ فیل — سب عیاں اللہ وہ نعم المعیل[1]
دل کے رنج وغم کا ہے سارا فساد — بود کے ہیں یہ غبار و گرد باد
ہیں درانتی کی طرح ہم کو یہ غم — ایسے ویسے وسوسوں سے خوار ہم
موت کا شمہ ہے غم جانچے اگر — ہو اگر ممکن تو اس کو دور کر
جزو سے بچنا نہیں ممکن اگر — جان لے کُل آ پڑے گا تیرے سر
موت کا یہ جزو شیریں ہو تو جا — کُل کو بھی شیریں بنا دے گا خُدا
درد دُکھ ہیں موت کے پیغامبر — منہ نہ موڑ ان سے کبھی اے بے خبر
جو جیے خوش خوش مرے آخر دُکھی — جاں گنوائی جس نے کی تن پروری
بکریوں کو ہانکتے ہیں دشت سے — جو ہو فربہ ذبح کرتے ہیں اُسے
کٹ گئی شب صبح آئی میری جاں — کب تلک دہرائے گی یہ داستاں
تھی جواں جب تک تو قانع تھی بڑی — زر کی خواہاں ہے تُو زر تھی آپ ہی
بیل تھی انگور کی پھل سے لدی — وہ ابھی پکنے کو تھے تو سڑ گئی
چاہیے انگور شیریں تر بنیں — جوں بٹی رسی نہ بل کھلنے لگیں

1- معیل = بہت بال بچوں والا

میری بیوی ہے تو بن جا ہم صفت
تا چلائیں کام ہم بر مصلحت

جوڑے ہوتے ہیں مثالِ ہمدگر
جوتوں، موزوں پر ہی تھوڑا غور کر

تنگ گر دونوں سے اک جوتا ہوا
کام سے جوتوں کا جوڑا ہی گیا

ایک چھوٹا دوسرا کیوں ہو بڑا؟
شیر کا جوڑا بنا بھی بھیڑیا؟

جوڑا کب ہوتے ہیں تھیلے اونٹ پر
ایک خالی اس طرف بھرپور ادھر

جا رہا ہوں میں قناعت کی طرف
کیوں چلی ہے تو شناعت کی طرف

مردِ صابر کہہ رہا تھا پیار سے
تا سحر کہتا رہا یوں ہی اسے

بیوی کا شوہر کونصیحت کرنا کہ اپنی بساط اور مقام سے بڑھ کر بات نہ کر کیونکہ ''فرمایا گیا ہے'' "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ" جوتم نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو اس لیے کہ یہ باتیں اگر چہ سچی ہیں لیکن تجھے توکّل کا مقام حاصل نہیں ہے اور یہ بات کہنا مقام اور معاملہ سے بڑھ کر تیرے نقصان کا باعث ہے اور اللہ کے نزدیک بڑی موجب عذاب ہے کا مصداق ہوگی

بولی زن چلّا کے اے عزت شعار
دھوکہ کھانے کی نہیں میں بار بار

بس کر اب دعوت تری دعویٰ ترا
یہ اکڑ تیرے لیے ہے ناروا

زعم کب تک کب تلک یہ کرّوفر
دیکھ اپنا حال خود اور شرم کر

یہ تری بکواس یہ دعوے غرور
تو خلاصی پائے کر ان سب کو دور

ہے تکبر مفلسوں کو زشت تر
برف ہے سردی کے دن کپڑے ہیں تر

مونچھ پر تاؤ یہ دعوے بے ثبوت
تیرا گھر گویا ہے بیت العنکبوت

کب قناعت سے ہے جاں روشن تری
تو نے سیکھا ہے بس اس کا نام ہی

بولے پیغمبرؐ قناعت کیا ہے گنج
تو نے کب جانی تمیز گنج و رنج

ہے قناعت کیا؟ بجز گنجِ رواں
کیوں یہ شیخی اے غم و رنج رواں

زن نہ کہہ مردی نہ یوں اپنی جتا ہوں برابر کی نہیں کمتر ذرا
میرو سلطاں سے ہے تیری ہمسری اڑتی مکھی پر یہ کیوں نشتر زنی
گرتا ہے کتّوں سا بہر استخواں جوں نئے خالی ہے تو گرم فغاں
مجھ پہ یہ نظریں حقارت سے نہ ڈال کہہ نہ ڈالوں میں تری رگ رگ کا حال
عقل تیری مجھ سے تھی افزود تر کس لیے مفتوں ہوا کم عقل پر
تو جھپٹ کر گرگ سا مجھ پر نہ آ شرم کر اک بے خرد تجھ سے بھلا
عقل تیری آدمی کے حق میں جال کام اس کے مارد کژدم کی مثال
تیرے مکر و ظلم سے اللہ بچائے عقل تیری ہم کو چھونے بھی نہ پائے
سانپ بھی تو چارہ گر بھی اے عجب تو سپیرا بھی ہے ، اے ننگِ عرب
اپنی بد روئی سمجھتا زاغ اگر برف سا گھل گھل کے مرتا زود تر
پڑھتا ہے منتر فسوں گر سانپ پر سانپ بھی پڑھتا ہے منتر لوٹ کر
گر نہ ہوتا دام اُسے افسونِ مار کب فسونِ مار کا ہوتا شکار
ہے فسونِ گر کو جنونِ کسب و کار کیوں کرے محسوس وہ افسونِ مار
مار کہتا ہے فسوں گر دیکھ آ تیرا وہ میرا یہ منتر دیکھ آ
نام حق لے کر پھنساتا ہے مجھے تا مجھے رسوائے شور و شر کرے
تو نہیں پھانسا ہے نام اللہ کا دام تو نے نامِ حق کو کرلیا
داد لے گا میری نام ذوالمنن ہیں سپرد اللہ کے یہ جان و تن
زخم پر میرے وہ تیری جان لے یا وہ مجھ سا تجھ کو بھی قیدی کرے
تلخ تھا انداز اس کی بات کا قصّہ یہ طومار در طومار تھا

مرد کا عورت کو نصیحت کرنا کہ فقیروں کو ذلت سے نہ دیکھ اور اللہ کے معاملے میں کمال کے گمان سے نظر کر اور اپنے افلاس کی وجہ سے فقر اور فقیروں پر طعنہ زنی نہ کر

مرد نے طعنے سب اس زن کے سُنے — دیکھ سن کر بولتا ہے کیا اِسے
بولا زن! تو زن ہے یا ہے بوالحزن — فقر و فخری ہے خموش اے طعنہ زن
سر چھپانے ہے کلاہِ مال و زر — گنجے ٹوپی سے چھپا لیتے ہیں سر
بال پُر خم جس کی زلفیں ہیں حسیں — خوب تر ہے اس کو گر ٹوپی نہیں
مردِ حق ہے جیسے آنکھوں میں نظر — پیرہن میں یا ہے ننگا خوب تر؟
تن سے جوں بندوں کے اک بردہ فروش — دور کر دیتا ہے جامۂ عیب پوش
عیب ہو تو ننگا وہ کرتا ہے کب — عیب کپڑوں سے چھپا دیتا ہے سب
بولے ہے شرم اس کو خوب وزشت سے — گر کرے ننگا بھگا دے گا اسے
عیب سے بھرپور ہے خواجہ کا تن — عیب پوش اس کے لیے ہے اس کا دھن
عیب لالچ سے نہ دیکھے لالچی — لالچی کرتی ہے پیدا دوستی
بات ناداروں کی سونا ہی سہی — کیا رہی بازار کے قابل کبھی؟
فہم سے بالا ہیں درویشی کے کار — دیکھ ذلت سے نہ پیش آ ہوشیار
کارِ دنیا سے ہے درویشی ورا — اُن پہ ہے اللہ کی ہر دم عطا
بڑھ کے ملک و مال سے بھی یہ فقیر — پاتے ہیں اللہ سے روزی کثیر
ہے خدا عادل بڑا عادل کہیں! — ظلم کمزوروں پہ کرتے ہیں ؟ نہیں
ایک بندے پر سب انعام و عطا — دوسرے کو نذر آتش کر دیا
خاک ہو جائے کرے جو یہ گماں — اس پہ جو ہے خالق ہر دو جہاں
فقر فخری ٹھیک ہے ، کب ہے مجاز — اس میں لاکھوں عزتیں ہیں اس میں ناز
تُو نے غصّہ میں مجھے کیا کیا کہا — سانپ کہہ ڈالا سپیرا کہہ دیا
سانپ کو پکڑوں تو کچلی توڑ دوں — تا کچلنے سے بچا کر سر رکھوں

کچلیاں ہی تو ہیں دشمن سانپ کی دوست دشمن کو بناتا ہوں یونہی
وجہ لالچ کی نہیں میرا فسوں رکھتا ہوں لالچ کو ہر دم سرنگوں
مجھ کو واللہ لوگوں سے لالچ نہیں دل میں دنیائے قناعت ہے یہیں
دیکھتی ہے یوں سرِ امرود سے دیکھ اُتر کر سب گماں جاتا رہے
گھومنے سے سر میں چکر آئے گی گھر کو دیکھے گھومتے ، گھومے تو ہی

اس بیان میں کہ ہر چیز کا حرکت کرتے نظر آنا اس لیے کہ وہ ہر چیز کو اپنے وجود کے حلقہ سے دیکھتا ہے یہاں تک کہ نیلے رنگ کے ذریعے سورج کو نیلا اور سرخ کے ذریعے سرخ دکھاتا ہے جب چمک رنگ سے صاف ہو جاتی اور سفید ہو جاتی ہے تو تمام دوسری روشنیوں سے زیادہ صحیح دکھانے والی ہوتی ہے

دیکھ کر بوجہل بولا آپؐ کو ہو بنی ہاشم میں تم ہی زشت رو
بولے احمدؐ تو نے یہ سچی کہی ٹھیک بولا گرچہ بیہودہ سہی
دیکھ کر صدیقؓ بولے آفتاب جہت سے آزاد ہو دکھلاؤ تاب
بولے احمدؐ سچ کہا تو نے عزیز تجھ کو یہ دنیا نہیں ہے کوئی چیز
جو تھے حاضر بولے سردار جہاںؐ راست کیسے ہوگا دونوں کا بیاں
بولےؐ میں صیقل زدہ آئینہ ہوں ترک ہندو سب کو اُن جیسا لگوں
آئینہ ہو جس کسی کے روبرو دیکھتا ہے اپنے خوب و زشت کو
لالچی پاتی ہے گر اے زن مجھے اس زنانہ بد ظنی کو چھوڑ دے
فقر بھی لالچ سا ہے رحمت مگر ہے جہاں نعمت کہاں لالچ ادھر
اک دو دن کر امتحاں تو فقر کا فقر میں پائے گی تو دُوگنی غنا
فقر پر کر صبر دل سے دھو ملال فقر میں ہے عز و شانِ ذوالجلال
ترش رو کیوں ہے ہزاروں جاں یہیں صبر سے ہیں غرق بحرِ انگبیں

ہے ہزاروں تلخ جانوں کا یہ حال — کھانڈ گُل اک چیز گلقند کی مثال
کاش تجھ میں ہوتی گنجائش اگر — شرحِ دل کی ہوتی تجھ کو بھی خبر
دودھ ہے پستانِ جاں کا یہ سخن — چوسنے تک تر نہیں کرتا دہن
سننے والوں میں جو پائے تشنگی — مردہ واعظ میں بھی جان آجائے گی
سننے والوں میں نہ پائے گر تکان — بولنے لگ جائے ہر گونگی زبان
در پہ نا محرم کو آتا دیکھ کر — پردہ آجاتا ہے مستورات پر
حق رکھے محرم گر آجائے کوئی — پردہ مستورات اُٹھالیں آپ ہی
ہے سجاوٹ عمدگی کس کے لیے — دیکھنے والی نظر کے واسطے
نغمہ جو پیدا ہے تار چنگ سے — کب ہے بہروں اور بےحس کے لیے
بے ضرورت مشک کو خوشبو نہ دی — یہ عطا ہے سونگھنے والوں کو ہی
خوشنوائی بانسری کو چپ نہ دی — لے بنائی اس نے بہر آدمی
حق نے یہ ارض و سما پیدا کیے — روشنی دی ان کو نور و نار سے
یہ زمیں ہے از برائے خاکیاں — آسماں ہے مسکن افلاکیاں
مردِ سفلی ہے عدوئے آسماں — ہر مکاں کو ہے خریدار مکاں
تو بھی اے پردہ نشیں کہہ تو سہی — سج سجا کر بہر کور آئی کبھی
پُر دُر مکنوں سے کل دنیا کروں — گر ترا حصّہ نہ ہو میں کیا کروں
اپنی جنگ و رہزنی تو چھوڑ دے — یہ نہیں ممکن تو مجھ کو چھوڑ دے
کب ہے موقع نیک و بد کی جنگ کا — صلح سے بھی بھاگتا ہے دل مرا
میرے زخموں پر نمک باشی نہ کر — جان بیخود کو مری زخمی نہ کر
میں نے خاموشی سے رہ لی دوسری — چھوڑ کر چل دوں گا سب گھر بار ابھی
پیر ننگا تنگ جوتی سے بھلا — رنج غربت خانہ جنگی سے بھلا

عورت کا مرد کی رعایت کرنا اور اپنے کہے ہوئے سے توبہ کرنا

دیکھ کر شوہر کی تندی کا یہ حال
رو پڑی ، رونا ہے خود عورت کا جال

بولی تم کو یوں کبھی سمجھی نہ تھی
تھی توقع مجھ کو تم سے اور ہی

عاجزی کرتے ہوئے بولی وہیں
آپ کی مٹی ہوں میں بیوی نہیں

جسم و جاں میری تمھارے نام ہے
حکم و فرماں بھی تمھارا کام ہے

بار لگتی ہے فقیری گر مجھے
تیری خاطر ہے نہیں میرے لیے

ہے مرے دُکھ درد کی تو ہی دوا
میں نہ چاہوں ہو رہے تو بے نوا

یہ نہیں میرے لیے تیری قسم
تیری خاطر ہیں فغان و اشک وغم

جیتی ہوں تیرے لیے حق کی قسم
میری ہستی تجھ پہ صدقے دم بہ دم

تیری جاں جس پر فدا ہے میری جاں
کاش میری جان کا جانے نہاں

جبکہ مجھ پر ہے ترا ایسا گماں
ہیں عبث میرے لیے یہ جسم و جاں

سیم و زر پر خاک اے دل کے سکوں
میری بابت بن گیا ہے تو جو یوں

میرے جان و دل میں جب تیری ہے جا
کیوں ہے یہ اظہار بیزاری بتا

مجھ سے رہ بیزار تیرا اختیار
میری جاں ہے معذرت کی خواستگار

یاد کر تو وہ زمانہ بھی ذرا
میں تھی جوں بت تو پجاری تھا مرا

خوش ہے اب بندی ملانے ہاں میں ہاں
میں جلا بولوں پکا بولے جہاں

میں ہوں پالک جس طرح چاہے پکا
کھٹا میٹھا جو تجھے بھائے بنا

کفر بک کر لاتی ہوں ایمان اب
میں کروں تعمیل دے فرمان اب

میں تری شاہانہ خو سے بے خبر
ہانکتی رہتی تھی گستاخانہ خر

تیری بخشش کو چراغ اپنا کیا
توبہ توبہ ہوگی پھر حجت خطا

رکھتی ہوں تیغ و کفن آگے ترے
لے جھکائی میں نے گردن مار دے

بات فرقت کی نہیں بھاتی مگر
جو تجھے منظور ہوکر یہ نہ کر

معذرت کا گوشہ کچھ میرے لیے
میری غیبت میں شفاعت گر بنے

عذر جو ہوں خلق حسنہ سے ترے
جرم میں نے اُن کے برتے پر کیے

رحم للّٰہ مجھ پہ کر اے غصہ در
خُلق سو من شہد سے ہے خوب تر

اس طرح دل کھول کر کہنے لگی
منھ کے بل پھر روتے روتے گر پڑی

اس کا گریہ جب حدوں سے بڑھ گیا
مرد کا دل پانی پانی ہوگیا

مرد کیونکر یارا پائے صبر کا
وہ بغیر گریہ بھی تھی دلربا

جس طرح بارش میں بجلی گر پڑی
ایک چنگاری اڑی دل پر گری

مرد خود تھا بندۂ حسن و جمال
حسن خود ہو بندہ تو کیا ہوگا حال

تو لرز جاتا ہو جس کے کبر سے
کیا کرے گا تو وہ جب رونے لگے

ہوں دل و جاں خون جس کے ناز سے
عجز پر آئے اگر کیسا لگے

ہم کو پھندا جس کے خود جور و جفا
معذرت پر اس کی اپنا عذر کیا؟

وہ کہ خونریزی ہو جس کا مشغلہ
رکھ دیا گردن تو اچھا ہی کیا

جس نے نخوت کے سِوا جانا نہ تھا
گر کرے دلجوئی کیا ہوگا بتا

زیّنَ لِلنّاس کو سچ دھج دیا
ہوں گے تقدیرِ خُدا سے کیوں رہا

مقصدِ یَسکُنَ اِلَیہَا صاف تھا
کیسے آدمؑ ہوتے حواؑ سے جُدا

ہوتا رستم بھی جو حمزہؓ سے سِوا
کیا نہ ہوتا بندہ اپنی زال کا

جس کی باتوں سے زمانہ مست تھا
کلّمینی یا حُمیرہ کہہ دیا

آگ پر ہیبت سے غالب ہے جو آب
کھولتا ہے آگ سے جب ہو حجاب

دیگ نے جب کردیا ان کو جُدا
آگ نے پانی کو کر ڈالا ہوا

ظاہرا تو زن پہ غالب ہوگیا
باطناً مغلوب و طالب اس کا تھا

ہے اسی فطرت سے مہر انسان میں
اس کے فقدان سے ہے کم حیوان میں

اس حدیث کے بیان میں کہ بیشک وہ عورتیں عقلمند پر غالب ہیں اور جاہل ان پر غالب

بولے زن غالب ہے اہل عقل پر   اس کا غلبہ اہل دل پر سخت تر
غلبہ زن پر جاہلوں کا ہے شعار   رکھتے ہیں ظلم و تعدی سے وہ کار
نرمی و الفت ہیں دونوں ان سے دور   ہوتی ہے حیوانیت ان میں وفور
نرمی و الفت ہے انساں کی صفت   غصّہ اور شہوت ہے حیوان کی صفت
سایۂ حق ہے نہیں معشوق وہ   گویا خالق ہے نہیں مخلوق وہ

مرد کا عورت کی درخواست کو قبول کرنا جو روزگار کے بارے میں تھی
اور اس کے اعتراض کو اللہ کا اشارہ جاننا

ہے ظاہر گھومتی ہے جب کوئی شئے   وہاں اس کے گھمانے کو کوئی ہے
وہاں چرخہ چلانے کو ہے بڑھیا   کر اندازہ اسی سے آسماں کا
منفعل باتوں سے تھا مرد اس طرح   مرتے دم ظالم پشیماں جس طرح
دشمن اپنی جانِ جاں کا کیوں بنا   بد سلوکی اس سے کی یہ کیا کیا
عقل کھو جائے گی جب آئی قضا   اور قضا کو کون جانے جُز خدا
بند کر دیتی ہے آنکھیں پردہ پوش   تا نہ ہو سر پیر کا کچھ ہم کو ہوش
دی امامِ المتقیں نے یوں خبر   بولے اِذجاءَ اُلقَضَا عُمِی اُلبصَرَ
منفعل وہ ٹل گئی جس دم قضا   ہو گریباں چاک جب ہوش آ گیا
مرد بولا جان من شرمندہ ہوں   گر رہا کافر مسلماں ہو رہوں
کی خطا میں نے ہو رحمت کی نظر   کر نہ دے معدوم جڑ سے کاٹ کر
کہنہ کافر جب پشیماں ہوگیا   عذر کے باعث مسلماں ہوگیا
تیرا مجرم ہوں تو مجھ پر رحم کر   کر قبول اور شک نہ کر تو عذر پر
در کہ ہے رحمت پُر از لطف و کرم   اس پہ وارفتہ ہیں ہستی اور عدم
کفر و ایماں عاشقان کبریا   تانبا ، چاندی ، بندگان کیمیا

اس بیان میں کہ موسیٰ علیہ السلام وفرعون دونوں ایک ہی مشیت کے تابع ہیں جیسا کہ زہراورتریاق، تاریکی وروشنی اورفرعون کی اللہ تعالیٰ سے خلوت

عالم فرعون و موسیٰؑ ایک ہی
رہ پہ یہ اس میں بظاہر گمرہی

دن کو جو موسیٰؑ تھے نالاں پیشِ حق
نیم شب فرعون گریاں پیش حق

طوق گردن میں ہے کیسی اے خُدا؟
ورنہ دیتا کون؟ میں میں کی صدا

چونکہ دی موسیٰؑ کو صورت چاند سی
رو سیاہی اس سے تُو نے مجھ کو دی

تُو نے موسیٰؑ کو منور کر دیا
اور مجھے اس سے مکدر کر دیا

چاند سے بہتر ستارہ تھا مرا
کیا کروں مجھ کو گہن جب لگ گیا

میرے رب ہونے کی جب نوبت بجے
تالیاں بجنے لگیں گرہن لگے

کیا قیامت تھال سے ڈھاتے ہیں لوگ
چاند کو رسوا کیے جاتے ہیں لوگ

میں ہوں فرعون اس سے میں رنجیدہ ہوں
رَبِّیَ الاَعلیٰ پہ میرے شور کیوں

خواجہ تاشاں ہم پہ تو نے برخلاف
تیشہ لے کر شاخ میں ڈالا شگاف

کر دیا پیوند اسے اک شاخ پر
اور کی بیکار ادھر شاخ دگر

شاخ کو تیشہ پہ قابو ہے نہیں؟
تیشہ سے بچ کر رہی ڈالی کہیں؟

صدقے ہے قدرت کے یہ تیشہ ترا
لطف سے ہر ٹیڑھ کو سیدھی بنا

خود میں پھر فرعون بولا اے عجب
ربّنا پڑھتا نہیں کیا جملہ شب

میں بخود پرُ عجز، مجھ میں اعتدال
پیشِ موسیٰ کیوں یہ ہوجاتا ہے حال

رنگ کھوٹے سونے کا تھا دس گنا
آگ کے آگے وہ کالا پڑ گیا

جسم و جاں پر کیا نہیں حکم اس کا ہی
ہم ابھی ہیں مغز اور چھلکا ابھی

گاہے میں مہتاب ہوں گا ہے سیاہ
کون کر سکتا ہے یہ غیر اِلٰہ

کھیت بن بولے تو سبز و تر بنوں
بولے بدرُو بن تو پیلا ہو رہوں

گیند سم، بلّا ہے حکم کُن فکاں
اپنی جولانگہ مکان و لا مکاں

پھنس گیا بے رنگ آ کر رنگ میں — موسیٰ موسیٰ کے مقابل میں جنگ میں
لوٹ کر آئے جو بے رنگی وہیں — موسیٰ اور فرعون میں ہو آشتی
گر مری اس بات پر پوچھے سوال — رنگ سے خالی نہیں ہیں قیل و قال
اے عجب بے رنگ سے جب رنگ ہے — رنگ اور بے رنگ میں کیوں جنگ ہے
اصل روغن پانی سے پیدا ہوا — انتہا پانی کا دشمن کیوں ہوا
تیل خود پانی سے جب پیدا ہوا — تیل کیوں پانی کا دشمن ہو رہا
پھول کانٹے سے ہے کانٹا پھول سے — پر مخالف ایک دیگر کے لیے
مصلحت ہوگی نہیں یہ کوئی جنگ — اک بناوٹ جیسے دلالوں کی جنگ
یہ نہیں اور وہ نہیں حیرت سبھی — ہیں دفینے ڈھونڈو ویرانوں میں ہی
تُو جسے سمجھا خزانہ ہے یہی — اس سے کھو بیٹھا ہے تو گنجینہ ہی
جوں عمارت یہ تدابیر و گماں — گنج آبادی میں ہوتے ہیں کہاں؟
بستیوں میں ہستیاں ہیں جنگ ہے — فانیوں کو ہستیوں سے ننگ ہے
نیست سے کیوں ہست کو نفرت بھلا — نیست نے خود ہست کو رد کردیا
یہ نہ کہہ تو نیستی سے ہے نفور — بھاگتی ہے نیستی خود تجھ سے دور
گو بظاہر وہ بلاتی ہے تجھے — اصل میں ہانکے بھگاتی ہے تجھے
آگ میں اک قوم پھولوں کی مثال — اک دگر گلشن میں با رنج و ملال
لغل الٹے میں سمجھ لے اے سلیم — نفرتِ فرعون در بابِ کلیم

بد بخت لوگوں کے دو جہاں سے محروم رہنے کا سبب جنھوں نے دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھایا

وہ حکیم اس طرح کرتا ہے یقیں — آسماں انڈا تو جوں زردی زمیں
پوچھا سائل کیوں ہے قائم خاکداں — اس محیطِ آسماں کے درمیاں
جوں فضاؤں میں کوئی قندیل ادھر — نیچے اوپر جو نہ ہو اک ذرہ بھر

بولا قائم ہے کشش پر یہ جہاں
کھینچتا ہے ہر طرف سے آسماں

جس طرح اک قبہ مقناطیس کا
لوہا اس کے بیچ میں لٹکا ہوا

دوسرا بولا فلک ہے با صفا
کیوں زمینِ تیرہ کو کھینچے بھلا؟

بلکہ اس کو پھینکتا ہے آسماں
تا ہو لٹکے تیز ہوا کے درمیاں

چونکہ ہیں رد کردۂ اہلِ کمال
جان فرعونوں کی ہے غرقِ ضلال

دونوں عالم کے یہ ٹھکرائے ہوئے
وہ تو بس محروم دونوں سے رہے

سرکشی تیری یہ اہل اللہ سے
رنج میں وہ حال تیرا دیکھ کے

کہربا رکھتے ہیں، جب دکھلائیں گے
اپنا دیوانہ بنالیں گے تجھے

جب چھپالیں گے وہ اپنا کہربا
بندگی سے سرکشی پر آئے گا

اس طرح گویا کوئی حیوان تھا
جو فدائی تھا کسی انسان کا

رتبۂ انساں ہے نزد اولیا
زیرِ فرماں مثل حیواں پائے گا

اپنا بندہ سب کو احمدؐ نے کہا
آیۂ قُلْ یَاعِبَادِی پڑھ ذرا

تو شتر اور عقل تیری سارباں
لے چلے تجھ کو جہاں تو چل وہاں

عقل عقلوں کی ہیں گویا اولیا
اور عقلیں اونٹ سی تا انتہا

از رہِ عبرت تو ڈال ان پر نظر
لاکھ لوگوں کا وہ ایک ہی راہبر

سارباں کیا کیا مقام راہبر
جو لڑے سورج سے جم کر وہ نظر

دیکھ اندھیرے میں جہاں بیکار تھا
منتظر وہ دن کا اور خورشید کا

ذرّے کے اندر یہ سورج واہ وا
کھال میں بکری کی شیرِ نر چھپا

دیکھ یہ دریا ہے نیچے کاہ کے
پاؤں ہریالی سمجھ کر رکھ نہ دے

جو گمان وظن دلوں میں ہیں سبھی
حق کی رحمت ہیں برائے رہبری

ہر نبی آیا اکیلا ہی یہاں
فرد تھا خود اس میں سو عالم نہاں

عالم کبریٰ مسخر کرلیا
انکساری میں مگر لپٹا رہا

بیوقوفوں نے اسے سمجھا ضعیف
ضعف کیسا! جب وہ تھا شہ کا حریف

بولے احمق اک بشر ہے اور کیا حیف غم ان کو نہ تھا انجام کا
کاملی کیا ہے نظر انجام پر دور کر دینا جہالت سربسر
سنئے صالحؑ کی ذرا اب داستاں چھوڑ صورت کر طلب معنیٰ یہاں
کیونکہ ظاہر بیں نہ دیکھے عاقبت عاقبت چاہے تو پائے عافیت

دشمنوں کا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو حقیر جاننا، جب خدا چاہتا ہے کسی لشکر کو ہلاک کرے ان کی نظر میں دشمنوں کو حقیر دکھلاتا ہے اور وہ تم کو ان کی نظر میں کم دکھاتا ہے تاکہ اس کام کو سرانجام دے جو کرنا چاہتا ہے

ناقہ صالحؑ کی بصورت تھی شتر اس کی کونچیں کاٹ ڈالے بے خبر
دشمنی اس سے تھی پانی کے لیے آب و دانہ کے وہ نا شکرے رہے
اونٹنی نے ابر سے پانی پیا حق کا پانی حق سے خود روکا گیا
ناقۂ صالحؑ تھی جیسی صالحین دام تھی بہرِ ہلاک طالحین
تھا عذاب مرگ و درد اِس قوم کا نَاقَةُ اللّٰهِ وَ سُقْیاَهَا سے تھا
مہر حق کا داروغہ آگے بڑھا بن گیا شہر اونٹنی کا خوں بہا
روح صالحؑ ناقہ کے مانند تھی نفس کوچے کاٹنے والا دنی
روح جوں صالحؑ ہے تن جوں ناقہ ہے روح کو وصل اور تن کو فاقہ ہے
روح پر آفت نہیں کرتی اثر کیا لگائے زخم کوئی ذات پر
روح صالحؑ درد کے قابل نہیں نورِ حق مغلوبِ باطل ہے کہیں
حق نے رکھا روح کو تن میں نہاں تاکہ دکھ دیں اور جھیلیں امتحاں
بے خبر آزار، آزار اُس کا ہے آبِ کوزہ نہر سے وابستہ ہے
حق نے جوڑا جاں کو تن سے اس لیے تاکہ دنیا کو اماں اس سے ملے
اِن کے دل پر کس کو حاصل ہے ظفر سیپ پر آفت ، گہر ہے بے ضرر

بن غلامِ ناقہ جسم ولی   روح صالحؑ سے ہوتا ہم خواجگی
بولے صالحؑ تم نے برتا ہے حسد   تین دن بعد آئے گا لو روز بد
تین دن پھر بعد بھیجے جاں ستاں   آگ ایسی تین ہیں جس کے نشاں
رنگ رُخ تم سب کا ہوجائے دگر   رنگ رنگ مختلف آئے نظر
روزِ اوّل زعفرانی ہوگا رنگ   اور دوم دن ارغوانی ہوگا رنگ
روزِ سوم سب کے منھ ہوں گے سیاہ   اس کے بعد آجائے گا قہر الٰہ
گر نشانی چاہیے تو لے لو ٹوہ   بچۂ ناقہ دواں ہے سوئے کوہ
روک سکتے ہو تو روکو تم اسے   ورنہ دھولو ہاتھ تم اُمید سے
سن کے بھاگے بھاگنے کا یہ سماں   جیسے کتے اونٹ کے پیچھے دواں
پر کوئی اس تک پہنچنے سے رہا   بچہ وہ کہسار میں گم ہوگیا
پاک جاں کو ہے جو وجہ عارتن   دوڑتی ہے سوئے رب ذو المنن
بولے صالحؑ فیصلہ قطعی ہوا   اب بھلا اُمید سے کیا فائدہ
اونٹنی کا بچہ کیا ؟ قلبِ ولی   اس پہ احساں اس کی خدمت لازمی
بچ گئے وہ مطمئن گر ہوگیا   ورنہ جُز نومیدی و حسرت ہے کیا؟
جب یہ ہیبت ناک دھمکی سُن چکے   بس اُسی کی راہ تکتے رہ گئے
پایا اوّل روز جب چہروں کو زرد   نا اُمیدی سے بھری اک آہِ سرد
دوسرے دن سب کے چہرے سُرخ تھے   بند تھے اب در امید و توبہ کے
تیسرے دن ہوگئے سب رو سیاہ   جو کہا صالحؑ نے سچ ثابت ہوا
جبکہ نا اُمید سارے ہوگئے   اونٹ کے مانند دو زانو ہوئے
اور کہے قرآن میں روحؑ الامین   یوں دو زانو بیٹھنے کو ''جاثمین''
بیٹھ دو زانو پڑھائیں جب تجھے   یوں بٹھاتے ہیں ڈرانے کے لیے
سب کو بس اب انتظارِ قہر تھا   قہر آیا نیست سارا شہر تھا
آئے ہیں خلوت سے جب صالحؑ وہاں   آگ دیکھی ہر طرف ہر سو دھواں

ہر طرف اجزا کے جلنے کی صدا — نوحہ تھا پر نوحہ گر کوئی نہ تھا
ہڈیوں سے ان کی آتی تھی پکار — ان کی جاں تھی اشک خوں سے ژالہ بار
روتے روتے رونا حد سے بڑھ گیا — اور وہ رونا دلربا و جا نفزا
سن کے صالح آپ خود رونے لگے — رونے والوں کے لیے روتے رہے
بولے بے دینو ! تمھارے واسطے — رو دیا میں خود خدا کے سامنے
بولا حق برداشت کر ان کی جفا — پند دے وقت ان کا تھوڑا رہ گیا
بولا کیسی پند ہنگام جفا — دودھ اُبلے ہو اگر مہر و صفا
مجھ پہ کی اس قوم نے بے حد جفا — جس سے شِیر پند جم کر رہ گیا
بولا حق میں تجھ کو خوئے لطف دوں — میں علاجِ زخم مرہم سے کروں
صاف جوں گردوں کیا دل کو خُدا — اُس سے دھو ڈالا تمھاری سب جفا
میں نصیحت میں دوبارہ لگ گیا — جوں شکر شیریں بیاں دینے لگا
شیر تازہ پیدا شکر سے کیا — ایک شیر و شہد و شکر کر دیا
بات میری زہر سی کڑوی لگی — کیونکہ زہرستاں سراپا تھے تم ہی
غم میں کیوں کھاؤں کہ غم اوندھا ہوا — سرکشو نم ہی تو ہو یہ غم مرا
مرگِ غم پر کوئی روتا ہے بھلا؟ — بال کیوں نوچوں جو زخم اچھا ہوا
خود سے پھر کہنے لگے اے نوحہ گر — نوحہ کے لائق نہیں ہیں یہ نفر
ٹھیک پڑھتا ہے تو قرآنِ مبیں — کیوں بنے غمخوار قوم کافریں
غم سے بھر آئی طبیعت خود بخود — تھے عیاں آثارِ رحمت خود بخود
اشک بہتے تھے وہ خود حیران تھے — اشک وہ قطرے تھے بحرِ جود کے
عقل کہتی تھی یہ رونا کس لیے — ظالم ایسے ، ان پہ رونا چاہیے؟
کس پہ رونا؟ ان کے بدکردار پر؟ — کینہ ور ، اس لشکر اِشرار پر؟
ان کے زنگ آلود قلبِ تار پر؟ — زہر آلودہ زبانِ مار پر ؟
اِن کے کتوں جیسے دانت اور سانس پر — منھ پہ آنکھوں پر جو ہیں بچھو کے گھر؟

ان کی جنگ ،ان کی ہنسی پر ظلم پر؟ شکر قید اِن کو کیا جو داد گر
کج نظر، کج کار،کج رفتار سب کج سب ان کے صلح و مہر و غضب
پیروی تھی جو سُنی کرتے گئے سر کو ٹھوکر مارے پیر عقل کے
جستجوئے پیر کیا کرتے گدھے ہمدگر چشم و زبان و گوش سے
بندگاں کو خلد سے لایا خدا تا دکھائے اہل دوزخ کی سزا

اس آیت مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَان کے معنیٰ کے بیان میں چلائے دو دریا مل کر چلنے والے ان دونوں میں ہے، ایک پردہ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے

اہل نارو خلد ہیں باہم یہاں درمیاں ہے بَرزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ
اہل نارو نور اک ہیں بر خلاف حائل ان کے درمیاں ہے کوہِ قاف
اہل نار و نور باہم ہیں جہاں درمیاں ان کے ہے بحرِ بیکراں
گو کہ ہیں معدن میں باہم خاک وزر بیچ میں ان کے ہیں کتنے دشت و در
پود موتی ہار میں ہیں ایک سے دونوں جوں مہماں ہیں ایک ہی رات کے
دیکھنے میں نیک و بد ہیں ایک سے کھول آنکھیں دیکھ انھیں پہچان لے
اک سمندر نصف میٹھا جوں شکر ذائقہ خوش، رنگ روشن جوں قمر
نصف دیگر تلخ جیسے زہر مار بد مزہ اور رنگ کالا قیر وار
مار ٹکر ہوتے ہیں زیر و زبر جیسے موجیں بحر کی ایک ایک پر
تنگ نظری کے سبب جھگڑے سبھی ہوں بہم جانیں تو جنگ و آشتی
صلح کی موجوں کو اُکساتے ہوئے گھس کے کینہ سینہ چمکاتے ہوئے
موجہائے جنگ بھی طرز دگر چاہتوں کو کرتی ہیں زیر زبر
مہر کڑوؤں کو چکھاتی ہے مٹھاس راستی ہے مہر و الفت کی اساس
تلخ شیریں سے چلائے دور ہی تلخ و شیریں میں نہیں نسبت کوئی

تلخ و شیریں اک نہیں آتے نظر
چاہیے اس کو نظر انجام پر

چشمِ آخربیں کا رستہ راستہ
چشمِ اول بیں کا رستہ ہے خطا

ہے بہت کچھ جوں شکر شیریں یہاں
پر شکر میں زہر ہوتا ہے نہاں

جو ہے عاقل تاڑ لیتا ہے اسے
جہت پا لیتا ہے اس کی دور سے

بڑھ کے آگے سونگھتا ہے دوسرا
تیسرے نے چھو کے اس کو رد کیا

وہ دگر پہچانتا ہے سونگھ کر
کوئی رکھ لیتا ہے ہونٹ اور دانت پر

ہونٹ رد کرتے ہیں پہلے حلق سے
گو کہ شیطاں بولتا ہے کھا اسے

حلق تک لاکر کوئی جانا اسے
اور دیگر جسم میں رسوا کرے

اس کو کھڈی میں جلائے سوز سے
پے بہ پے زخم جگر دوز اس کو دے

بعض کو مدت گذر جانے کے بعد
قبر میں بعضوں کو مر جانے کے بعد

گر وہاں بھی اس کو مہلت دی گئی
حشر میں ہونا ہے ظاہر لازمی

دہر میں مصری شکر ہی لیجئے
وقت اک درکار ہے سب کے لیے

لعل کو برسوں کی مدت چاہیے
تا چمک اور رنگ وہ سورج سے لے

پنج سالہ ہفت سالہ جھاڑ ہی
دے کے میوے بنتے ہیں خوش قسمتی

دو مہینے چاہئیں سبزی کو بس
اور گلِ احمر کی خاطر اک برس

کس قدر واضح ہے قولِ عزوجل
سورۃ الانعام میں ذکرِ اجل

سُن لیا تجھ کو سمجھ اللہ دے
زہر مہرہ آبِ حیواں سے ملے

آب حیواں ہے نہ کہہ اس کو سخن
تازہ جاں رکھتے ہیں یہ حرف کہن

دوسرا نکتہ بھی سُن لے اے رفیق
جان کے مانند پیدا و دقیق

اک جگہ اس کو بھی پائے زہر مار
ہو تصرف سے خدا کے خوشگوار

زہر بن جائے کبھی تو یہ دوا
اک جگہ ممنوع ہو اک جا روا

اک جگہ کانٹا یہی اک جا گلاب
اک جگہ سرکہ یہی اک جا شراب

اک جگہ یہ خوف ہے اک جا رجا
اک جگہ یہ بخل ہے اک جا سخا

اک جگہ یہ فقر ہے اک جا غنا / اک جگہ یہ قہراک جا یہ رضا
اک جگہ یہ جور ہے اک جا وفا / اک جگہ ہے منع تو اک جا عطا
اک جگہ یہ عیب ہے اک جا ہنر / اک جگہ یہ سنگ ہے اک جا گہر
اک جگہ حنظل ہے ، یہ اک جا شکر / اک جگہ یہ خشک ہے اک جا پہ تر
اک جگہ یہ ظلم اک جا خاص عدل / اک جگہ ہے جہل اک جا عینِ عقل
اس جگہ پر اس میں سے نقصانِ جاں / ہے وہی در ماں جو پہنچے گا وہاں
کچے انگوروں کے رس میں ہے کھٹاس / پک کے انگوروں میں آتی ہے مٹھاس
پڑ کے مٹکے میں بنے تلخ و حرام / سر کہ بن کر پائے سالن کا مقام
ہے یہی اندازِ فرقِ کاروبار / مردِ کامل کے لیے ہے آشکار

اس بیان میں کہ جو ولی کامل کرے مریدوں کے لیے گستاخی کرنا اور وہ کام کرنا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ حلوا طبیب کو مضر نہیں اور مریض کو نقصان پہنچاتا ہے، جاڑا اور برف پکے انگوروں میں نقصان نہیں پہنچاتا ہے لیکن کچے انگوروں کو نقصان پہنچا دیتا ہے کیونکہ ابھی راہ میں ہیں اور پختہ نہیں ہیں تا کہ اللہ بخش دے تیرے اگلے پچھلے گناہ، اللہ نے سچ فرمایا

زہر گر کھائے ولی تو نوش ہو / کھائے گر طالب وہی بے ہوش ہو
رَبِّ ھَبْ لِیْ جو سلیمانؑ نے کہا / ملک و غلبہ یوں نہ دے میرے سِوا
غیر پر تو کر نہ یہ لُطف و عطا / ہے حسد جیسا حسد لیکن نہ تھا
غور سے پڑھ نکتۂ لا یَنْبَغِیْ / تو نہ پائے بُخل مِنْ بَعْدِیْ میں بھی
بلکہ وابستہ ہے خطروں سے شہی / خطرۂ جاں ہے حکومت دہر کی
خوفِ جسم و خوفِ جان و خوفِ دیں / آزمائش کوئی اس جیسی نہیں
اہل ہمت جوں سلیمانؑ چاہیے / لاکھوں رنگ و بوسے بچنے کے لیے

باوجود اس زور کے جو اِن میں تھا — سلطنت سے اُن کا دم گھٹتا رہا
پڑھ تو القَیُنا علیٰ کُرسیہّ — سلطنت سے یوں انھیں رخصت ملی
جم گئی جس وقت ان پر غم کی گرد — بادشاہوں کا ستایا ان کو درد
کی سفارش پھر کہ یہ ملک و لوا — ساتھ عطا کے دے جو حصّہ تھا مرا
یہ کرم ایسی عطا جس پر ہوئی — ہوں وہ خود میں ہی سلیمانؑ ہے وہی
ہوگا وہ ہمرہ مرے پیچھے نہیں — ہمرہی کیا وہ ہوں میں خود بالیقیں
شرح اس کی بھی ضروری ہے مگر — مرد و زن کا قصّہ لوں میں لوٹ کر

اعرابی اوراس کی بیوی کےفقراورشکایت کےقصہ کا خلاصہ

مرد و زن کے قصہ کی تکمیل کو — ایک مخلص روح ہے پرُ آرزو
ماجرائے مرد و زن ہے اک مثال — اپنے نفس اور عقل کر ان کو خیال
یہ زن و شوہر کہ ہیں نفس و خرد — ہیں ضروری بہر فہم نیک و بد
ہیں یہ دونوں قیدیِ خاکی سرا — جنگِ قیل و قال میں صبح و مسا
مانگے زن گھر کی ضروریات کو — یعنی عزت ، نان و خوان و آبرو
مثل زن ہے نفس کی کوشش یہی — انکساری اور بڑائی بھی کبھی
عقل اِن افکار سے آگہ نہیں — اس کے سر میں جُز غم اللہ نہیں
گرچہ ہے بس قصّہ دانہ و دام — قصہ جیسا بھی ہے اب سُن لے تمام
گر مکمل ہو بیانِ معنوی — ٹھہرے باطل آفرینش خلق کی
عشق اگر تھا فکر و فعلِ باطنی — کیا ضرورت تھی نماز و روزہ کی
ہدیے تحفے دوستوں کے درمیاں — ہیں بس ان کی دوستی کا اک نشاں
تاکہ دے ہدیہ گواہی آپ ہی — اس محبت کا جو ہے اندر چھپی
کیونکہ احساناتِ ظاہر ہیں نشاں — الفتوں کے جو ہیں در پردہ نہاں
سارے شاہد سچے اور جھوٹے کبھی — گاہے مستی مئے کی گاہے چھاچھ کی

چھاچھ پینے والا بدمستی دکھائے
نشہ دکھلا کر پکارے ہائے ہائے

و ریائی در صلوٰۃ و در صیام
اپنی جدوجہد دکھلائے تمام

تا کہ سمجھیں اس کو سب مستِ خُدا
اصل اگر دیکھو تو ہے غرقِ ریا

کرتے ہیں افعالِ ظاہر رہبری
شئے کی اصلیت تلک جو ہے چھپی

راہبر جھوٹا کبھی سچا کبھی
ہے کبھی مقبول ، ناکارہ کبھی

یا الٰہی کر عطا ہم کو وہ چیز
جو کرائے جھوٹ اور سچ میں تمیز

حِسّ میں یہ احساس کیوں آگاہ ہے؟
سُن کہ حِس یَنظُر بنور اللہ ہے

ہو جو حاصل گم تو علّتِ راہبر
دیتی ہے خویشی محبت کی خبر

مرد وہ جس کا ہو نور اللہ امام
وہ نہیں آثار و علّت کا غلام

بس گیا ہو سر میں نور اللہ جب
کیوں رہے پابندِ آثار و سبب

جب بھڑک کر ہوتی ہے اُلفت قوی
کرتی ہے آثار کے زد سے بری

حاجت اعلانِ محبت کی کہاں
نورِ اُلفت خود جو چھولے آسماں

اور تفصیلات ہیں تا ہوں تمام
یہ سخن ، خود ڈھونڈ، لے میرا سلام

گرچہ اس صورت سے ہیں معنیٰ عیاں
ہے قریب و دور معنیٰ سے بیاں

گو تعلق سے ہیں جوں آب و شجر
گر حقیقت دیکھئے ہیں دور تر

دانہ وجہ آب و خاک و آفتاب
دیکھ کیوں اک نخل بنتا ہے شتاب

اور حقیقت پر اگر ڈالے نظر
دور ہیں سب یہ کدھر ہیں وہ کدھر

جا نہ ماہیّات و خاصیّات پر
رزق جو یوں کے سخن کی شرح کر

بول پھر وہ ماجرائے مرد و زن
کیونکہ باقی ہے ابھی تک یہ سخن

اعرابی کا اپنی محبوبہ کی بات پر راضی ہوجانا اور قسم کھانا کہ اس رضامندی سے میرا مقصد کوئی حیلہ اور آزمائش نہیں

مرد بولا اب نہ جاؤں گا خلاف — حکم دے ، لا تیغ بیرونِ غلاف
جو بھی کہہ میں حکم لاؤں گا بجا — اب نہ دیکھوں گا ہے اچھا یا بُرا
تیری ہستی میں فنا ہوجاؤں گا — اندھا بہرا ہوں کہ عاشق ہوں ترا
بولی عورت ہے ارادہ نیک یا — لے رہا ہے بھید حکمت سے مرا
بولا علم اللہ کو ہے ہر بھید کا — خاک سے آدمؑ کو جو پیدا کیا......!
تین گز تن میں انھیں دکھلا دیا — وہ جو تھا لوحوں میں روحوں میں چھپا
لوحِ محفوظ آپ کو پڑھوا دیا — پڑھ لیے جو تختیوں میں تھا لکھا
کیا ہوا اور کیا ابد تک ہووئے گا — عَلّم الاَ سُمَا سے سب سکھلا دیا
ہوگئے بے خود ملک تدریس سے — ہوگئے پاک اور بھی تقدیس سے
بھید جو آدم سے فاش ان پر ہوئے — آسمانوں سے انھیں حاصل نہ تھے
ان کی جانِ پاک کی وسعت کہاں — تنگ ہے یہ وسعتِ ہفت آسماں
بولے پیغمبرؐ کہا حق نے کہیں — نیچے اوپر میں سما سکتا نہیں
عرش ہو یا آسماں ہو یا زمیں — میں سما سکتا نہیں ہرگز کہیں
دل میں مومن کے سما جانا عجب — گر مرا طالب ہے کر اس میں طلب
بندہ بن بندوں میں تو اے متقی — پائے گا جنت مرے دیدار کی
نور و وسعت ہوتے بھی عرش علیٰ — مضطرب خود دیکھ کر اس کو ہوا
ہے بزرگی عرش کی کتنی عیاں — آگئے معنیٰ تو پھر صورت کہاں
ہر فرشتہ بولتا تھا پیش ازیں — کس قدر محبوب تھی ہم کو زمیں
تخم طاعت ہم نے بوئے تھے وہاں — پر عجب تھا ہم کہاں اور یہ کہاں
ہم کو کیا نسبت ہے آخر خاک سے — جبکہ ہے اپنا خمیر افلاک سے

کیسی الفت نور کو ظلمات سے؟ — نور کیوں تاریکیوں میں جی سکے
تھی تری خوشبو سے الفت اے صفیؑ — تانا بانا تیرے تن کو خاک تھی
اس جگہ سے لی ہے تیرے تن کی خاک — اور وہاں چمکایا تیرا نورِ پاک
جو بھی پایا تیری روح پاک سے — وہ بہت پہلے ہی چمکا خاک سے
ہم زمیں پر تھے مگر غافل رہے — غافل اُس سے کہ ہیں گنج اس میں گڑے
جب وہاں سے پائے ہم حکمِ سفر — تلخ گذرا اس کو جانا چھوڑ کر
حد تو یہ ہے حجتیں بھی ہم نے کیں — پوچھا کرنا ہے کسے اس کا مکیں؟
بول اس تسبیح اور تہلیل کو — بیچ دیتا ہے عوض جھگڑوں کے تو
حلمِ حق نے دے دیا موقع ہمیں — بولا کہہ ڈالو جو کہنا ہے تمھیں
بولو جو آئے زباں پر بے حذر — طفلِ ناداں جس طرح پیشِ پدر
جانتا ہوں ہے تمھارا راز کیا — خوب لگتی ہے تمھاری یہ صدا
باتیں معمولی و ناموزوں سہی — میری رحمت آگے ہے غصّہ سے بھی
پس پے اظہار رحمت اے ملک — دل میں ڈالے میں نے یہ اشکال و شک
تم کہو، کیوں ہو گرفت اس پر مری — حلم پر طعنہ نہ دے مُنکر کوئی
گم ہے اس میں حلم سو ماں باپ کا — ہوتے ہیں ہر لمحہ پیدا اور فنا
ان کا کف، حلم اپنا دریا کی مثال — کف ہیں آتے جاتے دریا ہے بحال
کیا کہوں میں دُر کے آگے یہ صدف — کچھ نہیں جُز کفِ کفِ کفِ کف
ہے قسم اس کف کی بحر صاف کی — امتحاں ہے یہ نہ باتیں لاف کی
یہ ہے سب مہر و خلوص و عاجزی — جو ہے مرجع ہے قسم اس ذات کی
آرزو گر امتحاں ہے تیرے ہاں — اک گھڑی کر امتحاں کا امتحاں
فاش رکھ تا راز سے کھل جائے راز — حکم دے وہ جس کا ہو مجھ کو مجاز
بول اپنے دل کی تادِل کی کہوں — جو مرے قابل ہو اس کو مان لوں
کیا کروں تدبیر مجھ سے ہوگا کیا — غور کرلیں ہوں بھلا کس کام کا

عورت کا اپنے شوہر کے لیے روزی طلب کرنے کا راستہ متعین کرنا اور اس کا قبول کر لینا

بولی عورت دیکھ نکلا آفتاب
ہوگئی دنیا کو حاصل آب و تاب

نائبِ رحماں خلیفۂ کردگار
بلدۂ بغداد اس سے پُر بہار

شاہ کی صحبت میں شہ بن جائے گا
یہ نحوست سے لگاؤ تا کجا

مقبلوں کی ہم نشینی کیمیا
ہے کوئی ان کی نظر سی کیمیا؟

اک نظر ڈالی رسول اللہؐ نے
بن گئے صدیقؓ اک تصدیق سے

بولا میں مقبولِ شہ کیونکر بنوں
بے بہانہ جا کے اس سے کیوں ملوں

کوئی نسبت یا بہانہ چاہیے
کام بن اوزار کے کیونکر چلے

جیسے مجنوں نے کسی سے یوں سُنا
تیری لیلیٰ ہے مرض میں مبتلا

بولا بے حیلہ چلوں میں حیف کیوں
گر نہ جاؤں گا تو خود کو کیا کروں

کاش ہوتا میں کوئی ماہر طبیب
کیا نہ جاتا شوق سے سوئے حبیب

قُلْ تَعَالَوْ ہم کو جو حق نے کہا
اس جھجک کو توڑنا مقصود تھا

شپروں کو گر میسر ہو نظر
اڑتے پھرتے دن کو خوش خوش بے خطر

بولی شاہ مہرباں آیا جہاں
بن گئیں سامان بے سامانیاں

نسبت ساماں انانیت سے ہے
کام بے سامانی و ذلت سے ہے

بولا مفلس خود کو کیونکر جان لوں
اپنی ناداری کو کیوں ظاہر کروں

مجھ کو ناداری پہ لازم ہے گواہ
مہرباں افلاس سے ہو تا کہ شاہ

اپنی وضع و گفتگو کے ماسوا
بہر لطف شہ گواہی کوئی لا

کیونکہ وضع و گفتگو کی شاہدی
حضرتِ قاضی میں رد کردی گئی

پس گواہِ باطنی درکار ہے
نے گواہِ ظاہری درکار ہے

بس گواہی چاہیے اخلاص کی
بن کہے پھیلے گی اس کی روشنی

اس بدوی کا جنگل سے بارش کے پانی کا مٹکہ ہدیہ میں لے جانا خلیفہ بغداد کے پاس اوراس کا خیال کہ وہاں پانی کا قحط ہے

صدق کہتے ہیں اِسے زن نے کہا
اپنی اہلیت کو اور خود کو بھلا

پانی کوزے میں جو ہے برسات کا
تیری ملکیت ہے سرمایہ ترا

تو یہی پانی کی ٹھلیا لے کے جا
تحفہ پیش بادشہ اس کو بنا

گو سوا اس کے ہمیں ساماں نہیں
بن میں کچھ پانی سے بہتر ہے کہیں؟

پُر زر و گوہر سے ہوں گے گنج پر
ایسا پانی ان کو ملتا ہے کدھر ؟

کیا ہے یہ کوزہ تن محصور ہے
اس میں پانی کیا وہ حس شور ہے

یہ مرا کوزہ و خم ہے یا خدا
بن خریدار اس کا اللہ اشتریٰ

نالیاں اس کوزے کی یہ پنج حس
دور پانی سے رہے ہر اک نجس

تالیاں کوزے کی جائیں سونے بحر
تا ہو اس کوزے میں پیدا خوئے بحر

پیشِ سلطاں یہ جو ہدیہ لے چلے
شاہ سمجھے پاک اسے قیمت میں لے

ہوگا پانی اس کا پھر لا انتہا
سو جہاں پُر دے گا اک کوزہ مرا

روزن اس کے بند کر مٹکے کو بھر
رکھ ہوائے نفس سے نیچی نظر

بولا تحفہ ایسا حاصل ہے کسے
ٹھیک ہے تجھ جیسے سُلطاں کے لیے

وہ نہ تھا واقف کہ آگے راہ پر
بہہ رہا ہے دجلہ مانند شکر

درمیان شہر جوں دریا رواں
اس میں ماہی گیر کانٹے ، کشتیاں

چل ذرا سُلطاں کے کاروبار دیکھ
حُسنِ تَجۡرِیُ تَحۡتِهَا اُلاَ نہار دیکھ

اپنے محسوسات و ادراکات کیا؟
جس طرح اک قطرۂ بحر صفا

جستجو کر دیکھ اسے بن کامیاب
کس سے؟ جس کے پاس ہے اُم الکتاب

عورت کا ٹھلیا کو نمدہ میں سینا اور اس پر مہر لگانا

مرد بولا کر تو منھ ٹھلیا کا بند
تحفہ یہ اپنے لیے ہے سودمند

کوزہ رکھ نمدے میں اور سی دے ذرا
شاہ کے افطار کے کام آئے گا

دہر میں ایسا کوئی تحفہ نہیں
ایسی مئے اور خوش مزہ مایہ نہیں

کیونکہ یہ لوگ آب شور و تلخ سے
ہیں سدا بیمار نصف اندھے بنے

مرغ جو عادی ہے آب شور کا
کیا خبر اُن کو ہے آب صاف کیا

اے کہ آب شور تیری کائنات
تو نہ جانے شط جیحون و فرات

اے کہ تو ہے قیدیٔ فانی رباط
کیسے جانے صحو سکر و انبساط

اور جو جانے ہے سُنی اسلاف کی
تیرے حق میں جیسے ابجد یہ سبھی

ابجد و ہوز سے واقف بچہ بھی
معنیٰ اس کے فہم سے ہیں دور ہی

کوزہ لے کر چل دیا مردِ عرب
اور سفر میں ساتھ رکھا روز و شب

ڈر یہ تھا خم پر کوئی آفت نہ آئے
شہر پہنچا دشت سے اس کو اٹھائے

زن مصلے پر تھی مشغولِ نیاز
رَبّ سَلّم ورد تھا وقتِ نماز

تو ہمارا پانی سفلوں سے بچا
یارب اس موتی کو دریا سے ملا

گو میرا شوہر ہے پرفن ہوشیار
پر عدو ہوتے ہیں گوہر کے ہزار

آب کوثر ہے بھلا کیا ہے گہر
اس کے ہر قطرے سے پیدا ہے گہر

نیک خواہی زن کی اور زاری کی وجہ
مرد کے غم اور گراں باری کی وجہ

پتھروں ، چوروں کی زد سے بچ بچا
آخرش دارالخلافت آ گیا

پایا اس درگہہ کو پُر انعام سے
جال حاجت مندوں کے ہر سو بچھے

ہر طرف ہر لحہ حاجت مند تھے
شاد تھے سب خلعت و انعام سے

کافر و مومن ہو یا زیبا کہ زشت
سب پہ لطف عام گویا کہ بہشت

اک جماعت اس طرف آراستہ
منتظر دیگر ادھر برخاستہ

خاص و عام ہر اک سلیمانؑ تا بہ مور
جی اُٹھے جس طرح سُن کر بانگِ صور

اہل ظاہر تھے جواہر سے لدے
اہل باطن بحرِ معنیٰ کو لیے

جو تھا بے ہمت وہ باہمت بنا
اور جو باہمت تھا با نعمت ہوا

آئی آواز اے طلب گار آ بھی جا
جود محتاج گدا ہے جوں گدا

اس کا بیان کہ جس طرح فقیر سخی کا عاشق ہے سخی بھی فقیر کا عاشق ہے اگر فقیر کا صبر بڑھا ہوا ہے تو کریم اس کے دروازے پر آ جاتا ہے اور سخی کو صبر ہو تو فقیر اس کے دروازے پر آتا ہے، لیکن صبر کرنا فقیر کا کمال ہے اور سخی کا عیب

جود محتاج اس کو طالب کی طلب
جیسے توبہ کو ہے تائب کی طلب

جود خواہاں طالب اور کمزور کا
جیسے آئینہ کے خواہاں خوش لقا

حُسن کا چہرہ حسیں آئینہ سے
اور گداؤں کے سبب احسان دکھے

جود کا آئینہ ہے چونکہ گدا
پھونکنے سے اس پر میل آجائے گا

وَالضّحیٰ میں حق نے احمدؐ سے کہا
دو نہ جھڑکی تم جو آجائے گدا

ایک وہ ہے جود جس سے رونما
دوسرا زاید گداؤں کو دیا

ہیں گدا آئینہ جودِ خُدا
اہلِ حق ہیں پیکر جود و سخا

جو علاوہ ان کے ہے وہ مردہ ہے
وہ نہیں ہے در پہ نقش پردہ ہے

فرق اس شخص میں جو اللہ تعالیٰ کا بھکاری اور اس کا پیاسا ہے اور اس شخص میں جو خدا سے بے پروا اور غیر کا پیاسا ہے

اور جو ہے دَرویش جویائے خُدا
فضلِ حق سے ٹھیک کام اس کے سدا

اور وہ درویش پیاسا غیر کا
ابلہ وہ بے خیر ذلت میں پڑا

نقش وہ درویش کا محروم جاں
تو نہ ڈال اس نقشِ سگ کو ہڈیاں

فقر لقمہ ہے ، نہیں وہ فقرِ حق　　آگے مردے کے نہ رکھ دینا طبق
خاک کی مچھلی ہے بھوکی نان کی　　شکلِ ماہی بحر سے انجان سی
نقش مچھلی کا ہو کیوں درویش آب　　اس کو بے آبی نہیں کرتی خراب
مرغِ خانہ ہے نہیں مرغ ہوا　　حلوا کھائے وہ نہ لے رزقِ خدا
عاشقِ حق وہ فقط بہر عطا　　وہ نہیں ہے عاشق حسن و لقا
وہ ہے جس سے اس کو وہم عشق ذات　　وہ رہی دراصل اسما و صفات
وہم ہے مخلوق اور پیدا شدہ　　حق ہے لَم یُولَدُ نہیں پیدا ہوا
عاشق اپنے وہم کی تصویر کا　　ذوالمنن کے عاشقوں سے کیوں ہوا
فی الحقیقت عشق ہے گر وہم کا　　وہم اس کو اصل تک پہنچائے گا
یہ سخن چاہے بیاں بھی شرح پر　　مجھ کو ہے افہام پارینہ کا ڈر
تنگ نظری عقل کی فرسودگی　　فکر میں سو طرح لائے گی بدی
سچ ہر اک انسان کو بھاتا نہیں　　ہر پرند انجیر کھاتا ہے کہیں؟
اک سڑا مردہ ، پرندہ خاص کر　　سوچ اندھی ، آنکھ محرومِ نظر
نقش کو مچھلی کے اک ہی آب و خاک　　پھٹکری صابن سے کیا کالے کو پاک
نقش غمگینی کا کاغذ پر بنا　　وہ نہیں رنج و خوشی سے آشنا
شکل غمگین ہے غم اس میں لا پتا　　ہے ہنسی کی شکل وہ ہنستا ہے کیا
یہ غم و شادی کے نقشے ہیں چھپے　　بس غم و شادی کے نقشے ہی رہے
ہے ہنسی تصویر کی تیرے لیے　　تا ترا باطنِ درستی پا سکے
نقش غمگیں ہے ہمارے واسطے　　تاکہ سیدھا راستہ یاد آسکے
نقش یہ حماموں کی دیوار پر　　دکھتے ہیں جوں جامے از بیرون در
جامے ہی دیکھے گا باہر سے اے یار　　آ ذرا اندر بھی کپڑے دے اُتار
جامہ ہوتے اس طرف رستہ نہیں　　جاں سے تن اور تن سے جاں آگہ نہیں
لوٹتا ہوں لو سوئے ذکرِ عرب　　کب تلک یہ شرح راز بوالعجب

بدوی کے اعزاز میں خلیفہ کے دربانوں اور نقیبوں کا آگے بڑھنا اور اس کے ہدیہ کو قبول کرنا

دور اس جنگل سے اعرابی چلا
در پہ دارالسلطنت کے آ گیا

اس کی جانب رُخ نقیبوں نے کیا
نکہتوں کا اس پہ چھڑکاؤ ہوا

بن کہے اس کی ضرورت بھانپ لی
رسم بن مانگے عطا بخشی کی تھی

پوچھا کس جا سے ہے اے میرِ عرب
کیوں ہے تیری حالتِ از رنج وتعب

بولا ہوں سردار تم روزی جودو
بے حقیقت گر نظر تم پھیر لو

اے تمھارے رُخ سے ظاہر سروری
فر تمھارا رشکِ زرِّ جعفری

دکھتا ہے کیا کچھ تمھاری دید میں
دید پر دینار ہم صدقہ کریں

دیکھتے ہو نور سے اللہ کے
حق سے تم آئے ہو بخشش کے لیے

تاکہ ڈالیں اپنی اکسیرِ نظر
اور بناؤ مّس انسانی کو زر

میں مسافر آرہا ہوں دشت سے
لطف سلطاں کی امیدوں کو لیے

بوئے لطفِ شہ سے صحراؤں میں بھی
ریت کے ذروں میں بھی جاں پڑ گئی

خواہشِ دینار لے آئی مجھے
آ کے ہوں اب مست میں دیدار سے

لایا بھٹیارے کی جانب ذوقِ ناں
حسن دیکھا اس کا دیدی اس نے جاں

سیر کو آیا کوئی تا گلستاں
ہوگیا مستِ جمال باغباں

چہ سے پانی لینے بدو آگیا
آبِ حیواں روئے یوسفؑ سے لیا

آگ دیکھی آگ لینے جو چلے
آگ سے موسیٰؑ کنارہ کر لیے

کودے عیسیٰؑ دشمنوں سے چھوٹنے
جست سے چوتھے فلک پر جا رہے

خوشۂ گندم بنا دامِ صفیؑ
بن گئے اک خوشۂ مردم وہی

باز آیا بہر دانہ سوئے دام
بن گیا بازوئے شہ اس کا مقام

بچہ مکتب میں پے کسبِ ہنر
باپ سے انعام کی اُمید پر

بن گیا وہ بعد مکتب کا امیر
دے کے ماہانہ بنا بدر منیر
آئے خاطر جنگ کی عباسؓ بھی
ختم دیں قتلِ نبیؐ کی ٹھان لی
تا قیامت دیں کے حامی ہو رہے
اور خلف ان کے خلیفے بن گئے
اور عمرؓ کا قصد تھا قتلِ نبیؐ
عہد پکا کرلیا تلوار لی
وہ شریعت میں امیرالمومنیں
پیشوا و مقتدائے اہلِ دیں
کوئی گھسیارا سوئے جنگل چلا
پاؤں ان جانے خزانے پر پڑا
پیاسا پانی کو گیا جب نہر پر
اس کو پانی میں نظر آیا قمر
میں بھی لے آیا طلب در پر مگر
بن گیا صدر آ کے خود دہلیز پر
لایا تحفہ آب کا میں بہر ناں
بوئے ناں لے آئی تا صدرِ جہاں
نان سے بیرونِ جنت آدمی
لائی ہے جنت میں اُس کو نان ہی
چھوٹا آب و نان سے مانند ملک
بے غرض ہوں طائفِ در جوں فلک

اس بیان میں کہ دنیا کے عاشق کی مثال اس دیوار کے عاشق جیسی ہے جس پر سورج چمکا ہوا اور اس نے یہ سمجھنے کی کوشش نہ کی کہ یہ روشنی دیوار کی نہیں ہے سورج کی ہے جو چوتھے آسمان میں ہے لامحالہ وہ بالکلیہ دیوار پر عاشق ہوگیا اور جب سورج کی روشنی سورج سے جا ملی تو یہ محروم رہ گیا اور آڑ کردی گئی انھیں اور ان کی مراد میں

بے غرض پھرتا نہیں کوئی یہاں
یہ ہے کارِ جسم و جانِ عاشقاں
عاشقانِ کُل نہیں عشاق جُزو
کُل گنوائے جو ، بنے مشتاق جُزو
جُزو چونکہ جُزو کا عاشق بنا
سمت کل معشوق اس کا چل دیا
بندۂ اغیار وہ ابلہ ہوا
ڈوبا تنکے کا سہارا جب لیا
کیا کرے وہ خود نہیں با اختیار
کام خواجہ کے کرے یا کارِ یار
پس مثل آزاد زن سے کر زنا
سرقہ گر کرنا ہے جا موتی چُرا

بندہ جائے سُوئے خواجہ اور ہو زار
گل کی خوشبو جائے وہ ہوجائے خار

جیسے وہ احمق کہ سورج کی ضیا
دیکھ کر دیوار پر حیراں ہوا

سمجھا اس کو پُر ضیا عاشق ہوا
یہ نہ جانا عکس ہے خورشید کا

جا ملی سورج سے سورج کی ضیا
دیکھا دیوارِ سیہ قائم بجا

رہ گیا مقصود میں ناکامیاب
پاؤں زخمی ، مفت محنت اور عذاب

سائے کے پیچھے شکاری کی مثال
سایہ بن سکتا ہے کیونکر اس کا مال؟

مرغ کے سایہ پہ جھپٹا مرد ادھر
مرغ اُدھر حیرت کا مارا شاخ پر

یہ نکما ہنس پڑا کیوں اے عجب
اے عجب پوشیدہ ہے اس کا سبب

گر کہے تو جُزو ہوں میں پیوستِ گُل
خار کھا جا خار بھی ہے جُزو گُل

گُل سے جزو پیوستہ اک رُو سے نہیں
ورنہ حاجت تھی رسولوں کی کہیں!؟

جب رسول آئے ملانے کے لیے
ہوں جو سب یک تن ملائیں گے کسے

یہ سخن بے انتہا ہے اے غلام
کیونکہ ہے اس بات میں جذب تمام

بول اب تفصیل سے حالِ عرب
ختم کر قصہ نہیں ہے وقت اب

بدوی کا اپنے تحفہ کو خلیفہ کے نوکروں کے حوالے کرنا اور اس کی تفصیل

کہہ دیا بدوی نقیبوں سے جو حال
دیکھا آ پہنچا ہے ہنگام سوال

پانی کی ٹھلیا کو آگے رکھ دیا
اور سلامی لائی درگہہ کی بجا

بولا ہدیہ شہ کو یہ لے جایئے
مجھ کو حاجت سے رہا فرمایئے

میٹھا پانی اور ہری ٹھلیا نئی
اس میں ہے برسات کا پانی سبھی

سن کے یہ آئی نقیبوں کو ہنسی
پھر بھی جیسے جاں پذیرائی ہوئی

بادشہ پُر لطف پورا باخبر
کار بندوں میں بھی تھا اس کا اثر

جیسا شہ ویسی رعیت شاہ کی
آسماں ہو سبز تو مٹی ہری

شاہ جیسے حوض خادم ٹونٹیاں
ٹونٹی سے تالاب کو پانی رواں

سب کا منبع چونکہ ہے اک حوض پاک — ہے ہر اک ٹونٹی کا پانی ذوقناک
حوض کا پانی جو ہو شور و خراب — بد مزہ ہوگا ہر اک ٹونٹی کا آب
کیونکہ ہر ٹونٹی ہے واصل حوض سے — چاہیے معنیٰ پہ غور اس حوض کے
لطفِ شاہنشاہ جان بے وطن — ہے موثر اس سے جب سارا بدن
نیک باطن پر لطافت عقل سے — ہے مہذب کس قدر تن دیکھئے
شوخ طبع و بے قرار و بے سکوں — عشق سے تن کو ملا کیسا جنوں
لطف اس دریا کا کوثر کی مثال — سنگ ریزے دُرّ و گوہر کی مثال
جس ہنر میں ہوگا جو استاد طاق — طالبوں میں ہوگا اس کا ہی مذاق
پیش استاد اصولی ہیں اصول — اس کا طالب بھی ہے چست و باوصول
ہو فقیہ استاد تو وہ فقہ خواں — فقہ پڑھے وہ نے اصول و نے بیاں
گر کوئی استاد نحوی مل گیا — پھر تو لو شاگرد بھی نحوی بنا
محوِ رہ ہو جائے گر استاد ہی — محو شہ ہو جائیں گے شاگرد بھی
علم کی اقسام کتنی ہی سہی — زادِ راہ آخرت ہے فقر ہی

ملاح کے ساتھ کشتی میں نحوی کا قصہ اور اس کا جواب دینا

کوئی نحوی ناؤ میں جب آ گیا — کبر سے ملاح کو پوچھا بتا؟
نحو کچھ تو نے پڑھا بولا نہیں — بولا آدھی عمر ضائع بالیقیں
رنج سے ملاح بے قابو ہوا — پھر بھی وہ خاموش ہوکر رہ گیا
ڈالا کشتی کو بھنور میں باد نے — پوچھا ملاح بھی بلند آواز سے
تیرنا بھی تجھ کو آتا ہے بتا؟ — بولا تیراکی سے کیا ہے واسطہ
بولا ساری عمر ہی ہوگی خراب — ہونے والی ہے یہ کشتی غرق آب
چاہئے محوی یہاں نحوی نہیں — گر ہے محوی کود دریا میں یہیں
مردہ ہو تو اس کو دریا سر پہ لے — اور جو زندہ ہے اسے بچنے نہ دے

گر ہیں مردہ تجھ میں اوصاف بشر
بحر سِر لائے تجھے بالائے سر

تو کہ خر مخلوق کو کہتا رہا
برف میں مانند خر خود آ پھنسا

وقت کا علامہ بھی ہوگا بجا
دیکھ اب ہوتی ہے دنیا کیوں فنا

ذکر نحوی اس لیے ہم نے کیا
تا کہ دکھلائیں تمھیں راہِ فنا

فقہ ہو یا ہو وہ کوئی نحو و صرف
پائے گا درس فنا میں حرف حرف

پانی کی ٹھلیا وہ اپنا علم تھا
اور خلیفہ دجلۂ علم خدا

پانی سے پُر کوزہ دجلہ لے چلے
ہم گدھے خود کو نہ جانیں ہیں گدھے

وہ عرب اس باب میں معذور تھا
دجلہ سے واقف نہ تھا وہ دور تھا

گر ہم ایسا دجلہ کو وہ جانتا
یوں سبو لے کر نہ پھرتا جا بجا

بلکہ دجلہ کو اگر وہ جانتا
سنگ پر کوزے کو وہ دے مارتا

وہ سبو ذلت سے پُر ہے چھوڑ دے
بحر پر پردہ ہے اس کو توڑ دے

خلیفہ کا ہدیہ قبول کرنا اور بخشش کرنا اس ہدیہ سے پوری بے نیازی کے باوجود

جب خلیفہ نے اسے دیکھا، سُنا
کوزہ بھر زر دے کے بھی اُوپر دیا

کر دیا فاقوں سے بدوی کو رہا
بخششیں دیں خاص خلعت بھی دیا

پھر نقیبوں سے کہا وہ بادشاہ
وہ جہانِ بخشش و بحر عطا

اس سبو کو بھر دو زر سے اس کو دو
واپسی پر سوئے دجلہ لے چلو

آیا ہے خشکی سے اور اس کا سفر
دجلہ کے رستے سے ہے نزدیک تر

بیٹھے گا کشتی میں جس دم اس جگہ
بھول جائے گا وہ سارا رنجِ رہ

کوزہ زر سے بھر دیا اس کو دیا
اس کو لے کر رُخ سوئے دجلہ کیا

دجلہ پر کشتی سے ڈالی اک نظر
شرم آئی رکھ دیا سجدے میں سر

اے عجب کیا لطف ہے وہاب کا
ہے عجب تر پانی جو اس نے لیا

کیوں قبولا مجھ سے وہ دریائے جود
اس طرح سے کھوٹے سکے زود زود

جان کوزہ کُل جہاں کو اے پسر
لطف و خوبی سے بھرا ہے سر بسر

دجلۂ خوبی کا اک قطرہ جہاں
آپ آپے میں سماتا ہے کہاں

گنجِ مخفی تھا جو بھر کر پھٹ پڑا
شاہ اطلس پوش دنیا کو کیا

گنجِ مخفی جوش میں افراط سے
خاک اطلس اوڑھ کر سلطان بنے

دیکھ لے گر قطرۂ دجلہ خُدا
توڑ کر کر دے گا وہ ٹھلیا فنا

جو بھی دیکھے اس کو بیخود ہو رہے
کوزہ کو پتھر سے وہ ٹکڑے کرے

توڑنے والے سبو کو شرم سے
ٹکڑے وہ ہو جائے تو کامل بنے

ٹھلیاں ٹوٹی پر نہ پانی بہہ سکا
اُس میں سو اچھائیوں کا راستہ

ٹکڑا ٹکڑا خم کا رقصاں اُس پہ حال
عقلِ ناقص کو سمجھ اس کی محال

ایسی حالت میں سبو پیدا نہ آب
غور کر واللّٰہ اَعْلَمُ بالصّوابُ

کھٹکھٹانے سے درِ معنیٰ کھلے
فکر کے پر مار تو شاہیں بنے

فکر کے پر ہیں گِل آلود و گراں
تیری گِل خواری سے مٹی تجھ کو ناں

گوشت اور ناں گِل ہیں گِل اتنی نہ کھا
خاک بن کر تو زمیں میں کھو نہ جا

ایک مدت خاک تھی اپنی غذا
خاک نے آخر ہمیں خود کھا لیا

ہو اگر بھوکا تو کتّے کی مثال
بد مزاج و بد اصول و بد خصال

ہوگیا مردار جب سیری ہوئی
بے خبر تصویر جوں دیوار کی

ہے کبھی مردار تو کتّا کبھی
چال چل سکتا نہیں تو شیر کی

کیا ہے کتّے کے سِوا پھندا ترا
ہڈیاں کم ڈال کُتّے کو ذرا

سیر ہو جائے تو سرکش ہو رہے
صید کا پیچھا بھلا کیونکر کرے

اس عرب کو بے نوائی لے گئی
اس کو اس درگاہ سے دولت ملی

اس حکایت میں ہے ذکرِ جودِ شاہ
وہ تھا حقّ بے نوائے بے پناہ

عاشقوں کی بات میں ہے بوئے عشق
اس کے منہ کی بُو سے مہکے کوئے عشق

فقہ بولے بات نکلے فقر کی
جو بھی بولے اس میں بوئے فقر ہی

کفر بولے بھی تو آئے بوئے دیں
شک کی باتوں میں بھی ہے بوئے یقیں

اس کی ٹیڑھی بات میں بھی راستی
اے کجی تُو نے سجائی راستی

جھاگ ٹیڑھا کیوں ہو بحر صاف کا
اصل اچھی ہے سو شاخ آراستہ

کف وہ صاف اور ٹیڑھ سے خالی سمجھ
جیسے اک معشوق کی گالی سمجھ

وہ کوئی کڑوی کسیلی بھی کہے
چہرۂ جاناں کے باعث خوش لگے

گر پکائے نان شکر سے کبھی
چکھ کے پائے گا مزا شکر کا ہی

پائے سونے کا بھی بت مومن کہیں
پوجا کروانے کو چھوڑے گا نہیں

گر بت زرّیں مسلماں کو ملے
چھوڑے گا کب وہ پجاری کے لیے

بلکہ بھٹّی میں گلائے گا اِسے
اور بے صورت بنائے گا اسے

نقشِ بت تا ہو نہ اس پر آشکار
شکل صدِّ راہ ہے اور راہِ مار

اصل سونا دین ہے اللہ کی
نقد پر تصویر بت کی عارضی

ڈر سے پسّو کے نہ دے گُدڑی جلا
مکھیوں کے ڈر سے گھر میں چھپ نہ جا

تو ہے کافر صورتوں پر جائے گر
چھوڑ صورت رکھ تو معنیٰ پر نظر

حج کا جو یا ہو تو حاجی کر طلب
ہندو ہو یا ترک ہو ، یا کوئی عرب

اس کی صورت ، اس کی رنگت پر نہ جا
دیکھ ارادہ اس کا ہے کیا قصد کیا

وہ سیہ رہ کر بھی ہے گر ہم خیال
تُو اسے گورا سمجھ اپنی مثال

رہ کے گورا گر نہیں وہ ہم خیال
چھوڑ اسے ہم رنگ ہونا ہے محال

اس حکایت میں بڑی گڑبڑ رہی
عاشقوں کی بے سروپا فکر سی

چونکہ ازلی ہے نہیں رکھتا وہ سر
ہے ابد سے واسطہ آخر کدھر

فکر آب اور بوند اس کی ہر کوئی
بے سروپا با سروپا دونوں ہی

حاش للہ یہ حکایت ہے کدھر
ہے تری میری حقیقت سر بسر

آگے ہر صوفی کے جو ہے با کمال
ذکر کے لائق نہیں ماضی کا حال

فکر اس کی ہر گھڑی مشغولِ حال
وہ نہیں کرتا کبھی فکر مآل

ہم عرب ، ہم ہی سبو، ہم شہ رہے
اب جو پھرنا چاہتا ہے وہ پھرے

عقل شوہر اس کی زن نفس اور طبع
دونوں بھی تاریک و منکر عقلِ شمع

سن ذرا، انکار کیوں پیدا ہوا
کل کے سب اجزا ہیں اک اک سے جُدا

کُل سے نسبت ہے نہ ہے یہ جُز وکل
اور نہ جیسے بُو کہ ہے وہ جز و گُل

لطفِ سبزہ جزو لطفِ گل کا ہے
بانگِ قمری جزو اس بلبل کا ہے

گر رہوں مشغولِ اشکال و جواب
کب پلا سکتا ہوں میں پیاسوں کو آب

تُو اگر ہے جملہ اشکال و حَرج
صبر کر اَلصَّبْرُ مُفْتَاحُ اَلْفَرَجْ

چھوڑ سارے وسوسے پرہیز کر
کیونکہ ہیں ان جھاڑیوں میں شیرِ نر

سب دواؤں سے بھلا پرہیز ہی
گر کھجائے تو بڑھے خارش تری

شک نہیں پرہیز ہے اصل دوا
زورِ جاں کو بعد پرہیز آزما

ہے یہی اصل دوا پرہیز کر
ہضم وارد بھی ہے اک علت دگر

قابل ان باتوں کے بن سُن غور سے
تاکہ دوں سونے کا آویزہ تجھے

کیا ہے آویزہ تو کانِ زر بنے
ماہ اور پرویں سے بالاتر رہے

سب سے پہلے سُن ہے خلقت مختلف
مختلف جان ان کی یا سے ، تا الف

ہے حروف مختلف میں اختلاف
گرچہ اک رو سے ہیں سارے بےخلاف

متحد اک رو سے دیگر سے خلاف
عین مطلب ایک سے دیگر سے لاف

حشر میں ہووے گی اک پیشی بڑی
پیشی خدمت میں شہ ذی جاہ کی

ہر کوئی ہندو سا وہ سودائی ہے
حشر میں اس کے لیے رسوائی ہے

چہرہ گو اس کا نہیں جوں آفتاب
چاہیے رات اس کو مانندِ نقاب

عار برگِ گل سے خود مانندِ خار
دشمنِ اسرار ہے اس کو بہار

اس کو جو کامل گل و سوسن بنے
فصلِ گل خود دیدۂ روشن بنے

بے حقیقت خار خواہانِ خزاں
تاکہ وہ بن جائے ضد گلستاں

تا چھپائے حسن اُس کا اس کا ننگ
تا نہ دیکھے اس کا ننگ اور اس کا رنگ

پس خزاں اس کو بہار و زندگی
سنگ اور یا قوت اس کو ایک ہی

باغباں پر یہ خزاں میں ہے عیاں
بس جو اک دیکھا تو کیوں دیکھے جہاں

خود جہاں فرد ایسا وہ آگاہ ہے
پرستارہ چرخ جز و ماہ ہے

اک جہاں در خود ہے وہ باقی سبھی
ہیں طفیلی کر رہے ہیں پیروی

وہ یگانہ اور بخود پورا جہاں
ہے وجود کل کا نسخہ اس کے ہاں

کہہ رہا ہے کوئی ہر نقش و نگار
مژدہ مژدہ آ رہی ہے وہ بہار

تا زرہ کی طرح چمکے ہر کلی
تا ہو پیدا گچھے گچھے میوہ بھی

میوہ نکلا پھول جوں ہی جھڑ پڑا
جاں ہوئی ظاہر فنا جب تن ہوا

ہے شگوفہ ظاہر اور باطن ثمر
پھول لے آتا ہے نعمت کی خبر

جھڑ گیا پھول اور ثمر ہے رونما
گھٹ رہا تھا وہ تو یہ بڑھتا رہا

گر نہ ٹوٹے نان قوت کیوں ملے
ٹوٹنے تک خوشہ سے مئے کیوں بنے

جب دواؤں سے ہلیلہ مل گیا
پھیپھڑوں کو ہوگئی حاصل شفا

پیر کی تعریف اور اس کی تابعداری کرنے کا بیان

اک دو کاغذ اے حسام الدین لے
ذکر کر لمبا تو وصفِ پیر سے

تن ہے نازک اور بہت لاغر ہے تُو
پر ضرورت ہے تری ہر کام کو

جسمِ نازک میں نہیں ہے گرچہ زور
بن ترے حاصل نہیں ہے ہم کو نور

شمع بھی فانوس بھی تُو ہی رہا
اہل دل کا پیشوا تو مقتدا

کام جوں تو چاہا ، تجھ سے ابتدا
عقدِ دل کی موتیاں اس کا صلہ

لکھ ذرا اب پیر کے احوال سے
اس کا دامن تھام، حق کی راہ لے

فصلِ گل ہے پیر، خلقت سب خزاں
پیر چاند اور رات کُل خلقِ جہاں

کہہ رہا ہوں میں جواں بختی کو پیر
پیر سن سے نے وہ ہے روشن ضمیر

پیر ایسا ہو نہ جس کی ابتدا
موتی اُس جیسا نہ پائے دوسرا

تیز ہوتی ہے پرانی ہو کے مئے ۔۔۔ مئے خصوص عِلم لَدُنی کی جو ہے
خود قوی تر ہوتی ہے خمرِ قدیم ۔۔۔ کہنہ مئے بہتر ہے اے شیخِ علیم
پیر کو پالے و گر نہ یہ سفر ۔۔۔ ہے سراسر پُر مشقّت پُر خطر
راستہ جس پر چلا خود بارہا ۔۔۔ تو پریشاں ہو رہا بے رہنما
پس وہ رستہ جو نہیں دیکھا کبھی ۔۔۔ چھوڑ کر رہبر نہ تنہا جا تُو ہی
جو بغیرِ راہبر رستہ چلا ۔۔۔ ہو کے گمرہ وہ ہلاکت میں پڑا
پیر کا سایہ نہیں گر اے فضول ۔۔۔ تجھ کو کر دے گی پریشاں بانگِ غول
ہوکے گمرہ پائے شیطاں سے گزند ۔۔۔ ہوگئے گمراہ کتنے عقلمند
گمرہی کا ذکر سن قرآن سے ۔۔۔ رہرؤں سے کیا کیا شیطان نے
لے چلا صدہا برس کا راستہ ۔۔۔ بد نصیبی نے انھیں ننگا کیا
دیکھ ان کے بال ان کی ہڈیاں ۔۔۔ عبرت ان سے لے نہ جا ہرگز وہاں
گردن خر موڑ اسے رستہ پہ لا ۔۔۔ ساتھ رہبانوں و رہدانوں کے جا
خر کو رکھ قبضے میں ڈھیل اس کو نہ دے ۔۔۔ بس چراگاہوں کا سودا ہے اسے
اک گھڑی چھوڑے اگر آزاد اسے ۔۔۔ میلوں میلوں جائے چرنے کے لیے
راہ کا دشمن ہے وہ مست علف ۔۔۔ سادہ دل اس نے کیے کتنے تلف
تُو نہیں ہے راہ سے واقف اگر ۔۔۔ راہ پائے گا تو چل برعکس خر
رائے زن کی لو، کرو اس کے خلاف ۔۔۔ جو نہیں کرتا وہ مٹ جائے گا صاف
دور رہ ہر آرزو سے حرص سے ۔۔۔ تا نہ بھٹکائیں رہِ حق سے تجھے
اس ہوا کے توڑنے کو اب یہاں ۔۔۔ کچھ نہیں جوں سایۂ ہمراہ یہاں

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت کرنا کہ......

جب ہر شخص اللہ تعالیٰ کا تقرب کسی قسم کی اطاعت کے ذریعے ڈھونڈتا ہے، تو عقلمند اور خاص بندے کی صحبت کے ذریعے تقرب چاہ تا کہ ان سب سے آگے بڑھ جائے،

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ اپنے خالق کا تقرب مختلف نیکیوں کے ذریعے چاہیں تو اللہ کا عقل اور اسرار الٰہی کے ذریعہ تقرب چاہ درجوں میں سب سے بڑھ جائے گا دنیا میں لوگوں کے نزدیک اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک

بولے پیغمبرؐ علیؓ سے اے علیؓ — شیرِ حق ہے تو پہلواں پر دلی
تُو بھروسہ اپنی شیری پر نہ کر — سایۂ اُمید ہو بالائے سر
اپنی اپنی طاعتیں لائیں گے سب — اور چاہیں گے صلے میں قربِ رب
مانگ عقل وعشق سے تو قربِ ربّ — نہ کہ نیکی و ہنر پر جوں وہ سب
لے اک عاقل کو سہارے کے لیے — تا نہ بھٹکائے کوئی ناقل تجھے
کر وسیلے سے طلب قربِ خُدا — اور طاعت پر تو قائم رہ سدا
وہ کہ جو ہر خار کو گلشن کرے — چشم نا بینا کو بھی روشن کرے
اس کا سایہ دہر میں جوں کوہِ قاف — رُوح جوں سیمرغ مشغولِ طواف
دستگیری کر کے وہ خاصِ خُدا — طالبوں کو پیشِ حق پہنچائے گا
گر کروں تا حشر میں اس کی ثنا — یہ نہ سمجھو ہوگی اس کی انتہا
آفتابِ جاں نہیں مالِ فلک — زندہ اس کے نور سے اِنس و ملک
گم ہے انساں کے بدن میں آفتاب — فہم کر واللہ اعلم بالصّواب
یا علیؓ تم بڑھ کے اِن طاعات سے — سایۂ خاصِ خُدا میں جایئے
اپنی اپنی طرح طاعت میں سبھی — اپنے چھٹکارے کا خواہاں ہر کوئی
سایۂ عاقل میں ڈھونڈ اپنی پنہ — دشمنِ پوشیدہ سے محفوظ رہ
طاعتوں میں ہے یہی طاعت بڑی — سابقوں پر بھی رہے سبقت تری
پا کے پیر آگے جھکا دے اپنا سر — مثلِ موسیٰؑ رہ بہ فرمانِ خضرؑ
دیکھ کارِ خضرؑ چپ اے بے نفاق — تا نہ کہہ ڈالے خضرؑ ہٰذا فراق
اُس نے کشتی توڑی تو خاموش رہ — غم نہ کھانا قتل بچہ کا کیا

دستِ حق فرمایا ان کے ہاتھ کو — ہے یَدُ اللّٰہ فَوْقَ اَیْدِیھم بھی تو
دستِ حق مارے اسے زندہ کرے — زندہ کیا وہ اس کو پائندہ کرے
ہمر ہی درکار ہے تنہا نہ چل — تو اکیلا یہ رہِ صحرا نہ چل
راہ یہ تنہا کوئی کم ہی چلا — طے بزرگوں کی توجہ سے کیا
ہاتھ وہ غائب سے کب کوتاہ ہے؟ — اِس کا قبضہ قبضۂ اللہ ہے
غائبوں پر ہے کرم اتنا جہاں — کیا نہ ہوگا ہو جو آگے میہماں
شہ کی پیشی میں جو ہو وہ ہے کدھر — وہ کھڑے ہوتا ہے کب بیرونِ در
فرق ہے دونوں میں بے حد و حساب — وہ ہے اہلِ کشت یہ اہلِ حجاب
جہد کر اس کی حضوری کے لیے — ورنہ جوں زنجیر در باہر رہے
پیر کی خدمت میں نازک دل نہ بن — منتشر مانندِ آب و گِل نہ بن
نرم ہو یا سخت سب تسلیم کر — تا بنائے تجھ کو سرداروں کا سر
تو جو ہر تکلیف پر غصّہ کرے — آئینہ مانجھے بنا کیوں کر بنے

ایک قزوینی کا کندھے پر گدوانا اور زخم سوزن سے شرمندہ ہونے کا قصہ

قصّہ گو سے لو سنو یہ داستاں — یہ ہے ذکرِ عادتِ قزوینیاں
جسم پر ہاتھوں پہ اور بالائے دوش — شیر، چیتے ، کے وہ بنواتے نقوش
اس طرح جب نقش پورے بن گئے — گودتے ہیں اُن پہ سوئی کو لیے
نائی کے ہاں کوئی قزوینی گیا — گود دے لے مجھ سے شیرینی کہا
پوچھا کیسا نقش بول اے پہلوان — بولا لکھدے صورت شیر ژیاں
میرا طالع ہے اسد شیر اس لیے — جہد کر جی بھر کے مجھ کو گود دے
پوچھا وہ تصویر کس جا چاہیے؟ — بولا کر دے نقش کندھے پر مرے
تا ہو بزم و رزم میں سیدھی کمر — عزم اور کردار مثلِ شیرِ نر
اس نے کی جب گودنے کی ابتدا — شانہ اس کے درد سے دکھنے لگا

پہلواں چیخا بھلے مانس بتا؟ — مار ڈالا نقش ہے کس چیز کا؟
بولا فرمائش تری تھی شیر ہی — ابتدا کس جزو سے کی ہے شیر کی ؟
بولا میں نے دم سے کی ہے ابتدا — بولا بیٹا دم سے ہاتھ اپنا اٹھا
شیر کی دُم سے میں بے دُم ہو چلا — اس کی دُم نے گھونٹ ڈالا ہے گلا
نقش گر لے شیر بے دُم ہی بنا — ہوگیا دل سست سو زن سے مرا
دوسری جانب چبھونے جب لگا — زخم بیدردی سے کرتا چل دیا
چیخ اُٹھا جُزو ہے یہ کونسا — بولا اے مردِ نکو یہ کان تھا
بولا صاحب کان بھی تو چھوڑ دے — مختصر یہ کان کیوں اس کے لیے
پھر تو سوئی دوسری جانب چلی — اور قزوینی نے پھر اک آہ کی
تیسری جانب یہ جزو ہے کونسا — بولا پیارے پیٹ ہے یہ شیر کا
بولا یہ لازم نہیں اس شیر کو — پیٹ لازم ہے کہیں اس شیر کو
زخم کم کر درد حد سے بڑھ گیا — پیٹ کیوں ہو شیر کو بہر خدا
نائی حیراں ہوگیا جب یہ سنا — دانت میں انگلی دبائے رہ گیا
اس نے اب سوئی زمیں پر پھینک دی — بولا دنیا میں ہے ایسا بھی کوئی
بے سر و دم بے شکم دیکھا نہیں — حق نے شیر ایسا بنایا بھی کہیں؟
زخم کھانے کی نہیں طاقت اگر — اس طرح شیر ژیاں کا دم نہ بھر
صبر کر اے بھائی درد نیش پر — تاکہ نیشِ نفس سے پائے مفر
وہ جماعت جس نے کھو ڈالا وجود — ان کو مہر و ماہ کرتے ہیں سجود
نفس کافر جس کے تن میں مر گیا — اس کے تابع ابر کیا خورشید کیا
جس کے دل میں صبر روشن ہوگیا — سورج اس کو کیوں جلائے گا بھلا
حق نے فرمایا کہ مہر پُر ضیا — غار کے روزن سے خود ہٹ کر چلا
واسطہ حق سے تھا اہل کہف کا — غار سے کترا کے سورج چل دیا
خار بھی پُر لطف ہوتے جیسے گل — آگے اس جزو کے جو ہوگا روبہ گُل

کیا ہے تعظیم خدا کا اشتہار
غرق ذلت خود کو کرنا جوں غبار
کیا ہے توحید خدا کا سیکھنا
پیش حق ہستی کو کر دینا فنا
روزِ روشن تجھ کو بننا ہے اگر
رات جوں ہستی جلا کر خاک کر
اس کی ہستی میں وجود اپنا مٹا
کیمیا میں جیسے مس خود کو گلا
ہے من و تو کی غلط عادت تری
دو وجودوں سے خرابی ہے سبھی

بھیڑیے اور لومڑی کا شیر کے ساتھ شکار کو جانا

شیر و گرگ و روبہ تینوں ایک بار
چل دیے کہسار کو بہر شکار
اُس گھنے جنگل میں مل کر تینوں یار
تا بہ کثرت لا سکیں اپنے شکار
ایک دیگر کی مدد پر انحصار
تا کہ لائیں گھیر کر اپنے شکار
شیر کو ہر چند ان سے عار تھا
عزّت افزائی کو ساتھی بن گیا
ایسے شہ کو فوج زحمت کا سبب
پر جماعت بھی ہے رحمت کا سبب
چاند کو ہے شرم تاروں سے مگر
ہے کرم ان میں جو آتا ہے نظر
امر **شاوِرھُم** پیمبرؐ کو ملا
آپ سے بہتر کوئی دے رائے کیا؟
گرچہ میزاں میں ہے جَو کے ساتھ زر
زر کی اصلیت نہیں جَو میں مگر
جسم دیکھو روح کے ہمراہ ہے
اور کتا حافظ درگاہ ہے
چل پڑی ہے یہ جماعت سوئے کوہ
شیر کے ہمراہ با فر و شکوہ
نیل گائے بکرا خرگوش اک بڑا
ہاتھ آئے کام ان کا چل گیا
جنگجو شیروں کا ساتھی جو بنے
کھانے کو پیہم کباب اس کے لیے
لائے جنگل میں پہاڑی سے اتار
مردہ ، زخمی ، خون میں لتھڑے شکار
گرگ و روبہ کی یہی نیت رہی
حصہ میں ہوں گے برابر کے سبھی
شیر پر عکس ان کے لالچ کا پڑا
شیر لالچ ان کا از خود پالیا
جو بھی ہوگا شیر اسرار و امیر
روشن اس پر بن کہے مافی الضمیر

کر حفاظت دل کی اے اندیشہ خو
ان کے آگے پاک رکھ باطن کو تُو
جان کر سب خود کو رکھتا ہے خموش
اس کے لب کی مسکراہٹ پردہ پوش
جب ہوا شیر ان کے دلِ سے با خبر
لاج رکھ لی کچھ نہ بولا جان کر
بولا دل ہی دل میں دوں گا میں سزا
اے گداؤ ! ٹھہرو کم ظرفو ذرا
مشورہ میرا تمھیں کافی نہ تھا
میری بخشش پر تمھیں شک ہوگیا
رائے کے قابل تمھیں ہم نے کیا
زینت عالم ہے اپنی ہی عطا
نقش کی کیا رائے پیش نقش گر
ہیں اسی کے دین اُسے عقل و نظر
ہم سے اور ایسی کمینہ بدظنی
شرم کے باعث زمانے کو تم ہی
بد ظنی اللہ سے کرنے والوں کا
گر نہ کردوں سر قلم ہوگی خطا
نیست کر دوں تم ہو ننگ آسماں
تا رہے دنیا میں باقی داستاں
شیر در خود سوچ کر ہنسنے لگا
شیر کے ہنسنے سے دھوکا کھا نہ جا
دولتِ دنیا ہنسی اللہ کی
پُر غرور و مست ہم کو کر گئی
فقر و رنجوری کو جنت کر خیال
خود لپیٹے گا تبسم اپنا جال

شیر کا بھیڑیے کوآزمانا اور کہنا کہ ان شکاروں کو تقسیم کردے

بولا شیر، اے گرگ اسے تقسیم کر
تُو ہے بوڑھا ہو نظر انصاف پر
تُو ہی بن تقسیم میں نائب مرا
تاکہ ظاہر ہو سکے جوہر ترا
بولا اے شہ نیل گائے حق ترا
وہ بڑی ہے تو بھی طاقتور بڑا
درمیانی ہے جو بکری لوں گا میں
روبہ کو خرگوش حصّہ دوں گا میں
شیر بولا ، بھیڑیے بکتا ہے کیا
میرا تیرا میرے ہوتے کیوں کہا؟
کون کتنا ہے بڑھا جو بھیڑیا
سامنے شیر یگانہ میں نہ تھا؟
بولا اے خر، خود نگر آگے تو آ
آیا پنجہ مار ٹکڑے کر دیا
مغز سر میں تھا نہ رائے راست تھی
بس سزا تھی کھال اس کی کھینچ لی

میرے ہوتے خود کو جو باقی رکھے
ایسے ناکارہ کو مرنا چاہیے
کیوں نہ بھولا خود کو میرے سامنے
مار دینا تجھ کو لازم ہے مجھے
گرچہ اکثر بانٹتا ہوں فضل ہی
گاہے گاہے چاہیے انصاف بھی
کُلّ شیٔ ھالکٌ غیر اللہ
جب نہیں اس ذات سے ہستی و چاہ
جو ہماری ذات میں ہوگا فنا
کُل شیٔ ھالِکٌ کب ہے جزا
جو گیا اِلاّ میں وہ لا سے گیا
رہ گیا اِلاّ میں جو داخل ہوا
اس کے در پر جا کے جو میں تو کہے
ہو رہے مردود لا مین جا بسے

اس شخص کا قصہ جس نے دوست کے دروازے پر دستک دی۔اس نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے؟اس نے کہا کہ میں ہوں۔اس نے جواب دیا کہ دروازہ نہیں کھولوں گا کیونکہ میں اس کو دوست نہیں رکھتا جو اپنے آپ کو میں کہے

کھٹکھٹایا در کسی نے یار کا
پوچھا کون ایسا نہ در کو کھٹکھٹا
بولا میں ، بولا ہے بے ہنگام جا
خوان کے قابل نہیں اے خام جا
خام کو ہے آتش ہجر و فراق
تا پکائے اور بنائے بے نفاق
تجھ میں تیری تو ہے اب تک اس لیے
آگ میں تجھ کو جلانا چاہیے

اس ''میں'' کہنے والے کا شرمندہ ہونا اور ایک سال تک بے وطنی اور محنت ومشقت برداشت کرنا اور معافی کے لیے دروازے پر آنا اور صاحب خانہ کا دریافت کرنا کہ ''کون ہے'' اور اس کا جواب میں کہنا کہ دروازے پر تو ہی ہے اور اپنے وجود کا انکار کرنا

وہ سفر میں سال بھر چلتا رہا
اور فراقِ یار میں جلتا رہا
پختہ ہو کر لوٹ آیا وہ جلا
آستانِ یار پر حاضر ہوا
کھٹکھٹایا در کو باخوف و ادب
بند ہی رکھا ادب سے اپنے لب

پوچھا در پر کون ہے میرے یہاں　　بولا تو خود در پہ ہے اے دلِ ستاں
بولا تو ''میں'' ہو تو اے 'میں اندر آ'　　ایک گھر دو میں سے کیوں بسنے لگا
ایک ہوں گے سب تو مٹ جائے دوئی　　یہ من و تو ختم ہوجائے سبھی
ایک سوئی میں دو دھاگے ناروا　　ہوگیا جب ایک اس سوئی میں آ
سوئی دھاگے میں ہے لازم ارتباط　　اونٹ کے قابل نہیں سُمَّ الخَیاطَ
گھٹ نہیں سکتا جسامت میں جمل　　اس کی قینچی ہے ریاضات و عمل
دستِ حق لازم ہے اس کو اے فلاں　　بہر ناممکن وہی ہے کن فکاں
اس کو نا ممکن بھی ممکن ہو رہے　　اور جو سرکش ہے وہ ساکن ہو رہے
اندھا ، کوڑھی ، یا کوئی مردہ سہی　　اس کے افسوں سے وہ پائے زندگی
وہ عدم ہے مردہ سے بھی مردہ تر　　عاجز و مضطر کفِ ایجاد پر
كُلَّ يَومٍ هُوَفِىْ شَان پڑھ ذرا　　وہ کہیں بیکار رہتا ہے بھلا
کام معمولی ہے یہ ہر روز کا　　تین فوجیں بھیجتا ہے وہ سدا
ایک لشکر رحم میں اصلاب سے　　رحمِ مادر میں وہ تا پلتا رہے
اور دگر رحموں سے سوئے خاکداں　　تا نر و مادہ سے بھر جائے جہاں
تیسرا اس خاک سے سوئے اجل　　تاکہ دیکھے ہر کوئی حسنِ عمل
سب سے پہلے آنے والی شئے وہی　　جو خُدائے پاک نے روحوں کو دی
جان سے آتی ہے پھر وہ سوئے دِل　　پھر وہی جاتی ہے دل سے سوئے گل
اس کی فوجوں کا شمار و حد کدھر　　اس لیے فرمایا ذکریٰ للبشر
مختصر ہوتی نہیں یہ داستاں　　چل کے سن دو پاکبازوں کا بیاں

اس دوست کا دوست کوتربیت پانے کے بعد بلانا

یار بولا اندر آ اے جملہ من　　اب نہیں فرقِ گل و خار و چمن
دہرا دھاگا ہوگیا ہے ایک یوں　　جس طرح کُن کے حروفِ کاف ونوں

ہے کمندِ کن عدم کو کھینچنے
کام اہم اس سے بنانے کے لیے
چاہیے دو تا کمند اس کے لیے
کیونکہ قوت اس میں دُگنی چاہیے
کوئی چو پایہ دو پایہ کچھ رہے
جیسے قینچی پاؤں دو اک رہ چلے
دھوبیاں دو کپڑے دھونے میں شریک
دیکھنے میں ہیں مخالف پر ہیں ٹھیک
نہر میں کپڑے بھگوتا ہے یہ گر
خشک کرنا ہے انھیں لاکر دگر
خشک کو لا کر وہ پھر کرتا ہے تر
یعنی کام ان کے ہیں ضد یک دگر
گرچہ جھگڑالو سے دکھتے ہیں ہمیں
دونوں ہیں مشغول ایک ہی کام میں
ہر نبیؑ ہر قطب کا مسلک جدا
رو بہ حق سب ہیں سو ہے اک راستہ

سننے والوں کی بے توجہی سے بات کرنے سے روگردانی کرنا

نیند طاری سننے والوں پر ہوئی
ساتھ ہی پانی کے وہ چکی گئی
جاتا ہے چکی پہ اب پانی بہے
چکی میں تھا وہ تمھارے واسطے
تم کو چکی کی ضرورت جب نہ تھی
سیل اصلی نہر کی جانب چلی
از پئے تعلیم ہے یہ ناطقہ
ورنہ ہے پانی کو دیگر راستہ
شور چلنے کا نہ کچھ تکرار ہے
تَحْتَهَا الْاَ نْهَارُ تا گلزار ہے
اے خُدا دکھلا تو جاں کو وہ مقام
کہ جہاں بے لفظ پیدا ہے کلام
سر کے بل جاتی رہے تا پاک جاں
سُوئے میدانِ کشادہ خود نہاں
وہ وسیع و پُر فضا میداں کھلا
ہیں خیالات و شہود اس کی عطا
نسبت غیبی سے ہے مبہم خیال
ہے خیال اس کے سبب وجہِ ملال
اور ہستی تنگ ہے پیشِ خیال
اس لیے اس میں قمر ہے جوں ہلال
پھر یہ ہستیِ جہانِ حسّ و رنگ
تنگ تر ہے کیونکہ ہے زندانِ تنگ
وجہِ ترکیب و عدد خود تنگیاں
حسّ سوئے ترکیب جاتی ہیں کشاں
عالم توحید ہے حس سے پرے
چل ادھر تجھ کو جو وحدت چاہیے

امر کن اک فعل تھا معنیٰ تھے صاف — ہوگیا اک فعل مل کر نون و کاف
اس سخن کو چھوڑ ہے بے انتہا — دیکھ ہے اُس بھیڑیے کا حال کیا

شیر کا بھیڑیے کو اس کی بے ادبی پر سزا دینا

شیر نے سر توڑ ڈالا گرگ کا — حکم میں تا ہو نہ شامل دوسرا
فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡھُم آیا گرگ پیر — کیوں نہ مردہ بن گیا پیشِ امیر
پھر کہا یہ شیر نے روباہ کو — کر یہ کھانے کے لیے تقسیم تو
سر بہ سجدہ ہو کے بولا نیل گائے — شاہ تیرے ناشتے کے کام آئے
اور یہ بکری دوپہر کے واسطے — شہ تجھے بہتر ہے یخنی کے لیے
اور یہ خرگوش جو ہے شام کو — نقل کے کام آئے گا رکھ اس کو تو
بولا ہے تقسیم تیری ٹھیک ہی — تُو نے یہ تقسیم کس سے سیکھ لی
تُو نے اے صاحب کہاں سے سیکھ لی — بولی حالت دیکھ لی ہے گرگ کی
تُو ہے دیوانی ہمارے پیار کی — ٹھیک ہے تینوں بھی رکھ لے آپ ہی
روبہ تو جو ''ہم'' مجسم ہوگئی — کیوں ستائیں جبکہ تو ''ہم'' ہوگئی
ہم ترے اور صید سب حصہ ترا — آسمانِ ہفتمیں پر چڑھ کے آ
گرگ سے تو کیسے عبرت سیکھ لی — شیر ہے تو اب نہیں تُو لومڑی
ہے وہ عاقل جو سبق عبرت کا لے — دوستوں کی موت سے آفات سے
روبہ نے سو شکر ادا اس کے کیے — شیر بعدِ گرگ جو بولا مجھے
حکم یہ اول ہی گر دیتا مجھے — جاں کہاں بچتی مری تقسیم سے

آخری زمانے میں پیدا ہونے والوں کی فضیلت کا بیان اس حکایت کا مقصد ہے

پس بجا لاتے ہیں اس کا شکریہ — ہم کو بعد اگلوں کے جو پیدا کیا
قہر حق کی داستانیں سُن لیے — اُن پہ جو پہلے زمانے میں رہے

تا کہ اگلے بھیڑیوں کا سُن کے حال — جیسے روباہ ہم کریں خود کا خیال
امت مرحومہ ٹھہرے اس لیے — ہم رسول اللہ کے اقوال سے
بھیڑیوں کے بال ان کی ہڈیاں — اے بزرگو بہر عبرت ہیں یہاں
کرتے ہیں رد عاقل اپنی سرکشی — سُن کے فرعونوں کی قوم عاد کی
حکم یہ اوّل ہی گر دیتا مجھے — جاں کہاں بچتی مری تقسیم سے

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو ڈرانا کہ مجھ سے نہ الجھو میں تو خدا کا نقاب ہوں تم خدا سے الجھ رہے ہو نہ کہ مجھ سے

کی نصیحت نوحؑ نے اس قوم کو — کر عنایات خُدا کی قدر تُو
سرکشو! دیکھو تو میں، میں ہوں کہاں؟ — مردہ میں جاناں سے زندہ میری جاں
جان دی ، جانانہ نے میں زندہ ہوں — موت آنے کی نہیں پائندہ ہوں
کھو دیے چونکہ حواساتِ بشر — بن گیا حق سمع و ادارک و بصر
میں نہیں ہوں میں یہ ہے اس کا کلام — جو کہیں برعکس وہ کافر تمام
لومڑی کے روپ میں پنہاں ہے شیر — لومڑی کو دیکھ کر مت ہو دلیر
اس کی صورت سے اگر ڈرتے نہیں — غرّہ بھی محسوس کیا کرتے نہیں؟
نصرتِ حق نوحؑ کو ہوتی نہ گر — کس طرح کرتے جہاں زیر و زبر
شیر لاکھوں اس کے باطن میں نہاں — اس کو تھے دانہ برابر دو جہاں
''ماومن'' سے وہ تھے وابستہ کہاں — جیسے اک شعلہ تھے وہ خرمن جہاں
حصہ دسواں بھی جو خرمن میں نہ تھا — اس پر اک شعلہ مسلط کر دیا
جو کوئی شیرِ نہاں کے سامنے — بھیڑیے کی طرح کچھ بکنے لگے
شیر گرگ اس کو سمجھ کر پھاڑ دے — **فَانْتَقَمْنا مِنهُمْ** وہ کہنے لگے
گرگ سا گھائل کرے گا اس کو شیر — ہوگا پیشِ شیر احمق ہی دلیر
زخم لگتے کاش اس کے جسم پر — تا دل و ایمان رہتے بے ضرر

کھو گئی قوت جو میں پہنچا یہاں — کس طرح افشا کروں رازِ نہاں
اک اشارہ کر رہا ہوں میں یہاں — راز شاید تم پہ ہوجائے عیاں
جیسے ہو روبہ غذا کم کھایئے — چھوڑیے حیلوں کو باز آجایئے
اس کے آگے ما و من کو چھوڑ دو — ملک اس کا ہے سپرد اس کے کرو
راہِ حق پر جوں فقیر آجاؤ تم — اور شکار و شیر دونوں پاؤ تم
پاکی ہے اس کی صفت یکتا ہے وہ — مغز اور چھلکے سے بے پروا ہے وہ
ہر شکار اور نعمتیں اس کی تمام — ہیں برائے بندگانِ خاص و عام
کیا نہیں اللہ بس اس کے عبد کو — کا ہے بھٹکے اس کا بندہ گُو بہ گُو
جس نے اللہ پر توکل کر لیا — کر لیا خود اس نے اپنا ہی بھلا
دولتیں حق کی ہیں بندوں کے لیے — خوش نصیبی اس کی جو یہ جان لے
وہ کہ جس نے دو جہاں پیدا کیے — ملک و دولت اس کو خود کس کام کے
پیشِ حق دل کی حفاظت چاہیے — بد ظنی سے تا نہ شرمندہ بنے
فاش اس پر خواہشیں بھید اور خیال — جیسے خالص دودھ کے اندر سے بال
نقش نادیدہ جو سادہ سینہ ہے — نقش ہائے غیب کا آئینہ ہے
مطمئن ہے وہ ہمارے راز سے — مومن آئینہ ہے مومن کے لیے
وہ بھی مومن تو بھی مومن بے گماں — درمیاں دونوں کے فرقِ بیکراں
جانچتا ہے نقد کو لے کر محک — پس یقیں سے دور کرلے تا ہے شک
جان کو جونہی کسوٹی کرلیا — جانچتا جاتا ہے ہر کھوٹا کھرا

بادشاہوں کا صوفیوں کو اپنے سامنے بٹھانا تا کہ ان کی آنکھیں روشن ہوجائیں

بادشاہوں کا یہ ایک دستور تھا — یاد ہوگا تجھ کو تُو نے بھی سُنا
بائیں سمت ان کے پہلوانوں کی صف — کیونکہ ہے دِل کی جگہ بائیں طرف
دائیں جانب منشی و عالمِ بہم — کیونکہ دہنا ہاتھ ہے بہر قلم

صوفیوں کی بیٹھک ان کے سامنے بہتر آئینے وہ جاں کے آئینے
صوفیا ہیں ان کے حاجب اے پسر سادہ و پُر عجز نیچے ان کے سر
سینے ذکر و فکر سے مانجھے ہوئے تا کہ لیں صاف عکس دل کے آئینے
اصل فطرت سے بنا جو خوبرو آئینہ لازم ہے اس کے روبرو
عاشقِ آئینہ ہے ہر روئے خوب صیقل جاں ہے اسے تقویٰ القلوب
جس کا چہرہ ہے حسیں اور با نظام چاہیے آئینہ اس کو والسلام
سن کہ یہ ہے اک مثالِ معنوی تا نہ چاہے قولِ دیگر تو کوئی

ایک دوست کا حضرت یوسف علیہ السلام کے دیدار کے لیے سفر کر کے آنا

دور سے آیا وہ یارِ مہرباں یوسفؑ صدّیق کے ہاں میہماں
تھا لڑکپن کے زمانے کا وہ یار آشنائی پر تھا سارا انحصار
چھیڑا ذکر جورِ اخوان و حسد بولے وہ زنجیر تھی ہم تھے اسد
شیر زنجیروں سے شرماتا نہیں حق کی مرضی کا گلہ بھاتا نہیں
شیر کی گردن میں گو زنجیر تھی پھر بھی تھا زنجیریوں کا میر ہی
پوچھا کیوں تھا چاہ و زنداں میں بتا دن گھٹاؤ کے تھے گھٹتا چاند تھا
گر گھٹاؤ میں مہِ نو ہو دوتا بدر کامل کیا نہ ہوگا انتہا؟
کوٹا دُردانہ کو ہاون میں مگر دل کو آنکھوں کو نصیب اس سے نظر
گیہوں مٹی میں اگر ڈالے گئے کھیت سے گیہوں بھرے خوشے ملے
دانے جو چکی میں پھر پیسے گئے قدر اس کی بڑھ گئی روٹی بنے
پھر چبا دیتے ہیں دانتوں سے وہ ناں نان بن جاتی ہے عقل و فہم و جاں
جان بھر سرگشتۂ الفت بنی کاشت سے حیرت کسانوں کو ہوئی
جان وہ جوں ہی فنا فی الحق ہوئی آ گئے پھر ہوش مستی کھو گئی
نیکیوں کا پھل اک عالم کو ملا اور ملا اوروں کو متوقع صلہ
یہ سخن لا انتہا ہے لوٹ آ دیکھ کیا یوسفؑ سے ساتھی نے کیا

حضرت یوسف علیہ السلام کا اس مرد سے گفتگو کے بعد سوغات طلب کرنا

سُن کے قصّہ بولے اس سے اے فلاں بول کیا لایا ہے تُو نے ارمغاں
خالی ہاتھوں دوست سے ملتا ہے کیا جیسے بے گندم پھرانا آسیا
یار کے گھر خالی ہاتھ آنا ہے یوں جانا بے گندم طرف چکی کے جوں
روز محشر خلق سے پوچھے خدا ارمغاں اس روز کا کیا ہے بھلا
تم اکیلے آگئے ہو بے نوا جس طرح ہم نے تمھیں پیدا کیا
ہاں کہو کیا ہے سند کے واسطے کیا ہے تحفہ روزِ محشر کے لیے
یا نہیں تھا لوٹ آنے کا یقیں آج کے پیاں کو سچ جانا نہیں
اس کی مہمانی کے تم منکر رہے خاک کھائے خاک مطبخ سے ملے
گر نہ تھے منکر تو خالی ہاتھ کیوں یار کے در پر قدم رکھے ہو یوں
نیند کم کم کیجئے کم کھایئے تحفۂ دیدار کچھ لے جایئے
ہو جا تو کم نیند کرنے والوں میں صبح کو ان میں کہ جو توبہ کریں
کچھ تو حرکت کر تو مانندِ جنیں تا تجھے بخشے حواس نور بیں
پا لیا جس دم حواسِ دور بیں چڑھ سکے بالائے چرخِ ہفتمیں
رحم جوں دنیا سے باہر جائے گا اک وسیع میدان آگے پائے گا
یہ جو ارض اللہ واسع ہے بیاں ہے وہ میداں انبیا پہنچے جہاں
دل نہ توڑے گا وہ میدانِ فراخ نخل تر اس جا نہ ہوگا خشک شاخ
اے کہ تو حامل ہے جو اوسان کا ست ماندہ اوندھا بھی ہوجائے گا
چونکہ تو تھا نیند میں خود ہی سوار ماندگی جاتی رہی پایا قرار
اک نمونہ خواب ہے اس حال کا ہے مطابق جس کے حالِ اولیا
جس طرح اصحاب کہف ہیں اولیا چلنا پھرنا نیند میں بھی ہے بجا
ان کو کر دیتا ہے محو اشتغال دائیں بائیں کا نہیں ہوتا خیال

کیا ہے وہ ذات الیمین؟ کارِ حسن — اور وہ ذات الشّمال ؟ افعالِ تن
ان کو دشواری میں بھی پائے گا یوں — خوفِ نادیدہ وَلاھم یحزنون
کام یہ دونوں بھی کرتے ہیں بشر — گرچہ دونوں کی نہیں ان کو خبر
ہوتے ہیں نبیوں سے بھی یہ دونوں کار — ہے صدائے بازگشت اس کا شمار
گر سُناتا ہے صدائے خیر و شر — کوہ ان دونوں سے بے خود بے خبر

مہمان کا یوسف علیہ السلام سے کہنا کہ آپ کے لیے سوغات میں آئینہ لایا ہوں تا کہ جب آپ اس میں دیکھیں مجھے یاد کریں

بولے یوسفؑ لا ہمارا ارمغاں — ہوگیا وہ شرم سے محوِ فغاں
بولا ڈھونڈا تیری خاطر ارمغاں — پر نہ پایا کچھ ترے شایانِ شاں
کان کو اک حبّہ کیوں لے جاؤں میں — سوئے عماں قطرہ کیوں لے جاؤں میں
زیرہ لے کر سوئے کرماں جاؤں میں؟ — تیری خدمت میں دل و جاں لاؤں میں
کون دانہ تیرے خرمن میں نہیں — ہے زمانے میں کہیں تجھ سا حسیں؟
میں یہ سمجھا آئینہ موزوں رہے — سینۂ پر نور سا تیرے لیے
تا کرے نظارہ اپنے حُسن کا — اے تو سورج کی طرح ، توشمع سا
آئینہ تیرے لیے لایا ہوں میں — دیکھنے سے اس کے تا یاد آؤں میں
خوبرو کا مشغلہ کیا؟ آئینہ — کہہ کہ پہلو سے نکالا آئینہ
آئینہ ہستی کا کیا ہے؟ نیستی — نیستی اپنا نہیں تو گر غبی
دیکھ سکتے ہیں فنا میں ہست ہم — ہے فقیروں پر امیروں کا کرم
آئینہ روٹی کا بھوکا ہے بجا — آئینہ ہے سوختہ چقماق سا
نیستی و نقص اُٹھ جائیں جہاں — آئینہ کل حُسن و خوبی کا وہاں
نیستی رکھا صفائی کا ہی نام — اس لیے ہستی ہے آلائش تمام
تن کے اوپر چست جب جامہِ سلا — اس سے درزی کا ہُنر ظاہر ہوا
نا تراشیدہ تناہی چاہیے — کام میں بڑھئی اُسے تا لا سکے

جائے ہڈی جوڑنے والا وہاں / پا شکستہ اس کو ملتا ہو جہاں
جس جگہ ملتے نہیں رنجور و زار / کیوں کرشمے طب کے ہوں گے آشکار
گر نہ ہو تانبے کی ذلّت بر ملا / کیمیا کیا کر دکھائے گی بھلا
نقص ہے آئینۂ وصفِ کمال / ذلّتیں آئینۂ عزّ و جلال
ضد کو ضد کرتی ہے پیدا بالیقیں / سرکہ سے ہے آشکارا انگبیں
ہوگیا واقف جو اپنے عیب سے / جہد کی اس کو مٹانے کے لیے
رُخ نہیں کرتا وہ سُوئے ذوالجلال / جس نے سمجھا آپ خود کو باکمال
کیا ہے بدتر غیر پندار کمال / روح کا آزار اے مغرور و ضال
دل سے آنکھوں سے لہو بہتا رہے / تا کہ اس سے میل تیرا دُھل سکے
ہے اَنَا خیرٌ ہی شیطاں کا مرض / ہے ہر اک مخلوق میں ایسا مرض
منکسر خود کو وہ سمجھا برخلاف / دیکھ گوبر زیرِ جوئے آبِ صاف
امتحاں کے واسطے گر تو ہلائے / رنگ گوبر کا تو اس پانی میں پائے
نہر کی تہہ میں ہے گوبر اے پسر / نہر گرچہ صاف آتی ہے نظر
پیر را داں کی اگر صحبت تو پائے / نفس وتن کے باغوں میں نہریں بہائے
نہر از خود پاک ہوتی کیوں بھلا / پیر نے علم لدّنی سے کیا
صاف گوبر کو کرے کیوں آب جو / دھو نہ پائے علم جہل نفس کو
اپنا دستہ تیغ کیوں کاٹے بھلا؟ / سامنے جراح کے زخم اپنا لا
زخم کو آ ڈھانپتی ہیں مکھیاں / تا نہ دیکھے پیپ کو زخمی رواں
مکھیاں تیری امیدیں اور خیال / زخم تیرا کیا ہے تاریکیٔ حال
پیر زخموں پر لگائے جب دوا / خاتمہ ہووے گا شور و درد کا
کر نہ یہ امید زخم اچھا ہوا / زخم پر مرہم کا سایہ ہی پڑا
ترک مرہم کر نہ اے زخمی کبھی / فائدہ آرام سب کچھ عارضی
اس سخن کی حد نہیں ہے اے جواں / سن تو اس کے باب میں قصہ یہاں

کاتب وحی کا مرتد ہونا، اس لیے کہ وحی کا پرتو اس پر پڑا اس نے آیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پڑھی اور بولا مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے

قبل عثمانؓ دیگر اک نساخ تھا — مستعد تحریر وحی میں تھا بڑا
وحی کا دیتے تھے پیغمبرؐ سبق — لکھ کے سب کرتا تھا تحویل ورق
وحی کا اس پر اثر جب ہوگیا — اس کو خود احساسِ دانائی ہوا
عین حکمت اس کو فرمائے رسولؐ — اس سے گمرہ ہوگیا وہ بو الفضول
سمجھا جو بولے رسولؐ مستیز — حامل اس مضموں کا ہے میرا ضمیر
پا گئے جب حال کو اس کے رسولؐ — قہر حق کا ہوگیا اس پر نزول
جوں ہی پر تو قہر کا دل پر پڑا — حرف حکمت اس کے دل سے اڑ گیا
دین چھوڑا اور کتابت بھی گئی — ہوگئی دین و نبیؐ سے دشمنی
بولے آپؐ اے کافر سرکش بتا — نور تھا تجھ سے تو کیوں کالا پڑا؟
چشمہ ہوتا تو اگر اللہ کا — تجھ سے یوں آبِ سیہ بہتا نہ تھا
اس جلن سے اس کا دل جلتا رہا — اے عجب وہ توبہ ناکردہ رہا
تا نہ ہو رسوا بہ پیش ایں و آں — بند کرلی اس لیے اس نے زباں
آہ کی اس نے مگر بے فائدہ — تیغ آئی سر قلم ہو کر رہا
آبر و بھاری ہے جوں سومن حدید — ہیں بہت اس کے بندھے یہ ناپدید
کفر و نخوت آدمی کو سدّ راہ — جبر ایسا ہے نہ کرنے پائے آہ
بولا اَغلالاً فھم بہِ مُقمحُون — پر نہیں ہے وہ کوئی طوقِ بروں
خَلفَھُمْ سُدّاَ فَاغشینا ھُمْ — وہ نہ دیکھے پیش و پس دیوار کو
حال اک صحرا سا اس دیوار کا — کیا خبر اس کو وہ ہے سَدّ قضا
یار تیرا سدِ روئے یار ہے — پند مرشد بھی یہی دیوار ہے
ہے بہت کفّار کو سودائے دیں — ان کی بیڑی آبرو کبر آں و ایں

بدتر آہن سے بھی ہے بندِ نہاں توڑ سکتے ہیں تبر سے بیڑیاں
کر سکیں گے بند آہن کو جُدا بند غیبی کی نہیں کوئی دوا
ڈنک اگر زنبور تجھ کو مار دے فوراً اس کے دفع کی سوجھے تجھے
ڈنک تیرا کبر گر مارے تجھے کم نہ ہوگا درد، غم بڑھنے لگے
شرح دلِ سے ہو رہی ہے آشکار ڈر ہے مایوسی نہ ہو انجامِ کار
ہو نہ جا مایوس ، خوش ہو جا ذرا سننے والے کو سنا اپنا گلہ
عفو کے دلدادہ مالک عفو کر تو ہے ناسورِ کہن کا چارہ گر
عکس حکمت سے ہوا گمراہ مرد ہو نہ خود بیں جب تلک ہولے نہ گرد
حکمت جاریہ جو تجھ کو ملی اولیا کا حق وہ تجھ میں عارضی
خود بخود پُر نور اگرچہ خانہ ہے باعث اس کے نور کا ہمسایہ ہے
شکر کر غرّہ نہ ہو رد کر نہ دے بات سُن پرہیز کر تو کبر سے
حیف حیف اس عارضی اک چیز نے کتنے مغروروں کو پھیرا دین سے
میں غلام اس کا جہاں بھی جو گیا یہ نہ سمجھے میں نے مقصد پالیا
منزلوں سے آگے بڑھنا چاہیے اپنے گھر تک تا کسی دن جاسکے
وہ نہیں گو لال ، لوہا ہوگیا عارضی پر تو رہا چقماق کا
کھڑکیوں میں ہو کہ ہو گھر میں کہیں روشنی سورج کی ہے گھر کی نہیں
گر کہیں دیوار و در روشن ہیں ہم عکسِ دیگر سے کہاں روشن ہیں ہم
پس کہے خورشید اے گمراہ خوب! جان لے گا جب میں ہوجاؤں غروب
سبز جو ہیں بولیں گے ہیں سبز ہم شاد و خنداں ، خوبرو ہیں جوں صنم
تو بہار ان کو کہے گی اے امم دیکھنا خود کو گذر جائیں جو ہم
جسم کو ہے ناز اپنے حُسن پر آنکھ سے پوشیدہ جاں کے بال و پر
جاں کہے تو کیا ہے غیر از گندگی اک دو دن کی مجھ سے پائی زندگی
تنگ ہے جگ ناز غمزدوں کے لیے ٹھیر تو رخصت مجھے ہونے تو دے

قبر کھودیں گے تری خواہاں ترے
گور میں عجلت سے پھینکیں گے تجھے

قبر میں جب یار ڈالیں گے تجھے
اور مور و مار کھالیں گے تجھے

ناک پکڑیں گے وہ بدبو سے تری
جان قرباں کر رہے تھے جو کبھی

روح کا سایہ زبان و چشم و گوش
آگ کے پرتو سے ہے پانی میں جوش

جس طرح ہے جاں کا پرتو جسم پر
اولیا کا میری جاں پر ہے اثر

جاں سے پیچھے ہٹ چلے گر جانِ جاں
جیسے بے جاں جسم ہوجائے گی جاں

میں اسی باعث رہا سر بر زمیں
تار ہیں شاہد یہ اُس پر یومِ دیں

یومِ دیں ہوگا جو برپا زلزلہ
ہوگا شاہد وہ سبھوں کے حال کا

ہوگا اعلان عام ہر اخبار کا
ہوں گے سب گویا زمیں کیا خار کیا

فلسفی بولے گا معقولات کی
گھر سے باہر ہو رہے گی عقل بھی

ہوگا منکر فکر و ظن میں فلسفی
بول جا سر پھوڑ ہے دیوار بھی

نطقِ آب ونطق خاک ونطقِ گِل
کرتے ہیں محسوس سب کو اہلِ دل

فلسفی جو منکرِ حنانہ ہے
انبیا کے حال سے بیگانہ ہے

وہ کہیں گے پر تو سودائے خلق
سوچ ان کی باعثِ آرائے خلق

بلکہ یہ سایہ ہے اس کے کفر کا
جو خیال بد مسلط ہوگیا

منکر شیطاں بھی ٹھہرا فلسفی
خود ہے شیطاں کا کھلونا ساتھ ہی

دیکھ خود کو دیو گر دیکھا نہیں
بے جنوں ہوتی نہیں نیلی جبیں

جس کسی کے دل میں ہو شک اور کجی
وہ زمانے میں ہے پنہاں فلسفی

معتقد بھی ہوتا ہے وہ گاہ گاہ
فلسفہ کرتا ہے اس کو رو سیاہ

مومنو! وہ ہے تمھارے ساتھ بھی
اور وہ ہے اک جہاں بے منتہی

ہیں بہتّر ملتیں اندر ترے
ہاتھ پیر اس روز باہر لائیں گے

ساز و ساماں جس کا ایماں ہے سبھی
ڈر سے جوں پتا ہے لرزاں ہر کبھی

خندہ زن ہے دیو اور شیطاں پہ تو
کیونکہ سمجھا تو نے خود کو نیک خو

ہوں گے جب پوشیدہ احوال آشکار
کتنا واویلا کریں گے دیندار

ہر دکاں پر شاد و خنداں زر نما
کیونکہ پتھر جانچنے کا کھو گیا

رکھ ہمارا پردہ ستّارِ جہاں
دے اماں ہم کو بوقتِ امتحاں

رات میں کھوٹے کھرے سب ایک ہی
چاہیے سونے کو دن کی روشنی

بولتا ہے زر زبانِ حال سے
ٹھہر اے مکار جب تک دن چڑھے

تھا ہزاروں سال ابلیسِ لعیں
اولیا سے اور امیر لمومنیں

حملہ آدم پر تکبر سے کیا
دن چڑھے گوبر سا رسوا ہو رہا

پنجہ مَردوں پر نہ مار اے بوالہوس
شہہ سے آگے کیوں بھگاتا ہے فرس

بلعم باعور کا دعا کرنا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس شہر سے جس کا انھوں نے محاصرہ کر رکھا ہے ناکام واپس کر دے اور اس کی دعا کا مقبول ہونا

بلعم باعور پر خلقِ جہاں
تھیں فدا عیسیٰؑ پہ جوں نصرانیاں

سجدہ وہ کرتے نہ تھے اس کے سوا
بہر صحت اس کا دم کافی رہا

کبر و فن کی وجہ موسیٰؑ پر چلا
جو ہوا انجام تو نے سُن لیا

سو ہزار ابلیس و بلعم ہیں یہاں
سب عیاں ویسے ہی ویسے ہیں نہاں

شہرت ان دو کو ہی دی اللہ نے
یہ گواہ ہوں تاکہ باقی کے لیے

ڈاکوؤں کو دشت میں کرتے ہیں قتل
اک دو لاشیں شہر کو کرتے ہیں نقل

تاکہ عبرت شہر والوں کو ملے
دیکھنا ان کا رکاوٹ تا بنے

چور دو ہی دار پر کھینچے گئے
ورنہ دنیا میں بہت سے چور تھے

یہ دو پرچم کی طرف لائے گئے
قہر کے مارے تو بہتیرے رہے

نازنیں ہے تو تو اپنی حد میں رہ
اللہ اللہ حد سے باہر ہو نہ جا

تو حسیں تر پر اگر حملہ کرے
دفن ہوگا ساتویں تہ کے تلے

کیوں ہے یہ قصہ ثمود و عاد کا
تا کھلے کس پر ہے نازِ انبیا

وہ کڑک ، پتھراؤ اور دھنسنا کیوں بھلا
از پئے اظہارِ شانِ انبیا
مار انساں کے لیے حیواں تمام
اک نبی کے واسطے انساں تمام
ہوش کیا ہے عقل کُل اے دیدہ ور
عقلِ ناقص عقل ہے اوندھی مگر
اور انسانوں میں وحشی جانور
پالتو حیواں سے کمتر درجہ پر
ہے حلال ان کا لہو بہرِ بشر
کہ بدکتے ہیں بشر کو دیکھ کر
خون ان کا خلق کے حق میں روا
نسبتِ انساں ہے ان کو نا سزا
اس لیے وحشی نے کھو ڈالا مقام
دشمن انسانوں کے ہیں وحشی تمام
تیری کیا عزت ہے اے احمق بتا!
بن گیا ہے تو بھی اک وحشی گدھا
مصلحت پر ذبح کیوں ہوگا گدھا
ہو اگر وحشی تو خون اس کا روا
عقل زاجر سے ہے بے بہرہ گدھا
پر نہیں کرتا معاف اُس کو خُدا
آدمی وحشی اگر ہوجائے گا
کیا کبھی معذور وہ کہلائے گا؟
اس لیے کافر کا خوں بھی ہے روا
جیسے وحشی تیر بھالے کھائے گا
بیوی بچوں کی یہی ہوگی سبیل
کیونکہ ہیں بے عقل مردود و ذلیل
عقل عقلِ کل سے جو وحشت کرے
عقل سے اپنی وہ حیواں ہو رہے
اس بیاں میں اور اک قصّہ تو سُن
اپنے جان و دل سے اِس قصہ کو سُن

ہاروت اور ماروت کا اپنی پاک دامانی پر گھمنڈ کرنا اور دنیا کی سرداری چاہنا اور فتنہ میں پھنس جانا

جیسے اروت اور مارواتِ شہیر
کبر سے کھائے ہیں زہر آلود تیر
تھا تقدس پر گھمنڈ ان کو بڑا
گائے کو کیسے بھروسہ شیر کا
ہوں گی تدبیریں بڑی ہی گائے کی
شیرِ نر سے بچ نہیں سکتی کبھی
جیسے ساہی ہوگا وہ پُرخار اگر
مار دے گا گائے کو چوں شیر نر
جھاڑ اکھڑ جاتے ہیں صرصر سے مگر
ہے کرم اس کا بھی بونے گھاس پر

مہرباں ہے بادِ صر صر گھا س پر ۔۔۔ اے دل اپنے زور پر غرّہ نہ کر
خوف کیا پُر شاخ بھی ہو گر درخت ۔۔۔ تیشہ اس کو کاٹ دے گا لخت لخت
پتیوں پر ضرب سے کیا کار اسے ۔۔۔ کام ہے ہر رنگ اس کو سخت سے
خوف کیا ہیزم سے شعلے کو بھلا ۔۔۔ خوف ریوڑ کا قصائی کو ہو کیا؟
سامنے معنیٰ کے صورت ہے زبوں ۔۔۔ چرخ کو معنےٰ نے رکھا ہے نگوں
چرخ کو چرخی کنوئیں کی جان لے ۔۔۔ عقلِ نورانی گھماتی ہے اسے
ڈھال جیسے تن کی جنبش بھی یونہی ۔۔۔ اے پسر ہے مہربانی روح کی
اس کے معنیٰ سے رواں ہے بادبھی ۔۔۔ جب چلا پانی تو پن چکی چلی
جزر و مد اور آمد وشد سانس کی ۔۔۔ کس سے ہے؟ سب جان کی کاریگری
گاہ جیم اور گاہ ھا اور گاہے دال ۔۔۔ صلح کا باعث کبھی وجہ جدال
دائیں بائیں جیسی مرضی لے چلے ۔۔۔ خار گاہے گلستاں گاہے کرے
واسطے فرعون کے یزدانِ پاک ۔۔۔ کر دیا پانی کو خون سہم ناک
عاد کے حق میں یونہی اپنا خدا ۔۔۔ کر دیا موجِ ہوا کو اژدھا
پھر ہوا کو از برائے مومناں ۔۔۔ کر دیا صلح و رعایت اور اماں
بولے اَلْمَعْنِیٰ هُوَ اللّٰه شیخِ دیں ۔۔۔ بحرِ معنیٰ ہے وہ ربِّ العالمیں
جملہ اطباق زمین و آسماں ۔۔۔ جس طرح خاشاک در بحرِ رواں
پانی میں تنکے اچھلتے کودتے ۔۔۔ زور ان کا اضطراب بحر سے
پھر سکوں تنکے کو دینے کے لیے ۔۔۔ پھینک دیتا ہے کنارے پر اُسے
لا کے ساحل سے کرے گا پھر تبھی ۔۔۔ گھاس سے جو آگ کرتی ہے وہی
حد نہیں اس بات کی آگے نکل ۔۔۔ جانب ہاروت اور ماورت چل

ہاروت اور ماروت اور ان کی سزا کا بقیہ حصہ

اہلِ دنیا کے گنہ، بدکاریاں — ہوگئیں جس وقت سب اُن پر عیاں
ہاتھ غصّے سے چبانے کو لگے — ان کے اپنے عیب پوشیدہ رہے
دیکھا آئینے میں اپنے آپ کو — اپنا منہ غصّہ سے پھیرا زشت رو
جرم دیکھا جب بھی خود بیں غیر کا — دوزخ انگارے برسنے لگ گیا
غیرت دیں کبر کو اپنے کہا — خود میں کافر نفس کو دیکھا نہ تھا
غیرتِ دیں کا نشاں ہے اور ہی — آگ سے پر اس کی کُل دنیا ہری
بولا حق تم میں ہے گر روشن گری — فکر لازم ہے سیہ کاروں کی بھی
اے مرے بندو کرو تم شکر ادا — شہوتوں سے تم کو چھٹکارا ملا
تم کو شہوت سے جو کردیتا گراں — پاس آنے بھی نہ دیتا آسماں
پاک دامانی تمھارا مایہ ہے — اپنی عصمت کا فقط وہ سایہ ہے
ہم سے ہے ہوشیار وہ تم نہیں — ہو نہ غالب تم پہ تا شیطانِ لعیں
جس طرح وہ کاتبِ وحی رسولؐ — دیکھا خود میں حکمت و نور و وصول
سمجھا ہوں مرغانِ حق کا ہمنوا — کیونکہ تھی وہ جیسے گنبد کی صدا
بولی بولے گا پرندوں سی مگر — ان کے باطن کی تو کیوں پائے خبر
سیکھے بلبل کی چہک تو کیا ہوا — تو نہ جانے اس نے گُل سے کیا کہا
شک سے اندازے سے جانے بھی اگر — ہوگا اس کے برخلاف اے بے خبر
وہ بلا شک و شبہ ہوگا گماں — جیسے جنبشِ لب پہ بہرے کا گماں

ایک بہرے کا بیمار پرسی کے لیے پڑوس کے گھر جانا اور بیمار کا رنجیدہ ہونا

ایک ذی وسعت نے بہرے سے کہا — ہے بہت بیمار ہمسایہ ترا
دل میں بہرے نے کہا بہرا جو ہوں — اس جواں کی بات کو کیوں پاسکوں

خاص کر جب پست ہو آواز ہی
کچھ بھی ہوجانا ہے میرا لازمی

اس کے ہونٹوں کوجو ہلتے دیکھ لوں
خود زخود باتوں کا اندازہ کروں

چونکہ پوچھوں گا ہے تیرا حال کیوں
وہ کہے گا خوش ہوں میں یا ٹھیک ہوں

شکر بولوں ، پوچھوں کیا کھائی غذا؟
آش بولے یا اڑد کا شوربا

میں کہوں گا ٹھیک کھانا اور ہاں
چارہ گر ہے کون؟ وہ بولے فلاں

بولوں وہ آیا بہت اچھا ہوا
وہ جب آیا سب بھلا ہوجائے گا

آزمایا ہے بہت ہی مرتبہ
وہ جو آیا ہوگئی حاجت روا

گفتگو کا مرحلہ یوں طے کیا
اور اس بیمار کے آگے چلا

گویا اس بہرے سے دل بیمار کا
اے بھلے مانس تھا کچھ رنجیدہ سا

جا کے بیٹھا پاس اس بیمار کے
اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پیار سے

پوچھا کیوں ہو؟ مر گیا اس نے کہا
شکر بولا ، جس سے دُکھ اس کو ہوا

شکر کیوں جبکہ مرا دشمن ہوا
سب قیاس اُس بہرے کا اُلٹا رہا

پھر جو پوچھا ، کھایا کچھ؟ بولا وہ زہر
مرحبا بولا ، ہوا افزود قہر

پھر جو بولا چارہ سازوں میں بتا
کر رہا ہے کون علاج آزار کا

بولا عزرائیل آتا ہے تو جا
بولا نیک اس کا قدم شادی منا

میں وہیں سے تیرے ہاں آیا ابھی
کی سفارش میں نے تیرے حق میں بھی

بہرا خوش ہوکر وہاں سے چل دیا
کہ پڑوسی کا ادا حق کرلیا

بہرے پن سے سب گماں الٹا رہا
اس نے خود نقصاں کو سمجھا فائدہ

خود سے رستے میں کہا شکر خدا
حق عیادت کا چلو پورا ہوا

بولا بیمار اس کو دشمن جان کا
ہم نہ سمجھے اس کو ہے کانِ جفا

اس کے دل میں نیک و بد کی سوچ تھی
تا جواباً بھیجے خود پیغام بھی

جوں کسی نے آش پی اتری ہوئی
قے سے پہلے جیسے متلی بے کلی

غصّہ پی لینا ہے اس کو قے نہ کر
تاکہ حاصل ہو تجھے شیریں ثمر

صبرِ نادیدہ وہ جاں اس کی تپاں | بھونکنے والا ہے یہ کتّا کہاں
تا سناؤں اس کی باتیں لوٹ کر | شیر میرا سویا تھا اُس وقت پر
ہے عیادت سے غرض بیمار کی | ہو تسلی ، اس نے کی پر دشمنی
تا ہو دشمن مبتلائے حالِ زار | اس کی طبع زشت تا پائے قرار
لوگ عیادت کرتے ہیں اکثر یہاں | اجر کی خاطر، بر اُمیدِ جناں
اصل میں یہ ہے گنہ گاری چھپی | گدلے پانی کو سمجھتا ہے صفی
جیسے وہ بہرا کہ اُس نے کی بدی | اور یہ سمجھا بھلائی کی بڑی
وہ یہ سمجھا میں نے کی خدمت بڑی | ہوگیا پورا حق ہمسائیگی
آگ بھڑکائی دِل بیمار میں | اور جھونکا اس نے خود کو نار میں
تم نے بھڑکائی جو آگ اس سے ڈرو | یوں گنہ بڑھتے چلیں گے بس کرو
بولے اک مردِ ریا سے مصطفیٰؐ | نہ پڑھی تو نے نماز، اب کر ادا
ہے ان اندیشوں کی وہ ایک ہی دوا | سب نمازوں میں جو آیا اِھدنا
کر نہ دے میری نمازیں اے خُدا | جوں نمازِ گمرہ و اہل ریا
اس خطا سے جو کہ اس بہرے نے کی | دوستی دس سال کی ضائع ہوئی
طاعت اس کو جان کر خوش تھے جناب | پر نہ جانا کیوں خریدا یہ عذاب
ترک کر دے جا ابھی اپنا قیاس | زخم کہنہ ہو نہ جائے تا قیاس
خاص کر تیرا قیاس حِس دوں | وحی کے در باب ہے حد سے فزوں
گوش حس ہیں حرف کے لائق تو جا | گوش حسِ غیب ہے بہرا ترا

اس بیان میں کہ جس نے سب سے پہلے صریح نص کے مقابلے میں قیاس کیا وہ شیطان تھا

سب سے پہلے پیش انوار خدا | جس نے اندیشہ کیا ابلیس تھا
بولا مٹی سے ہے آتش خوب تر | آگ سے میں اور مٹّی سے بشر
اصل سے اندازہ ہوگا شاخ کا | اصل اس کی ظلمت اپنی نور تھا

بولا حق نسبت نہیں ہے کوئی شے
زہد و تقویٰ سب سے بہتر فضل ہے

یہ کوئی میراث دنیا کی نہیں
یہ تو روحانی ہے انسابی نہیں

بلکہ یہ ورثہ ہے ورثۂ انبیا
اور ہیں اس ورثہ کے لائق اتقیا

جب کہ مومن تھا پسر بوجہل کا
گمرہوں سے نوحؑ کا بیٹا رہا

پیکرِ خاکی منور مثلِ ماہ
زادۂ آتش ! تو ہی ہے روسیاہ

رات میں یا دن کو جب بادل ہو دل
راست ہو جاتا ہے قبلہ کا بدل

روزِ روشن ہوکہ کعبہ سامنے
دور رہ اپنے قیاس قبلہ سے

دیکھ کعبہ سے نہ کر تو اجتناب
بس قیاس اللہ اعلم بالصواب

مرغِ حق کی تو نے سُن لی جو صدا
اک سبق اس کو سمجھ کر رٹ لیا

اور کیں اس پر قیاس آرائیاں
کر لیا طے ذات اس کو بعد ازاں

اصطلاحیں خاص ہیں ابدال کی
ان سے کیا نسبت بھلا اقوال کی

سیکھ لی سُن کر پرندوں کی زباں
اس پہ یہ شوق اور قیاس آرائیاں

دل شکستہ تجھ سے کتنے خستہ حال
اپنی دھن میں گم تو بہرے کی مثال

کاتبِ وحی نقل سے آواز کی
سمجھا ہمدم مرغ کا ہے آپ بھی

مرغ نے پر مار اسے اندھا کیا
قعرِ مرگ و درد میں رسوا کیا

عکس ہو یا ہو گماں کچھ بھی سہی
ہاں نہ گرنا اوجِ گردوں سے کبھی

تم سوا ہاروت اور ماروت سے
اور بلندی پر ہو صف باندھے ہوئے

ہاں برائی پر بروں کی رحم ہو
تم خودی اور خود پسندی سے بچو

آ نہ جائے گھات سے غیرت نکل
وہ نہ دے مارے زمیں پر منھ کے بل

دونوں بولے تو ہے مختار اے خدا
کون اماں دے گا ہمیں تیرے سوا

تلملا کر بولے ہم سے یہ امید!
کیوں بدی، ہم ہیں تیرے بندے سعید

پس تھا ان دونوں کو ایک ہی وسوسہ
تخم خود بینی نہ بو دیں ہر جگہ

بولے اے لوگو ، عناصر کے بنے
بے خبر روحانیوں کی پاکی سے

آسماں پر اپنے خیمے بن گئے
آئے ہیں ہم اب زمیں پر تاننے

دونوں بولے پاک ہیں ہم باک سے
کب سرشت اپنی ہے آب و خاک سے

بندگی اور عدل کو اپنائیں گے
اڑ کے ہر شب آسماں پر جائیں گے

اک عجوبۂ خاص بن جائیں گے ہم
دہر میں امن و اماں لائیں گے ہم

پر زمیں میں آسمانوں کی فضا
لا نہیں سکتے ہے فرق ان میں پڑا

اس کا بیان کہ اپنی حالت اور اپنی مستی کو چھپانا چاہیے

سن ذرا قولِ حکیم رازداں
جس جگہ پی تو نے سر رکھ دے وہاں

میکدے سے جب بھٹک کر چل دیا
مست بچوں کا کھلونا ہو رہا

گرتا پڑتا راہ پر چلنے لگا
اس گل آلودہ پہ ہر احمق ہنسا

وہ خود ایسا اور بچے پشت پر
اس کی مستی ذوقِ و مئے سے بے خبر

خلق بچے غیر مستانِ خدا
ہے وہی بالغ نہ ہو جس میں ہوا

ہے جہاں کھیل اور تم بچے سبھی
حق نے فرمایا جو کچھ ہے ٹھیک ہی

کھیل میں مشغول اک بچہ ہے تو
روح کی پاکی سے بے بہرہ ہے تو

شہوت طفلانگی ہے یہ سبھی
ذوق پورا کر رہا ہے ہر کوئی

کھیل ہے دراصل بچوں کا جماع
وہ کہاں رستم سا غازی سا جماع

جنگ لوگوں کی ہے جنگ طفلگاں
جملہ باطل اور اہانت کا نشاں

لڑتے ہیں تلوار سے وہ کاٹ کی
نامناسب قصد ہیں ان کے سبھی

بانس ہی ان کی سواری بن گئی
وہ براق ان کے لیے دُلدل وہی

بے خبر خود آپ ہیں جب زیرِ بار
زعم باطل یہ کہ ہیں مرکب سوار

ٹھہر اس دن تک کہ محمولانِ حق
طے سواری پر کریں گے نو طبق

چڑھ کے جائیں گے وہاں روح و ملک
روح کے چڑھنے سے جھومیں گے فلک

جیسے بچے تم سبھی، دامن سوار
گوشہ دامن کو تھامے اسپ وار

ہے گماں بے فائدہ حق نے کہا   چرخ پر گھوڑا گماں کا کب چلا
دو گماں میں تول ایک ہی کا بڑا   دیکھ کر سورج جھگڑنا ہے خطا
سر پہ جب خورشید محشر آئے گا   حشر نیک و بد پہ جس دم ڈھائے گا
تب نظر آئے گا تھے کس پرسوار   اپنے اپنے پاؤں ہوں گے را ہوار
وہم و حس و فکر ان سب کا شمار   جیسے نے اور ہم سبھی اس کے سوار
علم ہوگا اہلِ دل کا راہوار   اہل تن کا علم ہوگا ان پہ بار
علم اتر جائے جو دل میں ، یار علم   جسم تک گر ہو موثر، بار علم
بولا حق خود آپ بوجھ اپنا اُٹھا   حق سے بارِ علم کو کیا واسطہ
علم جو بھی حق سے ہو بے واسطہ   پائیداری اس میں کیوں آئے بھلا
گر خوشی سے اس کو اپنائے گا تو   بوجھ اتر جائیں ، خوشی پائے گا تو
حرص کی خاطر نہ لینا بارِ علم   تا کہ دیکھے خود میں ایک انبار علم
تُو نہ لے بہر ہوس یہ بارِ علم   تا کہ ہو تو راکبِ رہوارِ علم
علم کے گھوڑے پہ جب ہوگا سوار   کندھوں سے اس دم اتر جائے گا بار
خواہشوں سے کیوں بچے بے جام ھُو   ھُو سے قانع ہوگیا با نام ھُو
ہو صفت سے نام سے پیدا خیال   اور خیال اُس کا ہے دلاّل وصال
ہے کہیں دلال بے مد لول بھی؟   راہ بن ہوتا نہیں جو غول بھی
نام والے کے بنا کب نام ہے؟   گُل بنا کیا صرف گاف و لام ہے؟
نام سیکھا نام والے کو بھی پا   چاند اوپر ہے تو پانی میں نہ جا
نام سے آگے گذرنا ہے اگر   خود کو تو اپنی خودی سے پاک کر
آہنی خو چھوڑ دے بے رنگ بن   کر ریاضت آئینہ بے زنگ بن
پاک کر خود کو تو سب اوصاف سے   تا نظر آئے ترا جلوہ تجھے
پائے گا دل میں علوم انبیاؐ   بے کتاب ، استاد اعادہ کے بنا؟
بولے پیغمبرؐ وہ میرا اُمتّی   جس میں ہے جو ہر مرا ہمت مری

اس کی جاں دیکھے مجھے اُس نُور سے — دیکھتا ہوں میں اُسے جس نور سے
بے صحیحین و حدیث و راویاں — آب حیواں کے پیالوں میں عیاں
شام جو تھا کردٔ عرب تھا صبح کو — یہ کرشمہ کیا ہے کر غور اس پہ تو
سِر اَمُسَینَا و اَصُبَحُنَا تجھے — راہِ حق کی سمت تا کہ لے چلے
چاہیے گر کوئی مثال اس کے لیے — رومیوں اور چینوں کا قصّہ لے

نقاشی اور مصوری کے علم میں رومیوں اور چینیوں کے مقابلے کا قصہ

چینی بولے ہم ہیں بہتر نقش گر — بولے رومی ہم ہیں سابق چین پر
شاہ بولا امتحان کرنا پڑا — تا کہ دیکھیں کس کا دعویٰ ہے بجا
اہل روم و چین جب حاضر ہوئے — رومی افضل علم میں پائے گئے
چینی سب بولے کہ ہم محنت دکھائیں — اور رومی بولے ہم حکمت دکھائیں
چینی بولے ہم کو اک کمرہ ملے — اور رکھ لو دوسرا اپنے لیے
کمرے دو گھر میں مقابل در بہ در — ایک کو چینی لیے رومی دگر
چینیوں نے رنگ مانگے شاہ سے — اور خزانے کھول رکھے شاہ نے
ہر سحر رنگوں کی قیمت سے سوا — ان کو روزانہ مقرر ہوگیا
رومی بولے نقش کی حاجت نہ رنگ — ہم کو بس ہے دور ہو جائے جو زنگ
بند کرکے در کو صیقل میں لگے — صاف و سادہ آسماں جو ہوگئے
ہے دو صد رنگی میں بے رنگی کو راہ — رنگ بادل ہے تو بے رنگی ہے ماہ
دیکھتے ہو بادلوں میں تاب و تب — وہ ہے مہر و ماہ انجم کے سبب
ہوگئے چینی جو فارغ کام سے — تو لگے نوبت خوشی سے باجنے
شاہ نے آکر جو دیکھے وہ نقوش — بس ہوا ہو کر رہے سب عقل و ہوش
پھر کیا رُخ اُس نے سوئے رومیاں — اور اٹھائے جب حجابِ درمیاں
عکس اس کاریگری کا نقش کا — سامنے دیوار پر دکھنے لگا

اصل سے بھی عکس نکلا خوب تر   ہوگئی منظر کی گرویدہ نظر
رومیاں بھی مثلِ صوفی ہیں پدر   بے کتاب و مشقِ درس و بے ہنر
سینہ ان کا صاف جوں آئینہ ہے   پاک حرص و بُخل سے بے کینہ ہے
ان کا قلبِ صاف ہے آئینہ سا   عکس لے سکتا ہے وہ ہر چیز کا
صورت اک بے عیب و حد و شکل تھی   جیب سے موسیٰؑ کے جو ظاہر ہوئی
آسماں میں جو سما سکتی نہ تھی   تنگ جس پر عرش و فرش و بحر بھی
یہ سبھی ہیں قابلِ حدِ و شمار   دل کا آئینہ ہے بحرِ بے کنار
عقل گمرہ کن یہاں یا منفعل   دِل ہے اُس کے ساتھ یا وہ خود ہے دل
عکس غیر دل کوئی باقی نہیں   بے عدد یا با عدد ہو بھی کہیں
نقشِ نو جو ہوں گے تا روزِ جزا   سب نظر آتے ہیں اس میں بر ملا
اہلِ صیقل کو نہ بو بھائے نہ رنگ   خوبیاں سب دیکھتے ہیں بے درنگ
شکل و صورت کا انھیں سودا نہیں   ان سے اونچا رایت عین الیقیں
روشنائی ، ذوق اور فکر رسا   ان کی تیراکی کو اک دریا ملا
موت جس سے ہے ہراساں ہر کوئی   یہ گروہ اس کی اڑاتا ہے ہنسی
کوئی ان پر فتح پا سکتا نہیں   سیپ کا نقصان ہے گوہر کا نہیں
نحو و فقہ ترک کرتے ہیں مگر   ہے مدار ان کا فنا پر فقر پر
جب سے ہیں آٹھوں بہشتیں جلوہ بار   ان کی لوح دل پہ ہیں سب آشکار
عرش و کرسی اور خلا سے بھی بڑا   ہے مقام ان ساکنان صدق کا
سو نشاں ان کے مگر مطلق فنا   کیا نشاں ہیں عینِ دیدار خدا

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمانا آج تم کیسے ہو اور تم نے کس حالت میں صبح کی اور کس حال میں اٹھے ہو۔ ان کا جواب دینا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے مومن کی حالت میں صبح کی

پوچھا! پیغمبرؐ نے اک دن زیدؓ سے — صبح تم نے کس طرح کی بولیے
بولے جیسے بندۂ مومن ہوئی — پوچھے ایماں کی علامت ہے کوئی؟
بولے کئی دن پیاس کا مارا رہا — راتوں سوز و عشق میں جلتا رہا
رات دن کرتا رہا میں یوں بسر — جوں سپر سے نیزہ جاتا ہے گذر
ملتیں جوں ایک ہوجاتی ہیں بس — جیسے اک ساعت وہاں صدہا برس
اس جگہ ہیں اول آخر ایک ہی — اس میں ناممکن رسائی فہم کی
بولے تحفہ لا وہاں کا کیا ملا — اہل عالم کے لیے جو ہے سزا
بولے جوں یہ لوگ دیکھیں آسماں — دیکھتا ہوں عرش کو با عرشیاں
آٹھوں جنت ساتوں دوزخ ہو بہو — جیسے بت ہو برہمن کے روبرو
حال پالیتا ہوں میں ایک ایک کا — جَو کو کر لیتا ہوں گندم سے جُدا
جنتی یا غیر کوئی سب کا حال — میرے آگے مارو ماہی کی مثال
اس گروہ پر آج ہے وہ دن عیاں — اجلے کالے منھ جو ہوں گے کل وہاں
اِس سے پہلے گرچہ جاں پر عیب تھی — رحمِ مادر میں وہ جوں سب سے چھپی
جو شقی ہو بطنِ مادر میں شقی — حال ظاہر اس کا ہے باطن سے بھی
جسمِ مادر طفلِ جاں سے حاملہ — موت ، گویا دردِ زہ اور زلزلہ
جملہ روحیں دیکھنے کو ہیں ادھر — ہوگا پیدا کون وہ خود بیں پسر
کالے یہ بولے کوئی کالا ہے وہ — گورے یہ کہنے لگے گورا ہے وہ
جان جب لیتی ہے دنیا میں جنم — کالے گورے سے نہیں آگاہ ہم
کالی پاکر لے گئے کالے اسے — گوری پاکر لے چلیں گورے اسے

دہر میں مشکل ہے لینے تک جنم — رحم میں پہچاننے والے ہیں کم
جو کوئی یَنظُرُ بنُورِ اللہ ہے — پوست کے اندر بھی اس کو راہ ہے
آبِ نطفہ ہے سفید و خوشنما — کالا گورا عکس اس کی جان کا
رنگ بخشا احسن التقویم کو — قعر اسفل میں اتارا نیم کو
کالے گورے چہرے جس دن ہوں گے وہ — ترک و ہند و کے بنیں گے دو گروہ
کاہ ہے یا کوہ ہوگا تب عیاں — ہوگا آگے ہر جماعت کا نشاں
اس سخن کی حد نہیں چل پھر وہاں — تا دکھائیں ہم قطارِ کارواں

حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دینا کہ لوگوں کے احوال مجھ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں

ہے ابھی روزِ قیامت کا سماں — دیکھتا ہوں مرد و زن سب کو عیاں
چپ رہوں یا بول دوں تم سے کہو — تھا اشارہ مصطفیٰ کا چپ رہو
یارسولؐ اللہ کہوں میں رازِ حشر — آج ہی برپا کروں میں روزِ نشر
دیجئے فرمان اُٹھاؤں میں نقاب — میرا جوہر چمکے جیسے آفتاب
مجھ سے سورج کو گہن لگ جائے تا — تا دکھاؤں نخل کیا ہے بید کیا
کیا دکھاؤں روزِ محشر کو میں وا؟ — کیا دکھاؤں کیا ہے کالا، لال کیا
وہ کٹے ہاتھوں کے اصحابِ شمال؟ — کیا کھرے کھوٹے کا دکھلاؤں میں حال
وا دکھاؤں سات سوراخِ نفاق — در ضیائے ماہِ بے خسف و مُحاق[1]
ٹاٹ بدبختوں کا کردوں چاک کیا؟ — کیا سُناؤں طبل و کوسِ انبیاء
جنتیں اور دوزخ ان کے درمیاں — لاؤں برزخ پیشِ چشمِ کافراں
حوضِ کوثر کو دکھاؤں جوش میں — چھینٹے دوں پانی کے لاؤں ہوش میں
گرد کوثر پھر رہے ہیں تشنہ جو — بول دوں ایک ایک ہیں سب کون وہ

1- محاق = چاند کا گھٹاؤ

گرد پیاسے پھر رہے رہیں جو دواں　　میں ابھی دکھلاؤں گا ان کو عیاں

چھل رہا ہے کندھا کندھے سے ابھی　　سُن رہا ہوں ان کی میں آواز بھی

جنّتی خوش خوش مرے آگے کھڑے　　مل رہے ہیں ایک دیگر سے گلے

دست بوسی کر رہے ہیں وہ بہم　　لوٹتے ہیں بوسے لب کے دم بہ دم

کان بہرے ہوگئے سُن سُن کے آہ　　نعرہ بدبختوں کا ہے وا حسرتا

ہیں اشارے صاف کہہ سکتا ہوں حال　　ہے رسول اللہؐ کا خوفِ ملال

یوں ہی مدہوشی میں سب کہتے چلے　　مصطفےٰؐ پیچ ان کے دامن کو دیے

بولے گھوڑا تیز ہے اب روک لے　　ہوگیا بے باک لایستحی سے

ہوگیا آئینہ تیرا بے غلاف　　آئینہ میزاں نہیں کہتے خلاف

آئینہ میزان بھی چپ ہوں گے کہیں　　ڈر سے شرم غیر کی دبتے نہیں

آئینہ میزان ہیں روشن محک　　گر کرے خدمت تو دو سو سال تک

میری خاطر تو حقیقت کو چھپا　　کم نہ دکھلا تو زیادہ ہی دکھا

وہ کہیں گے جا مذاق اچھا نہیں　　آئینہ ، میزاں فریبی ہیں کہیں

حق نے ہم کو اس لیے بالا کیا　　تا ملے ہم سے حقیقت کا پتا

یہ نہ ہو تو ہم بھلا کس کام کے　　ہم بھلوں کو منہ دکھانے سے رہے

لے تو آئینہ کو پہلو میں دبا　　اس نے جو سینہ کو سینا کر دیا

پوچھا اس کو کیا سمائے گی بغل　　آفتابِ حق وہ خورشید ازل

پھاڑ دے گا وہ بغل ہو یا دغل　　اور جنون و عقل جائیں گے پھسل

بولے انگلی آنکھ پر رکھ کر بتا　　کیا جہاں سورج سے خالی ہوگیا

اک سر انگشت ڈھانپے ماہ کو　　یوں ہی پردہ پوش جان اللہ کو

ایک نقطہ بس جہاں کو ڈھانپنے　　اور گہن سورج کو تھوڑے ابر سے

ڈال گہرائی پہ دریا کی نظر　　کار حق ہے بحر محکوم بشر

جس طرح وہ زنجبیل و سلسبیل　　حکمراں اُن پر بہشتیِ جلیل

اپنے بس میں چار نہریں جنّتی
یہ عنایت ہے ہمیں اللہ کی

ان کو جوں چاہیں بہالے جائیں گے
جیسے ساحر ساحری دکھلائیں گے

جس طرح آنکھوں کے دو چشمے رواں
دونوں ہیں فرماں پذیر قلب و جاں

وہ جو چاہیں ، جائیں سوئے زہر مار
یا رہ عبرت کریں گے اختیار

چاہیں محسوسات کی جانب چلیں
چاہیں ملبوسات کی جانب چلیں

سوئے کلیات چاہیں لے چلیں
بند جزویات میں چاہیں کریں

پانچ حس اپنے ہیں جیسے ٹونٹیاں
دل کی خواہش کے مطابق ہیں رواں

جس طرف دل کا اشارہ ہوگیا
چل دیے پانچوں بصد ناز و ادا

تابع فرمانِ دل ہیں دست و پا
جس طرح موسیٰؑ کے ہاتھوں میں عصا

دل جو چاہے پاؤں ہوں گے رقص گر
سود جالیں گے زیاں کو چھوڑ کر

ہاتھ کا لینے چلے گر وہ حساب
انگلیوں سے ہاتھ لکھ دے گا کتاب

ہاتھ پر ہے قبضۂ دستِ نہاں
خود نہاں ہے تن کو رکھا ہے عیاں

وہ جو چاہے ہو عدو کے حق میں مار
گر وہ چاہے ہو ولی کے حق میں یار

وہ جو چاہے کھانے میں چمچہ بنے
گر وہ چاہے گرز دس من کا بنے

دل اُسے جو حکم دیتا ہے عجب
ہے عجب رشتہ عجب مخفی سبب

مل گئی مہر سلیمانی اُسے
پانچوں حس قبضہ میں جس کے آ گئے

اس کے تابع پانچ حسِ ظاہری
زیرِ فرماں پانچ حسِ باطنی

دس حواس اور سات اعضا ہیں دگر
میں نہ بتلاؤں شمار ان کا تُو کر

جوں سلیمانؑ تجھ کو زیبا سروری
رکھ تو اپنے حکم میں دیو اور پری

گر حکومت مکر سے ہوگی بری
کیوں چرائے گا سدیو انگشتری

نام دنیا میں ترا رہ جائے گا
تُو حکومت دو جہاں کی پائے گا

دیو کے ہاتھ آئے گر انگشتری
بخت مردہ ہوں گے گم ہوگی شہی

حصہ بندوں کا ہے پھر وا حسرتا
مہر لگ جائے گی تا روزِ جزا

اپنے شیطاں کا تو منکر ہے اگر
تجھ کو آئے گا وہاں سب کچھ نظر

مکر سے اپنے اگر انکار ہے
آئینہ میزاں سے کب چھٹکارہے

اس بیاں کی حد نہیں ہے کیا کروں
بعد اس کے قصّۂ لقمان لوں

غلاموں اور ساتھیوں کا حضرت لقمان علیہ السلام کو متہم کرنا کہ ہم عمدہ اور اچھے میوے لائے اور وہ اس نے کھا لیے......

حضرت لقمانؑ تھے آقا کے یہاں
اک غلام و کمترینِ بندگاں

باغ کو آقا نے بھیجے کچھ غلام
تا کہ لائیں چن کے وہ میوے تمام

اور لقمانؑ تھے طفیل ایسے غلام
مغز پُر حکمت تو چہرہ مشک فام

جمع کر کے پھل کو لالچ سے غلام
مالِ غارت جیسے کھا بیٹھے تمام

بولے خواجہ کھا لیے لقمانؑ نے
اور ہوا ناراض وہ لقمانؑ سے

پوچھا جب لقمانؑ سے کھانے کا سبب
غصے میں لقمان نے بھی کھولے لب

بولے اے آقا خُدا کے سامنے
کب خیانت گر پسندیدہ رہے

تو ز راہ آزمائش اے کیا
حق نمائی کو تو لا مسہل پلا

امتحاں کر ہم سبھوں کا اے کریم
پیٹ بھر ہم کو پلا آبِ حمیم

بعد صحرا کی طرف لے چل ہمیں
تو سواری پر تو ہم پیادہ چلیں

کون ہے پھر ہم میں بد کردار دیکھ
تو کمال کاشفِ اسرار دیکھ

خواجہ آبِ گرم کا ساقی بنا
خوف سے پانی غلاموں نے پیا

لے چلا جنگل میں ان کو بعدازاں
وادیوں ٹیلوں میں تھے وہ اب دواں

اس مشقت سے وہ قے کرنے لگے
اور پھل پانی میں نکلے پیٹ سے

ناف سے لقمانؑ نے اُلٹی جو کی
صاف پانی پیٹ سے نکلا سبھی

یہ رہا لقمانؑ کی دانائی کا حال
ہوگا کیسا حکمتِ حق کا کمال

آزمائش کی گھڑی جب آئے گی
ہوں گے مکروہات تب ظاہر سبھی

گرم پانی پیتے ہی پرزے ہوئے   پردے بدکاری پہ جتنے تھے پڑے
اس لیے ہے آگ عذابِ کافراں   سنگ کا ہے آگ ہی سے امتحاں
پند اس پتھر سے دل کو ہم نے دی   پر نہ مانی پند وہ اس نے کبھی
بد دوا پکڑے گی زخم بد کی رگ   خر کے سر کو چاہیے دندانِ سگ
لِلْخَبِيثَاتِ اَلْخَبِيثُوْن ہے بجا   جوڑ بد کی بد سے ہوتی ہے سزا
اپنا جوڑا تو جسے چاہے بنا   اس کی خو لے اس میں خود ہو جا فنا
تجھ کو جو بھاتا ہے رستہ اس پہ جا   یار سا بن یار میں ہو جا فنا
نور چاہے مستعد نور ہو   دور ہونا چاہتا ہے دور ہو
قید سے آنے کو گر ہے مضطرب   چل حضورِ یار وَ اُسْجُدْ وَاقْتَرِب
سرکشوں کو دیکھ ہیں غرق عذاب   سر جھکا واللہ اَعلم بِالصّواب
اس بیاں کی حد نہیں ہے اُٹھ تو زیدؓ   کر براقِ ناطقہ کو اب تو قید

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بقیہ حصہ

بات جو کرتی ہے ظاہر عیب کو   پھاڑتی ہے پردہ ہائے غیب کو
گرچہ ہے یہ غیب مطلوبِ الٰہ   فاش گو کو پھیر دے کر بند راہ
روک مرکب ، مت بھگا بہتر خفا   اپنی دُھن میں ہر کوئی خوش خوش بھلا
وہ کہ ہے جن کی عبادت امتیاز   وہ جو ہیں مشغولِ طاعات و نماز
ہوں امیدوں میں وہ اپنی باریاب   کیونکہ کچھ دن وہ رہے ہیں ہمرکاب
چاہے رحمت سب پہ اپنا فیض عام   نیک و بد سب اس سے ہو ویں شاد کام
ہو کوئی قیدی کہ ہو آزاد پر   سب کریں بیم و رجا میں الحذر
اور امید و بیم پر پردہ رہے   در پسِ پردہ وہ پرورده رہے
پھاڑ دے گر پردۂ بیم و رجا   غیب ہو جائے گا ظاہر برملا

حکایت

اک جواں کی سوچ یہ ساحل پہ تھی
ہے سلیماںؑ اپنا ماہی گیر ہی
ہے سلیماں ہی تو چھپ کر کیوں ہے یوں
گر نہیں چہرہ سلیماں سا ہے کیوں
ہو رہا تھا وہ اِسی دُھن میں دو دل
بن گئے آخر وہ شاہِ مستقل
تخت چھوڑا ملک سے بھاگے چلا
خون تیغِ بخت نے اس کا کیا
ڈال لی انگشت میں انگشتری
آ گیا پھر لشکر دیو و پری
آ گئے بہر تماشا لوگ سب
وہ جواں بھی ان میں تھا موجود تب
دیکھے وہ انگلی میں جب انگشتری
ہوگئے وہم و گماں زائل سبھی
وہم ہے تا آنکہ وہ پوشیدہ ہے
اٹکل اس پوشیدہ سے وابستہ ہے
تھا جو غائب تو خیال اس کا ہی تھا
جب ہوا ظاہر خیال اس کا گیا
مینھ نہ برسائے جو نوری آسماں
خاک میں پاؤ گے زر خیزی کہاں
غیب پر ایمان والا چاہیے
بند روزن دہر کا ہے اس لیے
گرچہ ہے اظہار کرنا خود کمال
اس سے ہوجاتے ہیں رد وہم و خیال
سو میں ایک ہی کو نصیب ایماں بہ غیب
جان کر یہ چھوڑ دے سب مکر و ریب
گر کروں شق چرخ از بہرِ ظہور
پھر کہوں کیوں هَلْ تَرىٰ فِيهَا فُطُوْر
قبلہ تا ظلمت میں اپنا ڈھونڈ لیں
اس کی جانب اپنا اپنا رُخ کریں
کام الٹے چل رہے تھے سو چلائے
چور ہی کوتوال کو سولی چڑھائے
تاکہ اک مدت شہ عالی مقام
ہو رہے خود اپنے بندوں کا غلام
طاعتِ حق غائبانہ خوب تر
پس تحفظ غیب کا محبوب تر
جو سراہے شاہ کو منھ پر کہاں
وہ جو شرماتا ہو چھپ چھپ کر کہاں
ملک کی سرحد کا وہ ایک قلعہ دار
ملک و شہ سے دور جس کے کاروبار
مال کے بدلے نہ قلعہ بیچ دے
اور تحفظ اس کا اعدا سے کرے

شہ سے دوری میں حدودِ ملک کی
حق ادائی سے حفاظت جس نے کی

اس کا رتبہ پیشِ شہ ان سے بڑا
جو حضوری میں رہے اس پر فدا

شہ کی غیبت میں اطاعت ذرہ بھر
لاکھ خدمت پیش شہ سے خوب تر

طاعت و ایماں ابھی محمود ہیں
بعدِ مردن سامنے مردود ہیں

غیب غائب خوب روپوشی بھلی
بند کر لب اپنے خاموشی بھلی

بھائی تو اب ختم کر اپنا سخن
تاکہ ہو حق سے عطا علمِ لدن

چہرہ ہے سورج کا سورج کو گواہ
کون ہے حق کے سوا شاہد بڑا

مَیں نہیں کہتا یہ ازروئے بیاں
حق ہے ہمراہ ہیں ملک اور عالماں

ہے گوا حق اور ملک علما تمام
رب نہیں ہے وہ نہیں جس کو دوام

جب گواہی دے خدا کیا ہیں ملک
شاہدی میں تار ہیں وہ مشترک

ہیں گراں وہ تاب و قربِ آفتاب
دیدہ و دل میں نہیں ہے ان کی تاب

شپرہ جوں تابشِ خورشید سے
ہاتھ دھو بیٹھے ہر اک امید سے

پس ملائک بھی ہیں چاندوں کی مثال
شاہدِ خورشید ہے ان کا جمال

ہم نے لی سورج سے اپنی روشنی
بن کے نائب ناکسوں میں بانٹ دی

ماہِ کامل، یا سہ روزہ، یا ہلال
ہر کسی کا رتبہ بر حد کمال

اس ملک کے تین بازو اس کے چار
بازوؤں پر نور کا ہے انحصار

ہے پروں پر عقل کے جیسے یہاں
فرق افراد بشر کے درمیاں

اک ملک ہے ہر بشر کے ساتھ ہی
نیک میں بد میں ہمیشہ ہمرہی

کم نظر رکھتا نہیں سورج کی تاب
ہے ستاروں کے سہارے راہ یاب

آنحضور صلعم کا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمانا کہ اس راز کو اس سے زیادہ کھل کر نہ کہہ اور فرماں برداری کا لحاظ رکھ

بولے پیغمبرؐ صحابہؓ ہیں نجوم
رہروں کو شمع ، شیطاں کو رجوم

ہر کوئی پاتا اگر وہ چشم و زور
لیتا وہ بالراست خود سورج سے نور

کب ستاروں کی تھی حاجت اے ذلیل نور حق کے واسطے تا ہوں دلیل
ماہ و اختر کی نہ تھی حاجت کوئی تا گواہی دے سکیں خورشید کی
چاند ابرو خاک سے بولے یہی مہبط وحی ہوں میں گو ہوں آدمی
میں بھی تم سا اصل میں بے نور تھا وحی کے سورج نے روشن کر دیا
نسبتِ خورشید سے بے نور ہوں ظلمتِ بشری کے آگے نور ہوں
دھیما ہوں تالا سکے تو میری تاب کہ نہیں ہے تو حریفِ آفتاب
شہد جوں سرکہ میں میں گھل مل گیا راہ آزار جگر تک پالیا
جب مرض سے تجھ کو چھٹکارا ملے ترک کر سرکہ تو خالص شہد لے
جب ہوا سے تختِ دل خالی ہوا اس پہ اَلرّحمٰنُ عَلیٰ الْعَرش استویٰ
حکم دلِ پر بعد ازاں بے واسطہ حق کرے گا جب کہ رشتہ ہوگیا
قصہ طولانی ہے لاؤ زیدؓ کو تا کہوں رسوا نہ کچھ چپ رہو
راز عیاں کرنا یہ دانائی نہیں جبکہ ہے اظہار کو محشرِ قریں

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکایت کی طرف واپسی

زیدؓ ملنے کے نہیں رخصت ہوئے کود کر ہر صف سے آگے چل دیے
تو کہاں، خود کو نہ پائے زیدؓ بھی جیسے تارے پر نظر خورشید کی
نقش پائے گا نہ تو اس کا نشاں کہکشاں کی راہ میں تنکا کہاں
پھر حواس اپنے یہ گویائی کہاں دانش حق میں فنا ہوں گے وہاں
ہوں گی عقلیں اور حواس اس طرح جوں موج در موجِ لَدَیْنَا مُحْضَرُوْن
رات آئی وقتِ کاروبار ہے تارا جو غائب تھا محوکار ہے
جملہ مخلوقِ جہاں بے ہوش ادھر اونگھتی ہے اپنے منہ کو ڈھانپ کر
صبح دم سورج نے لہرایا نشاں جاگ اُٹھا سویا ہوا ہر اک جواں
دے دیے اللہ نے بے ہوشوں کو ہوش ہوگیا ہر حلقہ پھر حلقہ بگوش

ناچتے گانے لگے اس کی ثنا — تھا لبوں پر رَبَّنَآ اَحْیَیْتَنَا
ان کی کھا لیں ، پرزہ پرزہ ہڈیاں — دھول اڑاتے شہ سواروں سے دواں
حملہ آور سوئے ہستی نیست سے — شاکر و سرکش قیامت میں چلے
خوب عادت ہے تجھے انکار کی — کیا نہ موڑا کل عدم میں منہ یونہی
کار حق سے کیا نہیں واقف بتا! — بال پیشانی کے کھینچے لے چلا
کر دیا اس طرح سے وہ تیرا حال — تھا گماں اس کا ہی تجھ کو نا خیال
خود عدم بھی اس کا مخلص بندہ ہے — کام کر اے جن! سلیماں زندہ ہے
جن بناتے ہیں لگن تالاب سے — ان کے آگے اُف بھی کرنے سے رہے
دیکھ ہیبت سے ہے حالت کیا تری — خود عدم بھی لرزہ برتن ہے یونہی
پنجہ زن ہے تو مناصب پر اگر — اس کا باعث بھی ہے اپنی جاں کا ڈر
جو کرے تو عشقِ حق کے ماسوا — جاں کنی ہو گر شکر بھی کھائے گا
جاں کنی ہے موت کی جانب سفر — آب حیواں سے نہ کرنا ہاتھ تر
خلق کی آنکھیں ہیں خاکِ مرگ پر — ان کے ہاں مشکوک ہے آب خضرؑ
سو گمانوں کو تو نوّے کر سہی — چل ابھی ورنہ یہ شب کٹ جائے گی
شب کی تاریکی میں ڈھونڈ اس روز کو — پیش کر تو عقلِ ظلمت سوز کو
نیکیاں ہیں کالی راتوں میں کئی — اور اندھیرے میں ہے آبِ خضرؑ بھی
نیند مردے کی کرے کھائے حرام — خواجہ سوئے، لوٹ سے چوروں کو کام
کون ہیں دشمن ترے جانے نہ تو — خاکیوں کے واسطے ناری عدو
آگ دشمن پانی، پیداوار کی — جیسے دشمن اس کی جاں کا پانی بھی
اور بجھا دیتا ہے پانی آگ کو — کیوں کہ ہے آگ اس کے بچوں کو عدو
اس سے بڑھ کر نارِ شہوت ہے دگر — لغزشیں اور جرم ہیں اس کے ثمر
نار ظاہر کو بجھا دیتا ہے آب — نارِ شہوت لائے دوزخ کا عذاب
پر دبا سکتا نہیں شہوت کو آب — دوزخی فطرت ہے شہوت کا عذاب

ہے علاجِ نارِ شہوت نورِ دیں
نور اپنا ردِّ نارِ کافریں
گُل کرے اس آگ کو نورِ خُدا
نورِ ابراہیمؑ کو رہبر بنا
نفس جوں نمرود تیرا نار سے
لکڑی جیسے تیرے تن سے بچ رہے
آگ میں جلنے سے کم ہوتی نہیں
اس کو تم روکو تو رک جائے وہیں
دو گے ایندھن آگ کو کب تک یونہی
دے گا جو ایندھن بجھائے گا کبھی؟
آگ خود بجھ جائے گی ایندھن ہٹا
تقویٰ پانی آگ تک لے جائے گا
آگ سے کس طرح بگڑے روئے خوب
چڑھ گیا جب غازۂ تقویٰ القلوب
آگ سے ہوگا نہ نیکوں کو زیاں
کیوں کرے خاشاک دریا کو نہاں
جس نے تریاکِ خدا کو کھا لیا
زہر کھائے بھی نہ کہنا مر گیا
شہد سے روکے طبیعت تیری گر
یاد رکھ تو شہد سے پرہیز کر
گر جواباً تو اسے کہنے لگے
کھا رہا ہے بے خطر تو کس لیے
دل میں بولے گا حکیم مہرباں
بے وقوفوں سا کیا تو نے گماں
پانی چشمے کا بہاؤ سے بڑھا
کوزہ پینے کے سبب خالی ہوا
کھانے سے بیمار بدتر ہوگیا
جو تھا صحت مند بہتر ہوگیا
کھانا علّت کو بڑھائے مثلِ نار
آگ کو ایندھن کا ہرگز کر نہ یار
آگ یہ دونوں کریں گے گھر تبہ
ان کے باعث زندہ تن مر جائے گا
آگ ہے مجھ میں وہ ہے مانندِ نور
آگ صحت کی بڑھاتی ہے سرور
آگ صحت کی بڑھے گی جب مزید
بے زیاں تن کو ہے صد گو نہ مفید

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شہر میں آگ لگنا

عہد میں حضرت عمرؓ کے آگ سے
لکڑیوں کی طرح پتھر جل گئے
اِس سے تعمیرات بھی گھر بھی جلے
گھونسلے بھی مرغ کے پر بھی جلے
شہر آدھا جل کے خاکستر ہوا
پانی حیرت میں تھا ڈر کر رہ گیا

پانی، سر کہ چھاگلوں میں ڈال کر — عقل والے پھینکتے تھے آگ پر
ضد سے شعلوں کو وہ بھڑکاتی چلی — اس کو قدرت سے مدد ملتی رہی
آگ ضد سے جوش دکھلاتی رہی — اور مدد حد سے سوا پاتی رہی
آئی خلقت دوڑ کر پیشِ عمرؓ — آگ پر پانی نہیں کرتا اثر
بولے وہ آتش ہے اک قہرِ خُدا — شعلہ ہے وہ خود تمھارے بخل کا
روٹیاں بانٹو، یہ پانی چھوڑ کر — ختم کر دو بخل میرے ہو اگر
لوگ بولے در کھلے رکھے ہیں ہم — اہلِ جود و اہلِ ہمت سے ہیں ہم
بولے رسماً کرتے ہو تقسیم ناں — بہر حق تم ہاتھ کھولے ہو کہاں
وہ ہے وجہ فخر و شان و وجہ ناز — تھے محرّک اس کے کب تقویٰ نیاز
بیج ہے دھن بو نہ دے ہر جا اسے — تیغ کو رہزن کے ہاتھوں میں نہ دے
کر تمیزِ اہل دیں و اہلِ کیں — ہمنشینِ حق کا ہو جا ہم نشیں
کرتے ہیں ایثارِ ملّت پر تمام — تم سمجھتے ہو ،کیا تم ہی نے کام

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منھ پر ایک شخص کے تھوک دینے کا قصہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ سے تلوار پھینک دینا

سیکھ جا حیدرؓ سے اخلاص عمل — کر یقیں شیرِ خدا ہیں بے دغل
اک پہلواں کو پچھاڑے وقتِ جنگ — اس پہ لپکے تیغ لے کر بے درنگ
تھوک ڈالا برُخِ پاکِ علیؓ — افتخار ہر نبیؑ و ہر ولیؒ
تھوکا اُس پر چاند جس کو دیکھ کر — رکھ دیا کرتا تھا خود سجدے میں سر
وہ تھے فخر اولیا و اصفیا — غصہ اپنا ٹھنڈا خود میں کرلیا
ہاتھ سے تلوار علیؓ نے پھینک دی — اور لڑائی میں دکھائی کاہلی
غرق حیرت ہوگیا وہ جنگجو — دیکھ کر بے گاہ عفو و لطف کو
بولا مجھ پر تیغ اٹھائی تھی ابھی — کس لیے چھوڑا مجھے کیوں پھینک دی

کیا دکھا بہتر تمھیں پیکار سے
قتل میں میرے یہ سستی کے لیے

تم نے کیا دیکھا جو غصّہ د ب گیا
کوند کر بجلی جو لوٹی ، کیا ہوا

تم نے کیا دیکھا جو اس کے عکس سے
شعلہ سا پیدا ہوا دل میں مرے

کیا دکھا وہ برتر از کون و مکاں
جان سے پیارا کہ بخشی میری جاں

تم شجاعت میں بجا شیرِ خدا
کوئی کیا جانے مرّوت میں ہو کیا؟

مہر جیسے تیہ میں ابر موسوئؑ
جس سے بے حد رزق کی بارش ہوئی

بادلوں سے بالیقیں گیہوں اُگے
کرتے ہیں شیریں پکا کر جہد سے

ابرِ موسیٰؑ کی تھی کیا دریا دلی
جو غذائے پختہ بے زحمت ملی

بے مشقت کھانے والوں کے لیے
اس کی رحمت تھی علَم اونچا کیے

وہ عطا جاری رہی چالیس سال
روز روز امیدواروں پر بحال

پھر کمینہ پن سے جو لوگ اڑ گئے
سبزیاں ان سے طلب کرنے لگے

سب طلب کرتے تھے موسیٰؑ سے یہ آز
ککڑیاں اور سبزیاں لہسن پیاز

اس گدائی اور حرص د آز سے
آسماں کے من و سلویٰ رک گئے

اُمّت احمدؐ کا اونچا ہے مقام
ہے عطا تا حشر اُن کو یہ طعام

ہے اَبِیتُ عِندَ رَبی چونکہ فاش
یُطعِمُ و یُسقِی ہے ایما سُوئے آش

تُو بلا تاویل اس کو مان لے
جیسے شہد و شیر تو پائے اسے

کیونکہ ہے تاویل خود ردّ عطا
اس حقیقت کو سمجھنا ہے خطا

اور خطا کہنا ہے خام عقلی بڑی
مغز عقلِ کل ہے جزوی پوست ہی

خود بدل جا قولِ پیغمبرؐ نہ موڑ
مغز کو الزام دے گلشن کو چھوڑ

اے علیؑ تم پیکرِ عقل و نظر
تم نے کیا دیکھا بتاؤ ذرہ بھر

مار ڈالا مجھ کو تیغِ حلم نے
دی مجھے پاکی تمھارے علم نے

بولیے یہ ہے کوئی رازِ خدا
مارنا بے تیغ اسی کو ہے سزا

ہاتھ کا ممنوں نہ وہ اوزار کا
اس کی بخشش تحفہ ہائے بے بہا

جانیں لاکھوں دیتا ہے وہ ہوش کو / کب خبر ہوتی ہے چشم و گوش کو
لاکھوں مے جاں کو پلاتا ہے مگر / خود دہن کو بھی نہیں ہوتی خبر
بولو اے شاہینِ عرش خوش شکار / تم نے کیا دیکھا ہے فیضِ کردگار
فاش آنکھوں پر تمھاری غیب بھی / اور آنکھیں دوسروں کی ہیں سِلی
دیکھتا ہے چاند کو اک آشکار / دوسرے کو سب جہاں تاریک و تار
دیکھتا ہے تین چاند اک تیسرا / بیٹھے مستغرق ہیں تینوں ایک جا
سب کی آنکھیں وا ہیں سب کے کان تیز / تجھ سے ہے وابستگی مجھ سے گریز
سحر غیبی یہ عجب لطفِ خفی / تجھ پہ نقش گرگ مجھ پر یوسفی
عالم اٹھارہ ہزار اور بیش بھی / ہوں گے پر دیکھے نہ ان کو ہر کوئی
کھولیے بھید اے علیؓ مرتضٰی / کیوں بنی سُوْءُ الْقَضَا حسن القَضَاءُ
آپ نے سمجھا ہے کیا بتلائیے / یا کہوں اپنی اجازت دیجئے
تم چھپاؤ مجھ پہ ہے تم ہی سے فاش / بن کہے جوں چاند ہو تم نور پاش
سب ہے ظاہر اب چھپاؤ گے کہاں / چاند جوں دکھلا رہے ہو بے زباں
چاند کی ٹکیا اگر کہنے پہ آئے / راہرووں کو زودتر رستے پہ لائے
بچ رہیں گے غلطیوں سے بھول سے / اور نہ بھٹکیں گے وہ بانگ غول سے
گر مہ خاموش کہنے بھی لگے / تو اجالے پر اجالا ہو رہے
جبکہ تم بابِ مدینۂ علم ہو / اک شعاع آفتابِ حلم ہو
باز ہو جا باب جُویوں کے لیے / چھلکا تاکہ مغز سے واصل رہے
باز رہ اے بابِ رحمت تا ابد / بارگاہِ مَالَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ
اک دریچہ ہر ہوا ہر ذرّہ ہے / بند کیوں ہوگا جہاں دروازہ ہے
جب تلک کھولے نہ در کو دیدباں / جا نہیں سکتا کبھی اندر گماں
غرق حیرت ہوں گے وہ در جب کھلے / مرغ اُمید و غرض اڑنے لگے
گر کھنڈر میں گنج غافل کو ملے / ہر کھنڈر میں جستجو کرتا پھرے

گر نہ پائے تو گہر درویش سے　　　دوسرے سے کیوں گہر لینے چلے
جد و کد میں ظن ترا برسوں پھرے　　　ناک کے نتھنوں سے آگے کب بڑھے
غیب کی خوشبو نہ جب تک پائے گا　　　ناک سے بڑھ کر نظر کیا آئے گا

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کرنا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار کیوں پھینک دی اور مجھے قتل کیوں نہ کیا

بولا پھر وہ نو مسلمانِ ولی　　　حالتِ مستی میں در پیشِ علیؓ
بولیے کچھ یا امیر المومنین　　　تا کہ جھومے روح تن میں جوں جنیں
ہفت انجم رحم میں مدت بڑی　　　کرتے ہیں باری سے خدمت طفل کی
جان کے قابل ہوا جس دم جنین　　　آفتاب اُس وقت ہوتا ہے معین
وقت پیدائش کا جوں ہی آ گیا　　　جانب خورشید رُخ ہو جائے گا
جب جنیں جنبش میں آئے مہر سے　　　جلد سورج جان بخشے گا اسے
کیا بجز تن دیگر انجم سے ملا　　　جب تلک سورج نہ چمکا کچھ نہ تھا
رشتہ یوں سورج سے کیونکر ہوگیا　　　رحم میں مادر کے جب محبوس تھا
راہ پنہاں دور وہ ادراک سے　　　ہیں بہت سورج کے پنہاں راستے
راہ جس سے سونا پاتا ہے غذا　　　اور وہ پتھر جس سے ہیرا ہوگیا
راہ جس سے پہنچی سرخی لعل تک　　　برق اُسی رستے سے پہنچی لعل تک
راہ جس سے پختگی پائے ثمر　　　جو کرے احمق کو دل سے بہرہ ور
پھر بتا اے باز پر کھولے ہوئے　　　شہ کے بازو نے سدھایا ہے تجھے
بازِ عنقا گیر شہ کے آبتا　　　چھانے والے فوج پر تنہا بتا
تن بہ تنہا تم ، وہ جیسے صد ہزار　　　ہیں تمھارے باز کے آگے شکار
رحم وقت قہر یہ ہے بات کیا؟　　　اژدھے کو چھوڑنا کب تھا روا

امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب کہ اس وقت تلوار ہاتھ سے پھینک دینے کا سبب کیا تھا

تیغ بہرِ حق چلانا میرا کام
ہوں غلامِ حق نہیں تن کا غلام

شیرِ حق ہوں میں نہیں شیرِ ہوا
میرے دیں پر ہے عمل شاہد مرا

رن میں جب پھینکا نہ پھینکا ہے جواب
تیغ ہوں میں تیغ زن ہے آفتاب

راہ سے دور اپنا ساماں کر دیا
نیست مجھ کو جو بھی ہو غیرِ خدا

سایہ ہوں مجھ کو نہیں غیر آفتاب
اس کا حاجب ہوں نہیں اس کا حجاب

تیغ ہوں میں پُر گہرہائے وصال
بخشتا ہوں زندگی وقتِ قتال

تیغ کا جوہر چھپائے کیوں لہو
کیوں ہلائے باد میرے ابر کو

کہ ، نہیں ہوں کوہِ صبر و حلم و داد
کیوں ہلائے کوہ کو یہ تند باد

خس ہے گر زور ہوا سے ہل گیا
کیونکہ ہے بادِ مخالف جا بجا

غصّہ ، شہوت اور یہ بادِ ہوا
کیا بگاڑیں گے کسی دیندار کا

بادِ حرص و بادِ کینہ بادِ آز
ڈھائے ان کو جو نہیں اہلِ نیاز

باد کبر و بادِ نخوت احمقی
علم سے ناواقفوں کو لے اڑی

کوہ ہوں میں باعثِ بنیاد وہ
کرنا ہو تنکا تو بھیجے باد وہ

جھک نہ جاؤں اس کے جھونکوں کے سِوا
ہوں ہمیشہ تابعِ عشقِ خُدا

غصّہ ہے شاہوں کا شہ، اپنا غلام
میں نے اس پر کس دیے زین اور لگام

حلم نے مجھ پر کیا غصّہ حرام
غصّہ حق کا بن گیا رحمت تمام

نور ہوں گو ہے بدن میرا خراب
بن گیا میں باغ گوہوں بُوتُراب

علت اک پیدا لڑائی میں ہوئی
بولا تیغ اب میان کے اندر بھلی

تا اَحُبّ للّٰہ میرا نام ہو
اَبْغَضَ للّٰہ میرا کام ہو

اعطیٰ للّٰہ ہو سراسر میرا جود
اَمسکَ للّٰہ ہو میرا وجود

بخل للّٰہ ہو عطا للّٰہ میری
جملہ للّٰہ ہوں مرا آقا وہی

جو کروں للّٰہ وہ کب تقلید ہے
یہ نہیں وہم و گماں سب دید ہے

بستۂ فکر و تحری میں نہیں
دامنِ حق سے بندھی ہے آستیں

اڑ رہا ہوں تو فضا ہے آشکار
پھر رہا ہوں تو نظر میں ہے مدار

علم ہے بوجھ اپنا ہوگا تا کجا
چاند ہوں سورج ہے میرا رہنما

اس سے آگے بولنا اچھا نہیں
نہر میں دریا سماتا ہے کہیں

بات کرتا ہوں بہ معیار عقول
عیب کیسا ہے یہی کارِ رسولؐ

لے گواہی بے غرض آزاد کی
کم غلاموں کی گواہی جو سے بھی

ہے غلاموں کی گواہی نا روا
شرع میں نا معتبر وقت قضا

ہوں ہزاروں بھی گواہ تیرے غلام
شرع میں ان کا نہیں کوئی مقام

شہوتی کا پیشِ حق بدتر مقام
وہ ہے جیسے ایک دزدیدہ غلام

خواجہ کی ایک بات سے وہ حُر بنے
پس جیئے لذت میں ذلّت میں مرے

خود سے چھٹکارا نہ پائے شہوتی
خاص انعام خُدا ہے واجبی

چاہ بے پایاں میں جاکر گر پڑا
جبر کیسا یہ ہے خود اس کی خطا

وہ گرا گہرے کنوئیں میں آپ ہی
اس قدر لمبی نہیں رسّی مری

چونکہ ہے اس کی خطا میں کیا کروں
چاہ سے باہر اسے لاؤں تو کیوں

بس کروں یوں بات گر بڑھتی گئی
کیا جگر کا ذکرِ خوں ہو خار بھی

خوں نہیں ہونے کا وہ کیونکہ ہے سخت
غافل ومصروف کھوٹے اس کے بخت

بعد خون ہوگا مگر کیا فائدہ
جھیل سختی اب نہیں ہے ناروا

ہے گواہی بندگوں کی ناروا
عدل وہ بندہ نہ ہو شیطان کا

بولا اَرْسَلْنَاکَ شاہد اس لیے
آپ حُر بن حُر تھے اول روز سے

حُر ہوں غصّہ سے میں کیوں دب جاؤں گا
کچھ نہیں غیر از صفاتِ حق تو آ

فضلِ حق نے کر دیا آزاد آ
قہر میں ہے مہر کو سبقت سوا

تو ہوا خطرے سے باہر اندر آ
سنگ تھا اکسیر سے ہیرا بنا

خار زارِ کفر سے ہو کر رہا — اس کے گلشن کا گلِ خنداں بنا
تو ہے میں، مَیں تو ہے، دونوں ایک ہی — کیا علیؓ کو مار ڈالے گا علیؓ
معصیت کی وہ تھی طاعت سے سِوا — آسماں کو اک گھڑی میں جا لیا
کیا مبارک تھی خطا اس مرد کی — پھول پیدا ہوتے ہیں کانٹوں سے بھی
وہ عمرؓ کا قصد آزارِ رسولؐ — کیا نہ پہنچایا بدرگاہِ قبول
لایا فرعون از برائے ساحری — ساحروں کو کیا نہ خوش بختی ملی؟
گر نہ ہوتے ان میں سحر و سرکشی — کیا انھیں فرعون بلواتا کبھی؟
دیکھتے کب معجزے اور وہ عصا — سرکشو ، طاعت بنی ان کی خطا
نا امیدی کو کیا حق نے فنا — جبکہ طاعت بن گئی ان کی خطا
جب گناہوں کو بدل ڈالا خدا — دشمنی کو جھوٹ کو طاعت کہا
ہوگیا مرجوم شیطانِ رجیم — قد حسد سے ہوگیا اس کا دو نیم
اس کی کوشش معصیت میں تا پڑیں — وہ کنوئیں میں تاکہ لا ڈالے ہمیں
جب اسی کو عینِ طاعت پائے گا — نا مبارک وقت اُسے بتلائے گا
اندر آ تیرے لیے ہے در کھلا — تُو نے تھوکا میں نے نذرانہ دیا
جبکہ ہوں ظالم پر اتنا مہرباں — سر جھکا دوں گا محبت ہو جہاں
با وفا کو دوں گا کیا کیا میں یہاں — دوں خزانے اور جہان جاوداں
جاودانی بادشاہی دوں اُسے — وہم میں بھی جو نہ ہو اس کو ملے
میں ہوں ایسا، اپنا خونی ہی سہی — شہد ہی دوں گا اسے غصہ میں بھی

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادم سے آنحضور صلعم کا کان میں کہنا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تیرے ہاتھ سے ہوگی میں نے تجھے بتادیا ہے

میرے خادم سے پیمبرؐ نے کہا — ایک دن سر کاٹ لے گا وہ مرا
وحی سے آقاؐ نے دے دی آگہی — ہوگا میری موت کا باعث وہی

کہتا تھا پہلے اڑا دو سر مرا   تا نہ کر پاؤں میں یہ سنگینِ خطا
میں یہ کہتا تھا جو یوں مرنا رہا   حیلے کرسکتا ہوں کیا پیشِ قضا
گر کے قدموں پر وہ کہتا اے کریم   بہر حق کردے مرے تن کو دو نیم
تا کہ بد انجام ہونے سے بچوں   تا کہ آپ اپنے پہ جلنے سے رہوں
میں یہی کہتا رہا **جفّ القلم**   اس قلم سے جھک گئے کتنے علم
تجھ سے دل میں بغض کو رستہ نہیں   جانتا ہوں تو سبب اس کا نہیں
تو ہے بس اک آلۂ دستِ خدا   طعنہ پھر اوزار پر کب ہے روا
پوچھا بدلہ خوں کا خوں پھر کیوں ہوا   بولے حکمِ حق ہے کیوں جانے خُدا
کارِ خود پر معترض ہو گر خدا   وہ اُگائے گا چمن اس کی جگہ
کارِ خود پر اعتراض اس کو روا   کہ ہے قہر و مہر میں یکتا خدا
حکمراں شہرِ حوادث کا وہی   اس کی ہی ہر ملک میں تدبیر بھی
اپنا آلہ توڑ دیتا ہے وہ جب   جوڑ بھی دیتا ہے خوب اس کو وہ تب
کہہ کے **نُنسخ آیَةً اَوْ نُنسُها**   پیچھے اس کے نَاتِ خَیرًا کیوں کہا؟
جس شریعت کو خدا نے رد کیا   گھاس لے لی اس کے بدلے گل دیا
شب کرے جب ختم نورِ روز کو   تو سمجھ پتھر خرد افروز کو
ختم پھر کرتا ہے شب کو نورِ روز   تا جلائے سنگ وہ آتش فروز
خواب اور راحت اگرچہ ہے یہ رات   کیا اندھیرے میں نہیں آبِ حیات
کیا نہیں شب میں خرد کی تازگی   کیا نہیں شہرت کا مایہ خامشی
ضد سے ضدیں ہوتی ہیں پیدا ضرور   اور اندھیرے سے اُبل پڑتا ہے نور
جنگ پیغمبرؐ مدارِ صلح تھی   ہے نتیجہ صلح حاضر اس کا ہی
لاکھ سر کاٹا وہ یارِ دلستاں   تا رہے سالم سر اہلِ جہاں
شاخِ تازہ کاٹے مالی اس لیے   نخل تا ہو سر بلند اور میوہ دے
باغ کو کرتا ہے خالی گھاس سے   تازہ بن کر تا کہ میوہ تازہ دے

توڑتا ہے دکھتے دانتوں کو طبیب
تا خلاصی درد سے پائے حبیب

ہے خساروں میں ہی راز افزونی کا
اور شہیدوں کو حیات اندر فنا

کٹ گیا جب رزق خواروں کا گلا
یُرْزَقُوْنَ یُفْرَحُوْن راس آ گیا

عدل پر جب حلق حیواں کا کٹا
حلقِ انساں کی ہوئی نشو و نما

جب گلا انسان کا کٹ جائے گا
سوچ وہ کیسی فضیلت پائے گا

حلق ثالث سے نوازا جائے گا
شربت و انوارِ حق وہ پائے گا

وہ بریدہ حلق پیتا ہے مگر
ہے بلٰی میں غرق لا سے چھوٹ کر

بس یہ کوتہ دستی بس دوں ہمتی
نان کے بل پر یہ کب تک زندگی

بے ثمر تو اس لیے مانندِ بید
آبرو کھوئی پئے نانِ سفید

گر نہیں ہوگی تسلّی نان سے
سونا تانبے کو بنا اکسیر لے

اے فلاں کپڑے دھلانے ہیں اگر
دھوبیوں کے کوچے سے نفرت نہ کر

توڑا روٹی نے اگر روزہ ترا
تو لپٹ جا جوڑنے والے سے آ

ٹوٹے کو ہے کام اس کا جوڑنا
بالیقیں ہے جوڑنے کو توڑنا

توڑے کو جب لگے بولے گا آ
جوڑنے تجھ کو کہاں ہیں دست و پا

توڑنے کا اختیار اس کو رہا
جانے جو ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا

سِینا آتا ہے جسے پھاڑے گا وہی
جو بھی بیچے گا خریدے گا وہی

کر دیا جنت گرا کر اس نے گھر
لے گیا وہ اس کو ڈھا کر چرخ پر

گھر کیا ویران کیا زیر و زبر
پھر کیا آباد اسے افزود تر

کاٹ لے گا گر کسی کے تن سے سر
سر بنا لائے گا لاکھوں زود تر

گر نہ کرتا حکم میں شامل قصاص
خود نہ کہتا وہ **حیٰوۃٌ فی القصاص**

کس کی یہ ہمت جو بے حکم خدا
خوں بہائے تیغ سے مخلوق کا

جانتا ہے ہر کوئی بینا بجا
یہ کہ قاتل تابعِ تقدیر تھا

جس پہ صادر حکم خوں کا ہوگیا
خوں بہا دیتا ہے خود فرزند کا

ڈر ذرا طعنہ نہ دے بدکار کو پیشِ دام حکم آخر کیا ہے تو
سر جھکا دے حکم حق کے سامنے غیر کو ہنس ہنس کے تو طعنہ نہ دے

ابلیس کی گمراہی پر حضرت آدم علیہ السلام کا تعجب کرنا اور اس کا غرور کرنا

بوالبشر نے ایک دن ابلیس پر ڈالی ہے چشم حقارت کی نظر
خود پسندی اور خود بینی جو کی بس اُڑائی کارِ شیطاں کی ہنسی
غیرتِ حق نے صدا دی اے صفی! تجھ کو کیا معلوم اسرارِ خفی
گر کروں حالات کو میں واژگوں کوہ کو جڑ سے اکھیڑوں پھینک دوں
سینکڑوں انسانوں کو عریاں کروں اور مسلماں سینکڑوں شیطاں کروں
بو البشر بولے کہ میں نے توبہ کی ایسی گستاخی نہ ہوگی پھر کبھی
یا الٰہی! بخش دے جرأت مری در گزر کر بات میں نے توبہ کی
راست راہ فریاد رس دکھلا مجھے علم و دولت پر نہیں غرّہ مجھے
دی ہدایت پھر کبھی دل میں نہ ڈال یہ بدی اعمال نامے سے نکال
ٹال میری جان سے بد قسمتی ہو نہ اہل اللہ سے دوری کبھی
ہجر سے بد تر نہیں تلخی کوئی بن ترے الجھن ہی الجھن ہے سبھی
رہزن اپنا، اپنا ہی سامان ہے جسم ہی سے جان کو نقصان ہے
پاؤں کو جب ہاتھ کھاتے ہوں مرے گر نہ دے تو ہی اماں جاں کیوں بچے
جاں بڑے خطروں سے گر بچ بھی گئی خوف و بدبختی نہ چھوڑیں گے کبھی
واصلِ جاناں نہ ہو جاں جب تلک ہوگی تاریک اور آندھی حشر تک
گر نہ دے چھٹکارا خود ہوگا یہ حال زندہ جاں کو بھی تو کر مردہ خیال
اپنے بندوں کو اگر تو طعنہ دے کامراں ہوگا وہی زیبا تجھے
گر تو مہر و مہ کو پوشیدہ کہے اور سروِ راست کو کبڑا کہے
آسمان و چرخ کو بولے حقیر کانِ زر کو بحر کو بولے فقیر

تیرے پورے پن کو سب کچھ ہے روا — ملک و اقبال و غنا سب کچھ ترا
تو خطر سے نیستی سے ماوریٰ — تو ہے موجد اور فنا گرنیست کا
جو اُگاتا ہے جَلا سکتا بھی ہے — پھاڑتا ہے جو مِلا سکتا بھی ہے
ہر خزاں میں باغ دیتا ہے جَلا — پھر اُگا کر دیتا ہے گُل خوشنما
اے جلے تو از سر نو تازہ ہو — خوبرو بن اور بلند آوازہ ہو
آنکھ نرگس کو دوبارہ کی عطا — کاٹ دینے کو گلا دے دی نوا
ہم رہے مصنوع صانع ہم نہیں — کچھ بجز ادنیٰ و قانع ہم نہیں
نفسی نفسی کہنے والے ہم سبھی — گر نہ چاہیں تجھ کو ہم شیطان ہی
ہم کو شیطاں سے رہائی کیوں ہوئی — کیونکہ ہم کو تجھ سے بینائی ملی
زندگی دی رہنمائی بھی ہوئی — کور کی بے رہنما کیا زندگی
یہ خوش و ناخوش سبھی تیرے سوا — آگ ہے اس میں بشر جل جائے گا
استعانت آگ کی جس کو ملی — ہوگا وہ زر تشت یا وہ پارسی
ماسویٰ اللہ کے باطل سبھی — بارشِ افضال نعما اس سے ہی

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ کی طرف واپسی اور ان کا اپنے قاتل اور خادم سے چشم پوشی برتنا

چل علیؓ اور ان کے خونی کی طرف — اس پہ رغبت میں فزونی کی طرف
بولے خود میرا عدو ہے ساتھ ہی — اس پہ غصہ میں نہیں کرتا کبھی
مثلِ جاں پیاری ہے مجھ کو موت بھی — موت کے چنگل میں ہے اب زندگی
موت وہ بے موت کی ہم کو روا — بینوائی اپنی ساماں ہے بڑا
برگِ بے برگی ہوا ساماں ترا — جانِ باقی موت کا ہے خاتمہ
جس سے تو خوش دوسرے خائف سبھی — بحر میں بط، دور مرغِ خانگی
دیکھنے کو موت اندر زندگی — ابتری ظاہر نہاں پائندگی

رحمِ مادر سے کرے بچہ سفر
اس کو دنیا میں ہیں خوشیاں کس قدر

چونکہ ہے مجھ کو محبت موت سے
پس وہ لاَ تَلقوا مناہی ہے مجھے

موت بربادی کا باعث ہو جسے
امرِ لا تُلقوا نہیں اس کے لیے

موت جس کے واسطے ہے فتحِ باب
ہے اسی سے دوڑو دوڑو کا خطاب

دانۂ شیریں سے روکا جائے گا
امتناع تلخ کی حاجت ہے کیا

تلخ مغز و پوست جس کا ہے وہ شے
منع کرنے اس کی تلخی بس اسے

موت کا دانہ مجھے میٹھا لگا
زیست بَعْدَ الموت ہے مجھ کو عطا

کیوں ملامت قتل کر دو یا ثقات
قتل سے میرے لیے دائم حیات

موت ہی میرے لیے ہے زندگی
بے وطن کب تک رہوں گا میں یونہی

گر سکونت تھی یہیں پر دائمی
کیوں کہا ؟ ہے لوٹنے کی جا وہی

راجع وہ جو لوٹے اپنے شہر کو
وہ جدائی سہہ کے آ ملتا ہے جو

ختم قصہ کیا ہوا نوکر مرا
جھک گیا جب راز سیّد سے سنا

ہر دفعہ خادم کا امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں پڑنا کہ اے امیر المومنین مجھے مار ڈالیے اور اس قضائے خداوندی سے چھڑا دیجئے

آ کے میرے سامنے وہ گر پڑا
بار ہا قدموں پہ سر بھی رکھ دیا

بولا توبہ سر قلم کردو مرا
تا نہ دیکھوں یا علیؓ وہ دن بُرا

خوں بہا دے خوں مرا تجھکو روا
آنکھ سے دیکھوں نہ منظر حشر کا

بولے ہر اک ذرّہ گر قاتل بنے
قتل کرنے ہاتھ میں خنجر بھی لے

اک سرِ مو میرا کٹنے کا نہیں
ہے لکھا تقدیر کا یوں بالیقیں

خود ہوں بخشش کو نہ ہونا تو غمیں
جاں سے قربت ہے مجھے تن سے نہیں

میرے آگے تن کی قیمت کیا ہے گرد
میں ہوں بے تن کے بھی مرد اک ابنِ مرد

تیغ و خنجر ہیں گل و ریحاں مجھے
مرگِ تن ہے جشن کا ساماں مجھے

غلبہ اپنے تن پہ ہو ایسا جسے — حرصِ میری و خلافت کیا کرے
وہ حکومت کا ہے خواہاں اس لیے — حاکموں کی رہنمائی تا کرے
تا حکومت کی وہ زیبائش کرے — تا کہ سب کو عدل کا آئیں ملے
جانِ تازہ تا امیری کو ملے — تا خلافت کا شجر پھل لا سکے
ان کی آقائی تُو دیکھے کل وہاں — سوچ پوشیدہ تری ہوگی عیاں
بدگمانی ان پہ اے عاقل نہ کر — ہوش میں آ ہے سب اللہ کو خبر

اس بیان میں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ وغیرہ کی فتح طلب کرنا ملک دنیا کی محبت کی وجہ سے نہ تھا چونکہ خود فرمایا ہے دنیا مردار ہے اور اس کے طلبگار کتے ہیں، بلکہ خدا کے حکم سے تھا

فتحِ مکہ سے بھی مقصودِ رسولؐ — کب تھا اس دنیا کی دولت کا حصول
گو تھی آگے دولتِ ہفت آسماں — بند کرلی آنکھ روزِ امتحاں
دیکھنے سات آسماں کے حُور و جاں — جمع تھے اطرافِ ہر ہفت آسماں
فرشِ رہ خود ان کے آگے قدسیاں — چاہ میں سو(۱۰۰) یوسف ایسے خود وہاں
آئے سب سج دھج کے ان کے واسطے — وہ تھے خواہاں صرف اپنے دوست کے
ان پہ طاری اس قدر حق کا جلال — اہلِ حق کا بھی نہ تھا ان کو خیال
نبیٔ مرسل کو بھی گنجائش نہ تھی — کیا فرشتہ جب نہ تھے جبریل بھی
زاغ کب ہوسکتے ہم مازاغ سے — باغ سے کیوں؟ مست ہم صباغ سے
جملہ مخزن ہائے افلاک و عقول — تھے مثالِ خار و خس پیشِ رسولؐ
شے ہیں پھر کچھ مکہ و شام و عراق — ان کی خاطر کیوں ہو جدل و اشتیاق
وہ گماں زیبا منافق کے لیے — وہ قیاس ان کا ہے جہل و حرص سے
زرد شیشہ کا اگر اوڑھے نقاب — زرد پائے گا تو نورِ آفتاب
توڑ دے شیشہ کبود و زرد کا — پائے گا تو فرق گرد و مَرد کا

گرد ہے اطراف اس میں شہسوار
گرد کو تو مرد کرتا ہے شمار

گرد دیکھا بولا ابلیس لعیں
آتشیں سے خاکی افضل ہے کہیں

جب تلک سمجھے عزیزوں کو بشر
جان لے ہے تیری ابلیسی نظر

تو اگر ابلیس کا بیٹا نہ تھا
کیوں ہوا وارث تُو اس معلون کا

سگ نہیں حق کوش ہوں شیرِ خدا
شیر حق ہوتا ہے صورت سے رہا

شیرِ دنیا کو ہے ذوق صید و برگ
شیرِ مولا چاہے آزادی و مرگ

دیکھتا ہے موت میں صدہا وجود
پھونک دے جس طرح پروانہ وجود

ہے گلے کا ہار مرگِ صادقاں
اور وہی بہرِ یہود اک امتحاں

ہے بیاں قرآں میں اے قومِ یہود
موت اہل صدق کو ہے فتح و سود

جس طرح ہوتی ہے خواہش سود کی
اس سے بہتر آرزوئے مرگ ہی

اے یہودیو! بھرم رکھنے سہی
منھ سے بولو بات یہ کہنے کو ہی

اک یہودی میں بھی دل گردہ نہ تھا
اس کا اعلاں جب محمدؐ نے کیا

بولے کہہ دے یوں اگر کوئی زباں
خالی ہوجائے یہودی سے جہاں

سب یہودی لائے پھر مالِ خراج
بولے لو رسوا نہ کیجو ہم کو آج

آپؐ نے جزیہ قبولا وہ تھے شاد
بس خدا معلوم احوالِ رشاد

اوجھل آنکھوں سے بیاں کی انتہا
دید جاناں سے مشرف، ہاتھ لا

ترک کر گھورا چمن میں آ ذرا
کہ اندھیرا نور سے زائل ہوا

دیر کیوں فوراً قدم آگے بڑھا
گہری کھائی چھوڑ کر جنت میں آ

پھر مبارز نے کہا بہرِ خدا
کر کے واضح تُو غلام اپنا بنا

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حریف سے فرمایا کہ جب تو نے میرے منہ پر تھوکا میرا غصہ بھڑکا اور عمل کا اخلاص نہ رہا تیرے قتل کا مانع بس یہی تھا۔ اور اس کا مسلمان ہونا

پھر کہے یوں پہلواں سے مرتضیٰؓ
اے پہلوان سن یہ ہنگام و غا
جوں ہی تھوکا تُو نے صورت پر مری
غصّہ آیا، وہ مری خُو کھو گئی
کارِ حق میں ہوگئی داخل ہوا
کام میں حق کے نہیں شرکت روا
صنعت حق نے بتایا ہے تجھے
مالِ حق میں دخل کا کیا حق مجھے
نقشِ حق کو حکمِ حق سے توڑنا
حق کا شیشہ سنگِ حق سے پھوڑنا
سن کے یہ کافر کا دل روشن ہوا
اور فوراً کفر سے تائب ہوا
بولا میں نے بوئے تھے تخمِ جفا
کی سمجھنے میں تمھیں میں نے خطا
اک ترازوئے خدا گویا ہو تم
بلکہ کانٹا ہی ترازو کا ہو تم
میری ہستی کو ہے تم سے واسطہ
دین میرا تم سے روشن ہوگیا
اس چراغِ شمع خو پر میں فدا
ہے تمھاری شمع میں جس کی ضیا
میں غلام اس موجِ بحرِ نور کا
ہیں گہر اس تاب کے جس کی عطا
کلمۂ حق مجھ کو پڑھوا دیجئے
تم یگانہ ہو زمانے میں مجھے
کچھ پچاس افراد اس کی قوم سے
عاشقانہ دیں میں داخل ہوگئے
بردباری کے بس اک اظہار سے
بچ گئے کتنے گلے تلوار سے
حلم تیغِ آہنیں سے تیز تر
سینکڑوں افواج پر پائے ظفر

خاتمہ

اے دریغا اک دو لقمے کھائے تھے
جوش ابھی آیا تھا ٹھنڈے پڑ گئے
ایک گندم کے سبب آدم خراب
اک ذنب سے ہے گہن میں ماہتاب
یہ کرشمہ دل کا ہے اک مشتِ گل
ماہ اُس کا کیوں ہوا پرویں گسِل
نان ہو سچ مچ تو کھانا نفع بخش
لائق انکار ہے گر وہ ہے نقش
اونٹ خارِ سبز کھاتا ہے بجا
فائدہ دے آئے کھانے میں مزا
کانٹا ہوجاتا ہے جب وہ سوکھ کر
دشت میں کھاتا ہے اس کو بھی مگر
تالو چرتی ہے تو زخمی اس کے لب
تیغ ہوتا ہے وہی گُلقند تب
جب تلک روئی تھی کانٹے تھے ہرے
خشک ہوکر صرف صورت بن گئے
جس طرح پہلے تو اے شیریں ادا
اپنی عادت پر انھیں کھاتا رہا
خشک دھن میں سبز کی کھاتا رہا
خاک اصلی کو بالآخر کر دیا
خشک و خاک آلودہ، کاٹے گوشت بُر
اس غذا کو ترک کردے اے شتر
یہ بیاں بس خاک میں مل جائے گا
پانی گندہ ، بند کر منہ چاہ کا
تا خدا نا پاک کو اچھا کرے
صاف کرتا ہے وہ جو گندا کرے

صبر سے مقصد میں ہوگا کامیاب
صبر کر واللہ اعلم بالصواب

◆◆◆

زیر نظر کتاب ''مثنوی مولانا روم'' اب تک کے شعری و ادبی کارناموں میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی کا منظوم ترجمہ ہے۔ مذکورہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم کی رہبری و ہدایت کے کام آئے گی۔ یہ علمی و عملی دینیات یعنی فقہ و تصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش، غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی نیز گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو رفع کرتی ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' شہرت و کامیابی کا ایک اہم ریکارڈ رکھتی ہے۔ یہ کم و بیش چار سو برس سے علما، صوفیہ اور اہل دانش کے درمیان مقبول ہے۔ علمی و روحانی محفلوں میں اس کے اشعار سننے کو ملتے ہیں۔ جس سے روحانی کیف اور سرور حاصل ہوتا ہے۔

صاحب مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومیؒ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی وشاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ مولانا میں بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ مولانا رومی اپنے والد صاحب کے زیر تربیت رہے اور انہی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ ان کی تصنیفات میں مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) وغیرہ شامل ہیں۔

سید احمد ایثار نے محنت اور عرق ریزی کے ساتھ فارسی سے اردو نظم میں منتقل کر کے علم و ادب کی تاریخ میں اپنا نام درج کرا لیا ہے۔ انھوں نے منظوم ترجمے میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ وہ کہیں اصل سے دور نہیں ہوئے ہیں۔ ایک ایک لفظ کا ترجمہ رواں، سلیس اور مطابق اصل ہے۔ ان کا یہ منظوم ترجمہ اردو داں طبقے کے لیے اصلاح و تربیت کا بہترین وسیلہ بنے گا نیز فارسی سے اردو تراجم اور فقہ و تصوف سے تعلق رکھنے والے طلبا کے لیے ''مثنوی مولانا روم'' مفید ثابت ہوگی۔

ISBN: 978-93-89612-05-9

NCPUL New Delhi

Set for
ISBN: 978-93-89612-11-0

₹ 780/-
(Set)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025